بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"جامعہ نظامیہ (بغداد) کا علمی وفکری کردار
(۴۵۷ تا ۶۵۶ ھ)۔ایک تحقیقی جائزہ"

تصحیح شدہ

26/11/09

مقالہ برائے: پی ایچ۔ڈی

27/11/09

مقالہ نگار

محمد سہیل شفیق

زیرنگرانی

پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمد شکیل اوج
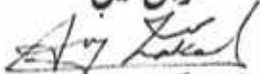
شعبہ اسلامی تاریخ، جامعہ کراچی

۲۰۰۹ء

صداقت نامہ

تصدیق کی جاتی ہے محمد سہیل شفیق ولد شفیق احمد صدیقی نے ''جامعہ نظامیہ (بغداد) کا علمی وفکری کردار (۴۵۷ تا ۶۵۶ھ)۔ ایک تحقیقی جائزہ'' کے موضوع پر اپنا کام برائے پی ایچ۔ ڈی اپنے طور پر اور میری نگرانی میں مکمل کرلیا ہے۔ کام کی نوعیت اور مواد صحیح معنوں میں تحقیقی ہے۔ لہٰذا مذکورہ امیدوار کو اپنا مقالہ جمع کرانے کی اجازت دی جاتی ہے۔

نگران تحقیق

11-05-09

پروفیسر ڈاکٹر محمد شکیل اوج

PROF. DR. M. SHAKIL AUJ
Deptt. of Islamic Learning
UNIVERSITY OF KARACHI

فہرست

Introduction

Educational and Intellectual Role of *Jamia Nizamia* (Baghdad)

Applicant: Muhammad Sohail SHafiq

Supervisor: Prof. Dr. Hafiz Muhammad Shakil Auj

Madaris had played significant role in Muslim educational and cultural history. These *Madaris* has their roots in Ashab-*e- suffah* which was the first *Maddarsa* in Islam. The educational and intellectual movement inspired by the instructions and injunctions of Holy Prophet SAW which was started from *Masjid*-e-*Nabavi*, soon spread around three continent of the world. Islamic educational system revolutionalized the intellectual worlds since 1000 years. *Jamia Nizamia* Baghdad is also a part of this educational movement. *Jamia Nizamia* Baghdad gave enormous scholars like *Shaikh Abu Ishaque Shirazi, Imam Ghazali, Khateeb Tibrizi, Bahauddin Ibn-e-shadad, Shaikh Saadi* to Islamic World whose intellectual deeds are still benefiting Islamic World.

Present study on "Educational and Intellectual Role of *Jamia Nizamia* Baghdad, A Research Study" is comprises of seven chapters.

First chapter evaluated Islamic Educational system, and the detail of *Madaris* is provided from the period of holy prophet SAW till *Abbasis*.

Second chapter discusses historical and political background of Baghdad in detail, and the circumstances in which these institutes were founded are also discussed in detail. Furthermore, the life of founder of Madaris-e-Nizamia *Nizamul Mulk Tusi* is also discussed in detail.

Third chapter shed the light on the history, commencement and lasting, teaching and learning, curriculum, departments, and administration of *Jamia Nizamia* Baghdad

Fourth chapter stated the Educational value and circumstances in which Jamia Nizamia Baghdad was governed.

Fifth chapter stated the life of the students of Jamia Nizamia Baghdad

Sixth chapter discussed following 11 Madaris, working under Jamia Nizamia Baghdad

Nisha Pur, Baghdad, Isphahan, Aamil Tibridtan , Basra , Bulkh,

Jazeera-Ibn-e-Umer, Khrd Gard (Khwaf), Marwe, moosal and Herat.

Intellectual and Educational effects of *Jamia Nizamia* Baghdad is evaluated in detail in **seventh chapter**, and it is stated that how *Jamia Nizamia* lead Islamic World intellectually and educationally in this period.

It is difficult to say this thesis will prove last word on the topic because nothing is final in the field of research, but it is tried best to make justice with the topic, and to make an unbiased and pragmatic evaluation to bring forth before Intellectuals and scholars.

اظہارِ تشکر

حمد وثناء خالق کون ومکاں اور درود وسلام سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے۔ اللہ تعالیٰ کا بے پایاں انعام واحسان ہے کہ تحقیقی مقالہ برائے پی ایچ۔ ڈی، بعنوان ''جامعہ نظامیہ (بغداد) کا علمی وفکری کردار (۴۵۷ تا ۶۵۶ھ)۔ ایک تحقیقی جائزہ'' کا کام مکمل ہوا۔ اس مقالہ کی تیاری میں مجھے جن لوگوں کا تعاون حاصل رہا ان کا شکریہ ادا کرنا میں اپنا فرض سمجھتا ہوں:

سب سے پہلے تو میں اپنے نگرانِ تحقیق، پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمد شکیل اوج صاحب، شعبہ علومِ اسلامیہ، جامعہ کراچی کا ممنون ہوں، جنہوں نے اس مقالے کی نگرانی کی ذمہ داری قبول کی، مکمل تعاون کیا۔ میری تحقیقی مشکلات کو آسان کیا۔ ڈاکٹر صاحب کی علمی معاونت، مشاورت اور علمی دلچسپی ہی کی وجہ سے یہ مقالہ تکمیل کے مراحل پورے کرسکا۔

بڑی ناشکری و نا۔ پاسی ہوگی اگر میں استادِ محترم پروفیسر ڈاکٹر نگار سجاد ظہیر صاحبہ، شعبہ اسلامی تاریخ کا ذکر نہ کروں کہ جنہوں نے خصوصی توجہ اور شفقت سے میرے تحقیقی مسائل میں میری اعانت فرمائی۔ اپنے ذاتی

ذخیرہ کتب سے انتہائی اہم نوعیت کی کتب مجھے فراہم کیں، ہر مرحلہ پر خصوصی تعاون کیا اور میری بھرپور حوصلہ افزائی کی۔ آپ کی حوصلہ افزائی نے پرخار راہوں کو طے کرنے میں میری جس طرح مدد کی اس کا شکریہ ادا کرنا میرے لیے ممکن نہیں۔

میں شکرگزار ہوں استادِ محترم ڈاکٹر محمد شکیل صدیقی صاحب کا کہ جن کی حوصلہ افزائی اور خصوصی توجہ نے میری مشکل سے مشکل حالات میں علمی رہنمائی کی۔ میں خصوصی طور پر شکرگزار ہوں محترمہ ڈاکٹر زیبا افتخار صاحبہ کے خلوص و محبت کا، جن کی ڈانٹ ڈپٹ نے مجھے راہ سے ہٹنے نہ دیا اور یہ مقالہ جلد پایہ تکمیل کو پہنچا۔

میں ان تمام لوگوں کا بے حد ممنون ہوں جنہوں نے تحقیق کے مختلف مراحل میں میری خصوصی مدد فرمائی، ان میں پروفیسر علی محسن صدیقی صاحب، پروفیسر ڈاکٹر محمد صابر صاحب، پروفیسر ڈاکٹر ریحانہ فردوس صاحبہ (شعبہ فارسی، جامعہ کراچی)، پروفیسر ڈاکٹر معین الدین عقیل صاحب (شعبہ اردو، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد)، علامہ جمیل احمد نعیمی صاحب (دارالعلوم نعیمیہ، کراچی)، علامہ نذیر احمد نقشبندی صاحب (دارالعلوم نضرۃ العلوم، کراچی)، جناب عطا خورشید صاحب (مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ)، آغا بیگ سید معراج جامی اور ڈاکٹر محمد یونس قادری صاحب شامل ہیں۔

یہاں ان پرخلوص دوستوں کا ذکر بھی ضروری ہے جنہوں نے تحقیق کے مختلف مراحل میں میرا ساتھ دیا۔ ان میں برادرِ عزیز داؤد عثمانی، برادرم محمد عبدالعقیل، شاکر حسین خان اور خرم سبزواری میرے خصوصی شکریہ کے مستحق ہیں۔

میں ان کتب خانوں کا ذکر خیر کرنا بھی اپنا فرض سمجھتا ہوں، جن سے اس تحقیقی مقالہ کی تیاری کے سلسلہ میں استفادہ کیا۔ ان میں سیمینار لائبریری شعبہ اسلامی تاریخ (جامعہ کراچی)، شرف آباد بیدل لائبریری (کراچی)، ڈاکٹر محمود حسین لائبریری، (جامعہ کراچی)، مدینۃ الحکمت لائبریری، ہمدرد یونیورسٹی (کراچی)، مجلسِ علمی لائبریری (کراچی)، اسٹیٹ بنک لائبریری (کراچی)، عبدالمجید کھوکھر یادگاری لائبریری (گوجرانوالہ)، اور مولانا آزاد لائبریری (علی گڑھ) قابلِ ذکر ہیں۔

شرف آباد بیدل لائبریری کے لائبریرین محترم جناب محمد زبیر صاحب، اسسٹنٹ لائبریرین امان شیخ صدیقی اور مجلس علمی لائبریری کے محمد سراج صاحب کے تعاون کا میں خصوصی طور پر شکرگزار ہوں۔

اور یقیناً اس کام میں میرے والدین، میری اہلیہ اور میرے بہن بھائی برابر کے شریک ہیں جن کی دعائیں اور ہر ممکن تعاون اگر میرے شامل حال نہ ہوتا تو شاید اس مقالہ کی تکمیل ہرگز ممکن نہ ہوتی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ تمام معاونین ومخلصین کو بہترین جزاء عطا فرمائے۔

جزاهم الله عنی خیر الجزاء۔

وما توفیقی الا بالله علیه توکلت و الیه انیب

محمد سہیل شفیق

۱۷/ مئی ۲۰۰۹ء

مقدمہ

اسلامی تہذیب کا ارتقاء، تجسس و آگہی کے محرکات سے عبارت ہے۔ مشاہدات و تجربات اور اصول و روایات انہی کے مظاہر ہیں۔ اس بارے میں دو رائے نہیں ہوسکتیں کہ علوم وفنون کی ترقی میں تحقیق و تلاش کا کلیدی کردار ہے۔ تحقیق (Research) انسان کی سب سے زیادہ علمی، بامعنی اور دوررس سرگرمی کا نام ہے۔

ا۔ موضوع کی بحث: اسلامی تاریخ جو سماجی علوم (Social Sciences) میں محسوب ہوتی ہے۔ انتہائی ہمہ جہت اور وسیع ہے۔ اس کی یہ وسعت اور ہمہ جہتی اسی تحقیق و جستجو کا نتیجہ ہے۔ اس انتہائی وسیع اور متنوع مضمون میں کسی مناسب 'موضوع' کی تلاش بذاتِ خود ایک امر دشوار ہے۔ تاہم مسلمانوں کی سیاسی تاریخ کے مقابلے میں ان کی علمی و فکری تاریخ کی طرف میرے طبعی رجحان نے اس ہفت خواں کو طے کرنے میں میری مدد کی اور میں نے "جامعہ نظامیہ (بغداد) کا علمی و فکری کردار (۴۵۷ تا ۶۵۶ھ) ایک تحقیقی جائزہ" پر اپنی توجہ مرکوز کی۔

مسلمانوں کی علمی و تہذیبی تاریخ میں مدارس اسلامیہ کا غیر معمولی کردار رہا ہے۔ یہ ادارے اپنے دور

میں دوسرے معاشروں کو متاثر کرنے کا ذریعہ بھی رہے ہیں۔ ان مدارس کی نسبت ''اصحاب صفہ'' سے ہے جو اسلام کا پہلا باقاعدہ مدرسہ تھا۔ نبی کریم ﷺ کے احکامات وفرامین نے ایک عمومی اور خودکار تعلیمی تحریک جاری فرمادی تھی جو مسجد نبوی ﷺ سے شروع ہوئی اور جلد ہی تین براعظموں میں پھیل گئی۔

اسلامی نظام تعلیم ایک ہزار سال تک علم وفضل کے میدان میں تہذیب پرور اور انقلاب آفریں بہاریں دکھاتا رہا۔ جامعہ نظامیہ (بغداد) بھی اسی سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی ہے جس نے اپنے دور میں شیخ ابواسحٰق شیرازی، امام غزالی، ابوبکر الشاشی، خطیب تبریزی، بہاء الدین ابن شداد و شیخ سعدی شیرازی جیسے یگانہ روزگار افراد تیار کیے، جن کے علمی وفکری ثمرات سے ملت اسلامیہ آج بھی مستفید ہورہی ہے۔

۶۵٦ھ/۱۲۵۸ء میں ہلاکو خان نے بغداد پر حملہ کرکے بے شمار علمی آثار برباد کردیے۔ مدارس اسلامیہ میں خاک اڑنے لگی، صدیوں کا علمی سرمایہ دریا برد ہوگیا اور بے شمار علماء نقل مکانی کرگئے۔ یہ تہذیب وتمدن کے ایک دور کا خاتمہ تھا۔

اس موضوع کے انتخاب کی دوسری وجہ یہ ہوئی کہ عہد عباسی کی تاریخ کی شاید ہی کوئی کتاب ''نظامیہ بغداد'' کے تذکرہ سے خالی ہو، تقریباً تمام مورخین نے نظامیہ بغداد کی تعریف وتوصیف کی ہے، لیکن اس حوالے سے تفصیلات انتہائی کم ملتی ہیں۔ خصوصاً نظامیہ بغداد کے قیام کے مقاصد اور ملت اسلامیہ پر اس کے اثرات پر کسی نے تحقیق وتدوین کا کام نہیں کیا۔ اس تشنگی نے، اس موضوع پر کام کرنے کی جستجو پیدا کی۔

اس موضوع پر تحقیق کا ایک مثبت پہلو میری نظر میں یہ بھی تھا کہ اس تحقیق کے نتیجے میں ان سینکڑوں اصحاب علم وفن کے حالات مربوط صورت میں علمی دنیا کے سامنے آجائیں گے جو تاریخ کی سینکڑوں کتابوں

کے متفرق اوراق میں بکھرے ہوئے ہیں اور جن کے ناپید ہو جانے کے امکان کو کلیۃً رد بھی نہیں کیا جا سکتا۔

موضوع کے انتخاب کے ساتھ ہی 'مفروضہ' (Hypothesis) قائم کرنا بھی کمیتی یا معیاری تحقیق (Quantitative Research) کے لیے ایک ضروری معاملہ سمجھا جاتا ہے۔ لیکن تاریخی تحقیق کے لیے ہمیشہ ہی 'مفروضہ' کی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ تاریخی تحقیق میں ماضی کے پوشیدہ حقائق کو تلاش کیا جاتا ہے۔

۲۔ منہج تحقیق: تاریخی تحقیق ماضی کے واقعات، تغیرات اور تجربات کے گہرے تجزیاتی مطالعہ کا نام ہے جس میں معلومات کے ذرائع سے سامنے آنے والی شہادتوں کو پرکھا جاتا ہے اور ان کی توضیح کی جاتی ہے۔۔۔ یہ ایک مشکل معاملہ ہے۔۔۔ درست تاریخی تجزیے اور صحیح توضیح کے لیے غیر معمولی کوشش لازمی ہوتی ہے۔۔۔ سائنسی تحقیق کا معاملہ پھر آسان ہے جہاں لیبارٹری میں ٹیسٹ کر کے حتمی نتائج حاصل کیے جا سکتے ہیں۔ تاریخی تحقیق کی دشواری یہ ہے کہ یہاں سابقہ، ماضی کے ان واقعات سے ہے جن پر وقت کے دبیز پردے پڑے ہوتے ہیں۔ پھر انسانی رویوں اور افکار و خیالات کی جانچ کے لیے نہ کوئی "تجربہ گاہ" ہے اور نہ ہی ہو سکتی ہے۔ لہٰذا زیر نظر تحقیق میں بھی بعض جگہ مجھے قیاسات سے کام لینا پڑا ہے۔ تاہم یہ قیاسات، گہرے مطالعہ کے بعد قائم کیے گئے ہیں۔

۳۔ متعلقہ مواد کا جائزہ: زیر نظر موضوع پر اندرون ملک یا بیرون ملک عربی، فارسی، اردو یا انگریزی زبان میں ہونے والی تحقیق کی تاریخ بہت مختصر ہے:

ا۔ عربی زبان میں اس موضوع پر عراق کے ڈاکٹر ناجی معروف کا کام بعنوان "علماء النظامیات و مدارس المشرق الاسلامی" ہے۔ مذکورہ کتاب میں انتہائی اختصار سے کام لیا گیا ہے۔ مدرسین

نظامیہ کے محض ناموں پر اکتفا کیا گیا ہے۔

۲۔ فارسی زبان میں ایران کے ڈاکٹر نور اللہ کسائی کا کام بعنوان ''مدارس نظامیہ وتاثیرات علمی و اجتماعی آن'' ہے۔ ڈاکٹر نور اللہ کسائی نے مدارس نظامیہ کی ایک جامع تاریخ لکھی ہے۔ ڈاکٹر کسائی کی کتاب اس موضوع پر ایک بہترین کتاب ہے۔ نیز فارسی زبان میں مدارس نظامیہ کے حوالے سے کئی مقالات بھی لکھے گئے ہیں۔

۳۔ اردو زبان میں عبدالرزاق کانپوری نے اپنی کتاب ''نظام الملک طوسی'' میں مدارس نظامیہ پر گفتگو کی ہے۔ نیز اردو زبان میں پروفیسر علی محسن صدیقی صاحب کا ایک مقالہ بعنوان ''جامعہ نظامیہ بغداد'' مشمولہ ''مقالات تاریخی'' (مطبوعہ قرطاس، کراچی ۲۰۰۴ء) ہے۔

۴۔ انگریزی زبان میں کوئی کتاب راقم کی معلومات کے مطابق خاص اس موضوع پر موجود نہیں ہے۔ البتہ ضمناً کئی کتابوں میں اس موضوع پر کچھ مواد موجود ہے۔ جس کی تفصیل کتابیات میں دیکھی جا سکتی ہے۔

۴۔ ماخذ: تاریخی تحقیق کو لائبریری تحقیق بھی کہا جاتا ہے، کیونکہ تاریخی تحقیق کے لیے اہم ترین سرمایہ کتب و جرائد یا مخطوطات ہوتے ہیں جو لائبریری میں ہی موجود ہو سکتے ہیں۔ راقم نے بھی اس تحقیق کے لیے کراچی کے اہم کتب خانوں (جن کا تفصیلی ذکر ''اظہار تشکر'' کے ضمن میں کیا گیا ہے) میں گذشتہ سات سال گذارے اور ابتدائی اور ثانوی نوعیت کی تاریخی کتب سے استفادہ کیا ہے۔ اس حوالے سے اہم ابتدائی ماخذ (Primary Sources) یہ ہیں:

۱۔تاج الدین ابی النصر عبدالوهاب ابن تقی الدین السبکی، ''طبقات الشافعیة الکبریٰ"

۲۔ابو العباس احمد بن محمد بن ابی بکر بن خلکان، ''وفیات الاعیان و انباء ابناء الزمان"

۳۔عماد الدین ابی الفداء اسماعیل ابن عمر بن کثیر، ''البدایة و النهایة فی التاریخ"

۴۔ابو الحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی المعروف با بن اثیر، ''الکامل فی التاریخ''

۵۔ابو الفرج عبدالرحمٰن بن علی الجوزی، ''المنتظم فی تاریخ الملوك و الامم"

۶۔شہاب الدین ابوعبداللہ یاقوت حموی، ''معجم الادبا''

۷۔جمال الدین عبدالرحیم الاسنوی، ''طبقات الشافعیة''

۸۔صلاح الدین خلیل بن ایبک صفدی، ''الوافی بالوفیات''

۹۔ابومحمد عبداللہ بن اسعد بن علی بن سلیمان الیافعی، ''مرآة الجنان و عبرة الیقظان"

۱۰۔ابوالمظفر یوسف بن قزاوغلی بسط ابن الجوزی، ''مرآة الزمان فی تاریخ الاعیان''

اس کے علاوہ ثانوی ماخذ (Secondary Sources) کے ضمن میں متعدد اہم کتب عربی، فارسی، اردو اور انگریزی سے استفادہ کیا گیا ہے۔ تاہم ہر کتاب سے اخذ و استفادہ کرنے سے پہلے مواد کی تنقیح (Internal and External Critisim) کو بروئے کار لایا گیا ہے تاکہ مجہول، غیر مستند اور سطحی مواد شامل تحقیق نہ ہو، مواد کی تنقیح کو بعض موقعوں پر حواشی میں بھی دیکھا جا سکتا ہے۔

مقاصدِ تحقیق: زیرِ نظر موضوع پر کام کرتے ہوئے دو مقاصد میرے پیش نظر رہے:

اولاً ۔ چونکہ تاریخی تحقیق کا بنیادی مقصد حقیقت کی دریافت ہے لہٰذا نظامیہ بغداد کا ایسا تجزیاتی

مطالعہ پیش کیا جائے کہ اس کے قیام کے اسباب و محرکات اور اس کے ہمہ گیر اثرات کا مکمل جائزہ علمی دنیا کے سامنے یکجا طور پر آ سکے۔

ثانیاً۔ اردو زبان کا دامن ''نظامیہ بغداد'' کے حوالے سے مکمل معلومات سے تہی ہے۔ جو معلومات دستیاب ہیں وہ عربی اور فارسی زبان میں ہیں، تاہم وہاں بھی یکجا نہیں بلکہ منتشر و متفرق ہیں۔ جس کی وجہ سے جامعہ نظامیہ بغداد کا ایک مکمل اور مربوط نقشہ سامنے نہیں آ پاتا۔ میری کوشش ہے کہ اس کمی کو جس حد تک ممکن ہو پورا کیا جا سکے۔ اور جامعہ نظامیہ بغداد کے بارے میں ایک حقیقت پسندانہ اور معروضی (Objective)، مستند (Authentic) اور منظم و مرتب (Sytematic) جائزہ پیش کیا جا سکے۔

یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ اس موضوع پر زیر نظر مقالہ ''حرفِ آخر'' ہے۔ کیونکہ علم و تحقیق کی دنیا میں کوئی بات 'حرفِ آخر' نہیں ہوتی۔ تاہم یہ کوشش ضرور کی گئی ہے کہ موضوع زیر بحث سے انصاف کیا جا سکے اور ایک غیر جانبدارانہ اور حقیقت پسندانہ جائزہ اہل علم کے سامنے پیش کیا جا سکے۔

محمد سہیل شفیق

۷/ مئی ۲۰۰۹ء

باب اول

مسلمانوں کا نظامِ تعلیم

عہدِ رسالت مآب ﷺ:

اسلامی تہذیب وتمدن کے مزاج وشعار کا اظہار اگر ایک لفظ میں کرنا ہو تو اس کے لیے علم سے زیادہ جامع اور محیط کوئی دوسرا لفظ نہیں ہوسکتا۔ قرآن کریم کے بغور مطالعہ سے اس حقیقت کی تائید ہوگی کہ اس مکمل ہدایت ربانی کو بھی اللہ تعالیٰ نے علم ہی سے تعبیر فرمایا ہے:

ولقد جئنٰهم بكتٰب فصلنٰه على علم هدى و رحمة لقوم يومنون۔(۱)

''ہم ان لوگوں کے پاس ایک ایسی کتاب لے آئے ہیں جس کو ہم نے علم کی بنا پر فضیلت عطا کی ہے اور جو ایمان لانے والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔''

اگر چہ اسلام سے قبل دنیا کے بعض خطوں میں علوم وفنون کے چرچے تھے۔ مصر و یونان، چین ورو ما، ہند و ایران میں مدارس قائم تھے جہاں استاد اور طالب علم درس و تدریس میں مشغول تھے۔ مگر سب جگہ ایک بات قدر مشترک نظر آتی ہے کہ تعلیم وتعلم کی ساری سرگرمی ایک مخصوص گروہ یا طبقہ تک محدود تھی۔ عوام تک علم کی رسائی نہیں تھی۔ یونان میں ارسطو جیسا فلسفی اپنی بلند فکری کے باوجود عورتوں اور غلاموں کو علم کی مسند پر قدم رکھنے کی اجازت نہیں دیتا۔ ہندوستان میں مشہور ماہر قانون 'منو' شودروں کو تعلیم حاصل کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ اگر کوئی شودر مقدس کتاب ''وید'' کے الفاظ سننے کی کوشش کرے تو اس کے لیے سزا تجویز کرتا ہے کہ اس کے کانوں میں سیسہ پگھلا کر ڈالا جائے۔ یہ تو دورِ قدیم کی بات تھی بعض غیر مسلم ریاستوں میں تو انیسویں صدی تک بھی صورتِ حال بہتر نہ ہوسکی۔ امریکہ کی ریاست جنوبی کیرولینا نے ۱۸۳۴ء میں یہ قانون پاس کیا کہ ''اگر کوئی شخص غلاموں (حبشیوں) کو تعلیم دیتے ہوئے یا تعاون کرتے ہوئے پکڑا گیا تو اگر وہ شخص سفید فام ہے تو اس کو ایک ڈالر جرمانہ اور چھ ماہ قید کی سزا دی جائے گی اور اگر وہ کالا ہے تو اس کو پچاس کوڑوں کی سزا دی جائے گی۔ الغرض ہر جگہ ایک طبقہ نے علم کی اجارہ داری قائم کر رکھی تھی اور وہ عوام کو اس میں شریک کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ (۲)

چھٹی صدی عیسوی میں جب رسالتِ محمدی ﷺ کا آفتاب عالم تاب مکہ معظمہ سے طلوع ہوا تو بعثت محمدی ﷺ نے دنیا کو نیا آسمانی صحیفہ عطا کیا، نیا علم وحکمت عطا کیا، نیا ذوق وشوق اور نئی بلند نظری عطا

کی اور علم و دانش کی روشنی سے دنیا کے تاریک گوشوں کو منور کیا۔ اسلام کا انسانیت پر یہ ابدی احسان ہے کہ اس نے علم کے پوشیدہ خزانوں کو وقف عام کر دیا۔ (۳)

اسلام ہی دنیا کا واحد مذہب ہے جس نے علم کے بارے میں یہ تصور رائج کیا کہ دنیا کی تمام مخلوق میں انسان کو صرف اس لیے برتری حاصل ہے کہ اسے علم سے نوازا گیا۔ اسی لیے کسی قوم میں کسی پیغمبر کا مبعوث ہونا تعلیم کے سوا کسی اور غرض کے لیے نہیں ہوتا۔ (۴) تحصیل علم کے لیے تاکید اس حقیقت کا عنوان ہے کہ تاریخ عالم کے تناظر میں اسلام اس کو اپنا شعار قرار دیتا ہے۔

قرآن کریم کی شہادت موجود ہے کہ ہر نبی اپنی امت کا معلم ہوتا ہے۔ ہر نبی نے اپنی قوم سے یہی کہا:

یا قوم لا اسئلکم علیه مالا ط ان اجری الا علی الله. (۵)

اے میری قوم! میں نہیں طلب کرتا تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی مال۔ میرا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

انما بعثت معلما.

میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ (۶)

اس کی تائید متعدد قرآنی آیات سے بھی ہوتی ہے۔ (۷) حقیقت میں تبلیغ اور تعلیم ایک ہی چیز ہیں، خصوصاً ایسے شخص کے لیے جو مذہب و سیاست کو بالکل ایک دوسرے سے الگ اور آزاد چیزیں نہ سمجھتا ہو (۸) اور جس کا مطمع نظر یہ ہو کہ:

ربنا آتنا فی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنة و قنا عذاب النار۔(۹)

اے ہمارے رب! ہمیں اس دنیا میں بھی بھلائی عطا کر اور آخرت میں بھی اور ہمیں آگ

کے عذاب سے بچا۔

ارشادِ خداوندی ''اقراء''(۱۰) نے علم وحکمت کے دروازوں کو کھول دیا۔ اور نبی کریم ﷺ کا سب سے بڑا منصب اللہ تعالیٰ کی تعلیمات کو لوگوں تک پہنچانا اور انہیں کھول کھول کر آسان لفظوں میں بیان کرنا قرار دیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیهم۔(۱۱)

''اور ہم نے آپ ؐ کے اوپر ذکر اتارا تاکہ آپ لوگوں کو وہ تعلیمات کھول کھول کر بیان کریں

جو ان کی طرف اتاری گئی ہیں۔''

آپ ﷺ نے فرمایا:

مثل ما بعثنی اللہ به من الهدی والعلم کمثل الغیث
الکثیر اصاب ارضاً، فکان منهانقیةً قبلت الماء فانبتت
الکلا والعشب الکثیر وکانت منها اجادب امسکت
الماء فنفع اللہ بها الناس فشربوا وسقوا وزرعوا،
واصاب منها طائفةً اخری انما هی قیعان لا تمسک
ماءً ا ولا تنبت کلا فذلک مثل من فقه فی دین اللہ و

نفعه ما بعثنی الله به فعلم و علم، و مثل من لم یرفع

بذلک راساً ولم یقبل هدی الله الذی ارسلت به. (۱۲)

''اللہ تعالیٰ نے مجھے جو ہدایت اور علم دے کر بھیجا ہے اس کی مثال موسلا دھار بارش کی ہے جو زمین پر برسی ہو۔ زمین کا کچھ حصہ صاف ستھرا تھا اس نے پانی جذب کرلیا۔ اس سے نباتات اور بے شمار سبزہ اگ آیا۔ اس زمین کا کچھ حصہ چٹیل تھا اس نے پانی کو جمع کرلیا۔ اس سے اللہ نے لوگوں کو فائدہ پہنچایا۔ انہوں نے خود پیا اور کھیتوں کو سیراب کیا۔ زمین کا ایک ٹکڑا ایسا تھا جو بالکل سپاٹ تھا۔ نہ اس نے پانی کو روک کر جمع کیا اور نہ ہی اس میں سبزہ اگا۔ یہی مثال ہے اس شخص کی جس نے خدا کے دین کی سمجھ حاصل کی اور میری بھیجی ہوئی تعلیمات سے لوگوں کو فائدہ پہنچایا۔ اس نے خود علم حاصل کیا اور پھر لوگوں کو سکھایا۔ یہ مثال اس شخص کی بھی ہے جس نے حصول علم کی خاطر اپنا سر اٹھایا اور نہ ہی خدا کی وہ رہنمائی قبول کی جس کو میں لے کر آیا ہوں۔''

وحی الٰہی کے آغاز سے تعلیم و تعلم کے سلسلہ کا آغاز ہو چکا تھا۔ اولین اسلام لانے والوں (سابقون الاولون) میں سے ایک صحابی حضرت ارقم بن ابی ارقم تھے۔ ان کا مکان کوہِ صفا کی بلندی پر واقع تھا۔ نبی کریم ﷺ نے اس کو اسلام کا پہلا مرکز بنایا۔ یہیں اسلام کا پہلا مدرسہ قائم ہوا۔ (۱۳) دائرہ اسلام میں داخل ہونے والے یہاں جمع ہوتے اور آپ ﷺ انہیں قرآن مجید کے نازل شدہ حصے کی تعلیم دیتے۔ آپ ﷺ تین سال یعنی ۶ نبوی کے آخر تک یہاں اشاعت اسلام اور نومسلموں کی تربیت کا کام انجام دیتے رہے۔ (۱۴) رسول اللہ ﷺ کے حکم سے تعلیم یافتہ صحابہ دار ارقم کے باہر بھی لوگوں کے گھروں میں جا کر ان

کو تعلیم دیا کرتے تھے۔(۱۵)

بیعت عقبہ ثانیہ جیسے ابتدائی زمانے میں، جو ہجرت سے بھی دو سال پہلے منعقد ہوئی تھی۔ آپ ﷺ نے وہاں نئے اسلام لانے والوں کی تعلیم و تربیت کے لیے سب سے پہلے انتظام فرمایا۔ حضرت مصعب بن عمیرؓ اور حضرت سعید بن العاصؓ کو مدینہ منورہ روانہ کیا تا کہ وہ ہاں جا کر لوگوں کو قرآن مجید کی تعلیم دیں اور نماز پڑھنا سکھائیں۔ (۱۶) بعض روایات میں آتا ہے کہ حضرت ابن مکتومؓ کو بھی مدینہ منورہ بھیجا تھا کہ وہ وہاں جا کر لوگوں کو قرآن مجید کی تعلیم دیں۔ (۱۷) حضرت سعید بن العاصؓ لکھنا پڑھنا جانتے تھے بلکہ خوشخط تھے۔ (۱۸) انھوں نے وہاں جا کر لوگوں کو تحریر و کتابت بھی سکھانا شروع کر دی۔ یہ مدینہ منورہ میں قائم ہونے والا پہلا مدرسہ اور اسلام کا دوسرا مدرسہ تھا۔ (۱۹)

ہجرت کے بعد جب مدینہ منورہ میں اسلامی ریاست کی داغ بیل ڈالی گئی تو تمام داخلی اور خارجی خطرات اور ہنگاموں کے باوجود نبی کریم ﷺ نے تعلیم کی طرف اولین توجہ مبذول فرمائی۔ مسلمانوں کے پہلے باقاعدہ تعلیمی ادارے کا قیام مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر سے ہوا۔ مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر کے ساتھ صفہ کے مدرسہ کے قیام نے مسجد کا مدرسہ سے تعلق قائم کر دیا۔ آپ ﷺ نے مسجد کے کنارے پر ایک جگہ مخصوص کر لی، جسے اس کے سائبان کی وجہ سے ''صفہ'' کہتے تھے۔ یہ ایک کھلی اقامتی (Residential) درس گاہ تھی، جس میں ہر چھوٹا، بڑا شخص تعلیم و تربیت حاصل کرتا تھا، چاہے وہ اس میں اقامت گزیں ہو یا نہ ہو، مسلمانوں کی ایک جماعت جنھوں نے اپنی کل زندگی اسلام کے لیے وقف کر دی تھی، تعلیم و تربیت کے حصول کے لیے اس میں اقامت گزیں ہوگئی، انہیں ''اصحاب صفہ'' (۲۰) کہتے تھے۔ اس اعتبار سے اگر مسجد نبوی ﷺ کی

اس درس گاہ کوعصر حاضر کی اقامتی اور کھلی درس گاہوں کا پیش خیمہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ (۲۱)

یہ پہلی اقامتی جامعہ تھی جو رسول اللہ ﷺ نے قائم فرمائی۔ پہلے ہی دن سے شہر کے باشندے بھی وہاں آنے لگے، بے خانماں لوگ حصول تعلیم کے لیے وہیں رہتے تھے۔ (۲۲) مسجد نبوی ﷺ کی اس تاریخی درس گاہ ''صفہ'' میں ہر طبقہ کے افراد شریک ہوتے تھے، انصار، مہاجرین، مقامی، بیرونی، اعیان و اشراف، رؤسائے قبائل، عالم، جاہل، بدوی، شہری، بوڑھے، جوان سب ایک ساتھ بیٹھتے تھے۔ اور رسول اللہ ﷺ سب کے ذہن ومزاج، افتادطبع اور زبان ولب ولہجہ کی رعایت فرماتے ہوئے تعلیم دیتے تھے۔ درس گاہ نبوی ﷺ کے ان طلباء میں ''اصحاب صفہ'' کو نمایاں حیثیت حاصل تھی، وہ دن رات حاضر باش رہتے تھے، تعلیم وتعلم ذکرواذکار، تلاوت قرآن مجید اور باہمی مذاکرہ ومراجعہ کے علاوہ ان کی کوئی اور مصروفیت نہیں ہوتی تھی۔ (۲۳)

صفہ میں نہ صرف مقیم طلبہ کی تعلیم کا انتظام تھا، بلکہ ایسے بھی بہت سے لوگ آتے تھے، جن کے مدینے میں گھر تھے اور وہ صرف درس کے لیے وہاں حاضر ہوا کرتے تھے۔ وقتاً فوقتاً عارضی طور سے درس گاہ میں شریک ہونے والوں کی بھی کمی نہ تھی۔ مختلف حالات کے تحت اور مختلف اوقات میں اہل صفہ کی تعداد گھٹتی بڑھتی رہتی تھی۔ (۲۴) لیکن یہاں مستقل رہائش رکھنے والوں کی تعداد عام طور پر ستر کے قریب رہتی تھی۔ (۲۵) کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ یہ تعداد بہت زیادہ بڑھ جایا کرتی تھی، یہاں تک کہ اکیلے حضرت سعدؓ بن عبادہ بعض اوقات اسی اسی لوگوں کی دعوت کرتے تھے، جبکہ باقی اصحاب صفہ دیگر صحابہ کرامؓ کے مہمان ہوتے تھے۔ (۲۶)

مقامی طلبہ کے علاوہ دور دراز کے قبائل سے بھی طلبہ آتے اور اپنے ضروری نصاب کی تکمیل کر کے اپنے وطن واپس چلے جاتے۔ (۲۷) نبی کریم ﷺ اکثر اپنے تربیت یافتہ صحابی کو قبائلی وفود کے ساتھ ان کے مسکنوں کو روانہ کر دیتے، تاکہ وہ اس علاقے میں دینیات کی تعلیم کا بندوبست کریں، جس کے بعد وہ مدینہ واپس آ جاتے۔ (۲۸)

نبی کریم ﷺ کی صحبت اور معیت بھی ایک دائمی درسگاہ تھی، جس سے صحابہ فیض یاب ہوتے تھے۔ آپ ﷺ نمازِ فجر کے بعد مسجد میں ٹھہرے رہتے۔ اور صحابہ کرامؓ کو تعلیم دیتے۔ مصلّی سے اٹھ کر آپ ﷺ اس مقام پر آ کر بیٹھ جاتے تھے جہاں آج کل اسطوانہ (ستون) توبہ واقع ہے۔ صحابہ کرامؓ آپ ﷺ کے گرد حلقہ بنا کر بیٹھ جاتے۔ اگر افراد زیادہ ہوتے تو پہلے حلقہ کے گرد دوسرا حلقہ بنا لیتے۔ یہ اپنی نوعیت کی ایک منفرد درسگاہ تھی۔ حضرت موسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں:

> ''نماز فجر کے بعد ہم رسول اللہ ﷺ کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھ جاتے تھے۔ ہم میں سے کوئی شخص قرآن کے متعلق سوال کرتا تھا۔ کوئی فرائض (وراثت) کے مسائل دریافت کرتا تھا۔ کوئی خواب کی تعبیر دریافت کرتا تھا!۔ (۲۹)

اکثر صحابہ کرامؓ اس صباحی مجلس میں حاضر رہتے تھے۔ کاروبار کی مجبوریوں کے باعث جو لوگ خود حاضر نہیں ہو سکتے تھے۔ وہ حاضر باش صحابہؓ سے وہاں کی گفتگو سنتے تھے اور باخبر ہو جاتے تھے۔ بعض دو دو صحابیوں نے باری مقرر کر لی تھی۔ ایک دن ایک جاتا تھا اور دوسرے دن دوسرا جاتا تھا۔ حضرت عمرؓ فرماتے

ہیں: ” میں اور میرا ایک پڑوسی بنی امیہ بن زید کے قبیلہ اور ان کے مواضع میں رہتے تھے۔ ہم باری باری رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں حاضری دیتے تھے۔ ایک دن وہ جاتا تھا اور ایک دن میں جاتا تھا۔ جب میں مجلس میں حاضری دیتا تو اس دن کی وحی اور تمام دوسری باتوں کی اطلاع اسے دیتا اور جب وہ حاضر ہوتا تو وہ تمام تعلیم مجھے بہم پہنچاتا تھا۔ (۳۰)

مسلمانوں کی یہ پہلی درسگاہ ایک باقاعدہ تعلیمی ادارے کی حیثیت رکھتی تھی۔ اس تعلیمی ادارے میں عام لوگوں کو قرآن اور قرآنی تعلیمات کے ساتھ فقہ اور فن تجوید اور لکھنے پڑھنے کی تعلیم دی جاتی تھی۔ مختلف مضامین کی تدریس کے لیے مختلف ماہر افراد کو بحیثیت استاد مقرر کیا گیا تھا (۳۱) اور ان سب کی سرپرستی اور نگرانی حضور ﷺ خود فرمایا کرتے تھے۔ جب کبھی ضروری ہوتا اساتذہ اور طالب علم حضور ﷺ سے رجوع کرتے تھے۔ (۳۲)

”صفہ“ دن میں ایک مدرسہ بن جاتا تھا اور رات کو دارالاقامہ اور بورڈنگ، یہاں اعلیٰ تعلیم تو خود نبی کریم ﷺ دیا کرتے تھے لیکن ابتدائی تعلیم اور لکھنا پڑھنا سکھانا یہ کام رضا کار نوجوان صحابہ کے سپرد تھا۔ (۳۳)

نبی کریم ﷺ نے فروغ علم کے لیے جو اقدامات فرمائے ان میں ایک اہم واقعہ ان قیدیوں کا ہے جو کفر واسلام کے پہلے معرکہ میں مسلمانوں کی قید میں آئے۔ ہجرت کے دوسرے سال ہی جب جنگ بدر واقع ہوئی۔ ساٹھ ستر مکے والے اس جنگ میں گرفتار ہو کر مدینے لائے گئے تو آپ ﷺ نے ان لوگوں کو جو مالدار نہ تھے، ان کی رہائی کے لیے یہ فدیہ مقرر کیا کہ وہ مدینے کے دس دس بچوں کو لکھنا سکھائیں۔ (۳۴) اس

واقعہ سے آپ ﷺ کی تعلیم و تعلم سے گہری دلچسپی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ یہ حصول علم اور اکتساب علم کا ایک عظیم نمونہ تھا جس کی بنیاد خود آپ ﷺ نے رکھی۔

آپ ﷺ نے تعلیم کا تصور مادی سطح سے بلند پیش کیا۔ آپ ﷺ نے یہ بات اہل ایمان کے دلوں میں جاگزیں کر دی کہ تدریس اور تعلیم کا کام عبادت کی طرح محترم اور مقدس ہے۔ یہ کارِ خیر ہے اور اس کا اجر آخرت میں ملے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

> بہتر صدقہ (نیکی کا کام) یہ ہے کہ ایک مسلمان علم حاصل کرے اور پھر اپنے مسلمان بھائی کو اس کی تعلیم دے۔ (۳۵)

نبی کریم ﷺ نے نہ صرف علم حاصل کرنے کی تلقین کی بلکہ اس کی اشاعت کو بھی لازمی قرار دیا کہ یہ معاشرہ کے ان لوگوں کی ذمہ داری ہے جو اہل علم ہیں کہ وہ ان لوگوں کو علم سے آراستہ کریں جو علم سے بے بہرہ ہیں۔ اس ضمن میں یہ حدیثِ مبارکہ بہت اہم ہے:

> عبدالرحمٰن بن ابزی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ خطبہ دیا۔ اس میں آپ ﷺ نے مسلمانوں کے بعض گروہوں کی تعریف فرمائی۔ پھر فرمایا: ''لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ اپنے پڑوسیوں کو نہ فقہ کی تعلیم دیتے ہیں، نہ علم سکھاتے ہیں، نہ وعظ کرتے ہیں، نہ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور نہ برائی سے منع کرتے ہیں۔ کیا ہو گیا ہے لوگوں کو کہ وہ اپنے پڑوسیوں سے نہ فقہ سیکھتے ہیں، نہ علم سیکھتے ہیں، نہ وعظ سنتے

ہیں۔ خدا کی قسم! یا تو لوگ اپنے پڑوسیوں کو تعلیم دیں، فقہ سکھائیں، وعظ کہیں، نیکی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں اور لوگ اپنے پڑوسیوں سے علم حاصل کریں، فقہ سیکھیں، وعظ سنیں، ورنہ میں جلد ان کو سزا دوں گا۔ اس کے بعد آپ ﷺ منبر سے نیچے تشریف لے آئے۔ لوگ آپس میں چہ میگوئیاں کرنے لگے کہ آپ ﷺ کا اشارہ کس قبیلہ کی جانب ہے؟ کہا گیا کہ قبیلہ اشعری کی جانب ہے۔ وہ خود تو فقیہ ہیں۔ مگر ان کے پڑوسی دیہاتی وحشی پانی والے (کاشت کار) ہیں۔ یہ بات قبیلہ اشعری کے لوگوں کو معلوم ہوگئی۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی۔ یارسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ نے بعض لوگوں کی تو تعریف کی ہے اور ہماری برائی۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ضرور علم سکھائیں لوگ اپنے پڑوسیوں کو، ضرور ان کو فقہ کی تعلیم دیں، ضرور ان کو وعظ ونصیحت کریں۔ ضرور ان کو نیکیوں کا حکم دیں۔ اور ضرور ان کو بری باتوں سے روکیں۔ اور ضرور لوگ اپنے پڑوسیوں سے علم حاصل کریں۔ ضرور فقہ کی تعلیم حاصل کریں۔ ضرور ان سے وعظ سنیں، ورنہ دنیا میں ہی میں ان کو سزا دونگا۔

انھوں نے کہا کہ کیا ہم غیروں کو تعلیم دیں۔ پھر آپ ﷺ

نے اپنی بات دہرادی۔ انھوں نے پھر اپنا سوال دہرایا کہ کیا ہم

غیروں کو وعظ کہیں۔ پھر آپ ﷺ نے اپنی بات دہرادی۔ پھر آخر

میں انھوں نے کہا کہ ہمیں سال بھر کی مہلت دیجیے۔ آپ ﷺ نے

انہیں ایک سال کی مہلت دے دی تا کہ اس عرصے میں وہ ان کو تعلیم

دیں، فقہ سکھائیں اور وعظ سنائیں۔ (۳۶)

آپ ﷺ نے عام لوگوں کے لیے پہلے خود سمجھنا اور پھر اپنے اور قبیلہ اور قوم کو سمجھانا لازمی قرار دیا ہے۔ حصول علم کے ساتھ اشاعت علم کا فریضہ وابستہ کردینے سے مسلمانوں میں ایک جانب تو اساتذہ کی موجودگی اور ان کے کام کی توثیق ہوتی ہے۔ دوسری جانب ایک ایسا تعلیمی نظام بھی وضع ہوجاتا ہے جس میں ہر فرد کو تعلیم حاصل کرنے کے مواقع مل جاتے ہیں۔ ترویج و اشاعت علم کے حوالے سے یہ مذکورہ بالا حدیث نہایت اہمیت کی حامل ہے۔ اس سے تعلیم و تربیت کے باب میں بہت سے اہم امور کا انکشاف ہوتا ہے جو کہ درج ذیل ہیں:

۱۔ حصولِ تعلیم و تربیت افراد کی اور گروہوں کی ذاتی ذمہ داری ہے جس کے لیے وہ اسلامی حکومت کے سامنے قابل مواخذہ ہیں۔

۲۔ دوسروں کو تعلیم دینا اور دوسروں کی دینی تربیت کرنا، پڑوسی گروہوں کی اور اسلامی معاشرہ کی اجتماعی ذمہ داری ہے۔ جس کے لیے وہ اسلامی حکومت کو جوابدہ ہیں۔

۳۔ مذکورہ ذمہ داریاں اتنی اہم ہیں کہ اگر کوئی معاشرہ ان کو ادا نہیں کرتا ہے تو وہ قابل مواخذہ اور

قابل سزا ہے۔

۴۔ حصول علم کی راہ میں حائل ہر قسم کی رکاوٹوں اور مشکلات کو دور کرنا اور تعلیم و تدریس اور دینی تربیت کو سہل الحصول بنانا اسلامی معاشرہ کی اور اسلامی ریاست کی بنیادی ذمہ داری ہے۔(۳۷)

نبی کریم ﷺ نے لوگوں کو اس بات کی بھی ترغیب دلائی کہ عربی زبان کے علاوہ دوسری زبانوں کو بھی سیکھیں۔ آپ ﷺ نے کاتب وحی حضرت زید بن ثابت انصاری سے فرمایا: ''میرے پاس بادشاہوں کے خطوط آتے ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ کوئی غیر اس کو پڑھے۔ کیا تم عبرانی یا سریانی زبانیں سیکھ سکتے ہو؟'' میں نے کہا۔ ہاں، اور پھر میں نے ۱۷ دن میں یہ زبان سیکھ لی۔ حضرت زید نے کسریٰ کے ایلچی سے فارسی زبان سیکھی اور نبی کریم ﷺ کے ایک خادم سے رومی زبان سیکھی۔۔ اور حبشی زبان بھی حضور ﷺ کے ایک دوسرے خادم سے سیکھی اور قبطی زبان بھی حضور ﷺ کی ایک خادمہ سے سیکھی۔(۳۸) اس طرح حضرت زیدؓ نے نبی کریم ﷺ کے فرمان کے مطابق ہمسایہ ملکوں کی اجنبی زبانیں سیکھیں۔ حضرت سلمان فارسی نے تو حضور ﷺ کے دور میں ہی قرآن کریم کی کچھ آیات کا فارسی ترجمہ کر رکھا تھا۔(۳۹) کئی صحابہ کرامؓ ایسے تھے جنہیں اپنی زبان کے علاوہ دوسری زبانوں پر بھی عبور حاصل تھا۔ انہی میں سے ایک حضرت عبداللہ بن زبیرؓ تھے جو کئی زبانوں کے ماہر تھے۔(۴۰)

خالص دینی علوم کے علاوہ آپ ﷺ نے اپنے زمانے کے رائج الوقت مفید علوم کے سیکھنے کی نہ صرف ترغیب دلائی بلکہ خود بھی اس کا اہتمام فرمایا۔ حضور نبی کریم ﷺ کا حکم تھا کہ نشانہ بازی، پیراکی، حساب، علم میراث، طب، علم ہیئت وفلکیات، علم انساب اور علم تجوید کی تعلیم ضرور دی جائے۔(۴۱)

مدینہ منورہ میں صفہ واحد درس گاہ نہ تھی، بلکہ یہاں کم از کم نو مسجد یں (۴۲) خود عہدِ نبوی ﷺ میں موجود تھیں۔ (۴۳) ہر مسجد اپنے آس پاس کے محلے والوں کے لیے درس گاہ کا کام بھی دیتی تھی۔ خصوصاً بچے وہاں پڑھنے آیا کرتے تھے۔ نبی کریم ﷺ اکثر مسجد قبا تشریف لے جاتے اور وہاں کی مسجد کے مدرسے کی شخصی طور سے نگرانی فرماتے۔ (۴۴) ان مساعی جمیلہ کے نتیجے میں خواندگی میں اس قدر تیزی سے اضافہ ہوا کہ ہجرت کے دوسرے سال یہ آیات نازل ہوئیں:

یاایھا الذین امنو اذا تداینتم بدین الی اجل مسمی

فاکتبوہ ولیکتب بینکم کاتب بالعدل۔ (۴۵)

''اے ایمان والو! جب تم ایک دوسرے کو قرض دو مقررہ مدت تک تو لکھ لیا کرو اسے اور چاہیے کہ لکھے تمہارے درمیان لکھنے والا عدل وانصاف سے''۔

ہر وہ تجارتی معاملہ جس میں رقم ادھار ہو، صرف تحریری طور سے انجام پائے، اور ایسی دستاویز پر کم از کم دو اشخاص کی گواہی لی جایا کرے۔ اس کا منشاء قرآن کریم کے الفاظ میں یہ تھا کہ اس طرح کی تحریری گواہی:

ذلکم اقسط عندالله واقوم للشهادة و ادنیٰ الا ترتابو۔ (۴۶)

''خدا کے نزدیک زیادہ منصفانہ ہے اور شہادت کے اغراض کے لیے زیادہ مستحکم وسیلہ ہے،

اور شبہات پیدا ہونے کی صورت میں رفع شک کا بہترین ذریعہ ہے۔

عملی زندگی میں'' لکھنے'' کا یہ حکم بتا رہا ہے کہ ملک کی غالب آبادی لکھنے پڑھنے کی اہل بن چکی تھی۔

ایسی کامیاب عالمی تحریک کی مثال پیش کرنے سے تاریخ عالم قاصر ہے۔ حضرت انس بن مالک نے جب اپنے غلام سیرین سے مکاتبت کی تو اسے باقاعدہ وثیقہ کی شکل میں لکھا۔ مہر والی مٹی صحیفہ کے وسط میں تھی اور اردگرد عبارت لکھی ہوئی تھی۔ (۴۷)

ہجرت کے بعد سے ہی سیاسی معاہدات، سرکاری خط وکتابت، ہر فوجی مہم میں جانے والے رضا کاروں کے ناموں کی فہرستیں، مختلف مقامات مثلاً مکہ، نجد، خیبر، اوطاس، وغیرہ میں نامہ نگار جو عموماً تحریری طور سے آنحضرت ﷺ کو اپنے مقام کے حالات سے اطلاع دیا کرتے تھے، نیز مردم شماری اور اسی طرح کی بہت سی چیزیں اس بات میں ممد ومعاون ہوئیں کہ خواندگی روز بروز بڑھتی ہی جائے۔ (۴۸)

جو قبائل واشخاص آپ ﷺ کے پاس وفد کی صورت آتے تھے۔ آپ ﷺ انہیں انصار کے لوگوں میں تقسیم کر دیا کرتے تاکہ انصار ایک تو ان کی مہمان نوازی کریں دوسرے ان کی تعلیم وتربیت کریں۔ نبی کریم ﷺ نے عبدالقیس کے ایک وفد سے دریافت فرمایا: ''تم نے اپنے بھائیوں کی عزت وتکریم اور مہمان نوازی کو کیسے پایا؟ انہوں نے کہا: ''بہترین بھائی پایا۔ انہوں نے ہمارے لیے نرم بستر بچھائے۔ بہترین کھانا پیش کیا۔ وہ صبح وشام اللہ کی کتاب اور ہمارے نبی ﷺ کی سنت کی تعلیم دیتے تھے۔'' نبی کریم ﷺ نے اظہار پسندیدگی کیا پھر ہر ایک آدمی کے پاس جاتے اور جو کچھ سیکھا ہوتا تھا اس کے بارے میں پوچھتے تھے۔ (۴۹)

مدینہ منورہ سے بڑے بڑے مقامات پر تربیت یافتہ معلم بھیجے جاتے تھے اور کچھ صوبہ دار گورنروں کے فرائض منصبی میں یہ امر صراحت کے ساتھ شامل کر دیا جاتا تھا، کہ وہ اپنے ماتحت علاقے کی تعلیمی ضرورتوں

کا مناسب انتظام کریں۔ (۵۰) یمن کے گورنر عمرو بن حزم کے نام جو طویل تقرر نامہ یا ہدایت نامہ جناب رسالت مآب ﷺ نے لکھا تھا، اسے تاریخ نے محفوظ رکھا ہے۔ اس میں بھی گورنر کو ہدایت ہے کہ لوگوں کے لیے قرآن، حدیث، فقہ اور علوم اسلامیہ کی تعلیم کا بندوبست کریں۔ (۵۱)

صوبائی درس گاہوں کا معیار بلند کرنے کے لیے نبی اکرم ﷺ نے صوبہ یمن میں ایک صدر ناظر تعلیمات مقرر کیا تھا۔ جس کا کام یہ تھا کہ مختلف اضلاع و تعلقات میں ہمیشہ دورہ کرتا رہے اور وہاں کی تعلیم اور تعلیم گاہوں کی نگرانی کرے۔ (۵۲)

نبی کریم ﷺ نے جس طرح بچوں اور بالغوں کی تعلیم پر زور دیا۔ اسی طرح عورتوں کی بہتر تعلیم و تربیت کی بھی ترغیب دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

من کانت له ثلاث بنات او اخوات او ابنتان او اختان فاحسن صحبتن

واتق الله فیهن فله الجنه۔ (۵۳)

''جس شخص کی تین بیٹیاں ہوں یا تین بہنیں ہوں یا دو بیٹیاں ہوں یا دو بہنیں ہوں اور اس نے ان کی بہترین تعلیم و تربیت کی اور ان کے مستقبل کے بارے میں خدا سے ڈرتا رہا تو اس کے لیے جنت ہے۔''

خود آپ ﷺ نے عورتوں کی تعلیم کے لیے ہفتے میں ایک دن مقرر کیا ہوا تھا، جب آپ عورتوں کے خصوصی مجمع میں تشریف لے جاتے، ان کو تعلیم دیتے اور ان کے سوالات کا جواب دیتے تھے۔ (۵۴)

قرآن کریم نے نبی کریم ﷺ کی ازواجِ مطہرات پر بھی ایک خصوصی فریضہ عائد کیا کہ وہ دوسروں کو تعلیم دیا کریں۔ (۵۵) حج کے ایام میں پہاڑوں کے دامن میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کا خیمہ نصب ہوتا

اور دور دراز سے آنے والی خواتین ان سے استفادہ کرتیں۔(۵۶)

عہدِ رسالت ﷺ میں نصاب سازی کی دو صورتیں تھیں:

۱۔مدون نصاب (جس میں کچھ مضامین لازمی تھے اور کچھ اختیاری)

۲۔غیر مدون نصاب یا غیر نصابی سرگرمیاں (۵۷)

جہاں تک مدون نصاب کا تعلق ہے اس میں مندرجہ ذیل مضامین بنیادی حیثیت رکھتے تھے۔ یہ ایک نظریاتی نصاب تھا۔قرآن، حدیث، فقہ، تاریخ وانساب، فرائض وحساب، طب، علم الافلاک، لغت، غیر ملکی زبانوں کو سیکھنا۔

غیر نصابی سرگرمیوں میں درج ذیل امور شامل تھے:

شکار، تیراندازی، تیراکی، شمشیرزنی، جسمانی دوڑ، کشتی لڑنا، گھوڑ دوڑ، وغیرہ۔(۵۸)

ان غیر نصابی سرگرمیوں کے ذریعے تین چیزوں کا خاص خیال رکھا گیا۔

۱۔طالب علموں کی صحت اور جسمانی نشوونما

۲۔ان کے ثقافتی ورثے جن کا تحفظ جس کا اسلام کے بنیادی عقائد سے کوئی تصادم نہ ہو

۳۔طالب علموں کی معاشی کفالت (۵۹)

مملکت اسلامیہ جو ابتداً ایک شہر مدینہ کے کچھ حصوں پر مشتمل تھی، وسعت اختیار کرتی چلی گئی، اور نہ صرف خانہ بدوش بدوی، بلکہ شہروں میں مستقل طور سے سکونت اختیار کرنے والے عربوں نے بھی بڑی تعداد میں اسلام قبول کرنا شروع کیا۔ایک نئے دین کے قبول کرنے کا ناگزیر نتیجہ تھا کہ ایک وسیع تعلیماتی نظام قائم

ہو، جودس لاکھ مربع میل کے رقبہ کی ضرورتوں کو پورا کر سکے۔ عہدِ نبوی ﷺ کے اختتام پر ہم یہ دیکھتے ہیں کہ حکومت اسلامی باوجود اس قدر وسیع رقبے پر مشتمل ہونے کے دینیات کی تعلیم کی ضرورتوں سے اچھی طرح عہدہ برآ ہونے لگی تھی۔(۶۰)

عہدِ خلافتِ راشدہ:

عہدِ نبوی ﷺ میں جس نظامِ تعلیم کی بنیاد ڈالی گئی وہ خلافت راشدہ میں اپنے پورے کمال کو پہنچا۔ وصال نبوی ﷺ کے بعد خلافت راشدہ میں فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا تو نئے نئے مفتوحہ علاقوں میں جہاں دیگر کبار صحابہؓ نے اقامت اختیار کی ان کی سکونت کے ساتھ ساتھ علم کے مرکز بھی مختلف شہروں میں قائم ہوتے گئے۔ مکہ معظمہ و مدینہ منورہ کے علاوہ کوفہ، دمشق، فسطاط وغیرہ علمی مرکز بنے۔(۶۱) عالمِ اسلام کا کوئی علاقہ یا شہر ایسا نہیں تھا جہاں صحابہؓ نہ پہنچے ہوں، کتنے ہی صحابہؓ نے وہیں سکونت اختیار کی اور بعض مہینوں یا چند سالوں تک رہے۔ ان تمام نے اپنے اپنے علم و معلومات کے مطابق علوم نبوی کی ترویج و اشاعت میں اپنا بھرپور کردار ادا کیا۔(۶۲)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مختصر زمانہ خلافت زیادہ تر مرتدین کی شورشوں کے قلع قمع میں گزرا۔ زمامِ کار سنبھالتے ہی دو بڑے فتنوں سے سابقہ پیش آیا۔ ایک طرف جھوٹے مدعیانِ نبوت کھڑے ہو گئے۔ دوسری طرف کچھ مسلمان قبائل نے مرکزی حکومت کو زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا۔ مدعیان نبوت اور مانعین زکوٰۃ، یہ دو بڑے مسائل تھے جن کی طرف حضرت ابوبکر صدیقؓ نے توجہ دی۔ آپ کے دور میں نبی کریم ﷺ کا جاری کردہ نظام تعلیم و تدریس بحسن و خوبی جاری رہا۔ مساجد میں حلقہء درس جاری تھے۔

بزرگ صحابہ تعلیم وتدریس میں مشغول تھے۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کے حلقہ ہائے درس میں خواتین خاص طور پر بچیاں قرآن مجید کی تعلیم حاصل کرتی تھیں۔(۶۳)

عہد خلفائے راشدین میں حضرت عمر فاروقؓ نے تعلیم وتعلم پر خاص توجہ فرمائی۔ آپ نے شام، کوفہ، بصرہ اور مختلف شہروں میں علمائے صحابہ کو تعلیم کے لیے روانہ کیا۔ بچوں کی ابتدائی تعلیم کے لیے مکاتب جاری کیے۔(۶۴)۔ آپؓ نے بچوں کو مسجد نبوی ﷺ میں جمع کیا۔ اور وہاں عبداللہ بن خزاعی کو مامور کیا کہ وہ ان بچوں کو تعلیم دیں۔ تعلیم کے لیے اوقات مقرر کیے۔ صبح فجر کی نماز کے تھوڑی دیر بعد سے دن چڑھے تک اور ظہر کی نماز سے عصر تک تعلیم دیں، باقی وقت آرام کریں۔(۶۵)

نصابِ تعلیم کے سلسلہ میں بھی آپؓ نے اصلاح فرمائی۔ اگرچہ طلباء مکمل قرآن مجید پڑھتے تھے۔ مگر بعض کمزور ذہن طلباء تکمیل نہ کر پاتے تھے۔ اس لیے آپ نے قرآن کا لازمی نصاب مقرر فرما دیا۔ جس کا یاد کرنا ہر طالبِ علم کے لیے ضروری ہوتا تھا۔ سورہ بقرہ، سورہ مائدہ، سورہ نساء، سورہ حج، اور سورہ نور کا سیکھنا ہر شخص کے لیے لازمی تھا۔(۶۶)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں تمام مفتوحہ ممالک میں ہر جگہ قرآن مجید کا درس جاری کیا اور معلمین وقراء حضرات کی تنخواہیں مقرر کیں۔(۶۷) خانہ بدوشوں کے لیے قرآن مجید کی تعلیم جبری طور پر رائج کی۔ ان کی تعلیم کے لیے آپؓ نے ایک شخص ابوسفیان کو چند افراد کے ساتھ مقرر کیا تھا۔(۶۸)

آپؓ نے عام طور پر تمام اضلاع میں احکام بھیج دیے کہ بچوں کو شہسواری اور کتابت کی تعلیم دی

جائے۔ اس کے علاوہ ادب اور عربیت کی تعلیم بھی لازمی کردی تا کہ لوگ صحتِ الفاظ وصحتِ اعراب کے ساتھ قرآن مجید پڑھ سکیں۔(۶۹)

حضرت عمرؓ ابن خطاب نے جو ہدایت نامہ مرتب کر کے مختلف اسلامی ممالک کے لوگوں کے نام جاری کیا، اس کے الفاظ یہ تھے: ''اپنے بچوں کو تیراکی، شہ سواری، منقولات اور پاکیزہ شاعری کی تعلیم دو''۔(۷۰)

جب علمائے قرآن نے بچوں کی تعلیم کا کام سنبھالا تو اس ابتدائی نصاب کا مرکز قرآن مجید کو بنایا گیا اور پھر قرآن مجید کی تعلیم، ہر چیز پر مقدم ہوگئی۔ اس کے بعد دینی تعلیمات کا درجہ تھا۔(۷۱) اور یہ ذمہ داری والدین کی تھی۔ ابتدائی نصاب شاعری، مبادیات قواعد اور ریاضی پر مشتمل تھا۔(۷۲)

شام کی فتح کے بعد حضرت عبادہؓ بن صامت نے معلم قرآن کی حیثیت سے حمص میں قیام فرمایا، حضرت معاذ بن جبلؓ نے دمشق میں اقامت اختیار کی۔ انھوں نے قرآن مجید کی تعلیم کے لیے مکاتیب قائم کیے، لوگ جوق در جوق علم کی تحصیل کے لیے ان کے درس میں شریک ہوتے تھے۔ صحابہ کرامؓ جہاں بیٹھ جاتے، شمع محفل بن جاتے اور لوگ تحصیلِ علم کے لیے پروانوں کی طرح ان پر گرتے۔(۷۳)

اس عہد میں کتاب وسنت کے علاوہ علم فقہ کی بھی اشاعت ہوئی۔ مثلاً حضرت عبدالرحمٰن بن قاسمؓ شام میں، حضرت عبداللہ بن معقلؓ اور حضرت عمران بن حسینؓ بصرے میں، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ مدائن میں اور حضرت حبان بن جبلہؓ مصر میں فقہ کی تعلیم دیتے تھے۔(۷۴)

حضرت علیؓ اور فقہائے صحابہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ جیسے دیگر صحابہ رضوان

اللہ اجمعین کی موجودگی سے کوفہ، مدینہ منورہ کے بعد نہایت اہم علمی مرکز بن گیا۔ یہاں کی درسگاہوں میں امام اعظم ابوحنیفہؒ اوران کے صاحبین کے ہاتھوں احکام شرعیہ کی تدوین کا اہم کام انجام پایا۔ قرآن وحدیث کو صحیح طور پر سمجھنے کے لیے عربی لغت، اور عربی زبان کے قواعد کی معرفت کی ضرورت محسوس ہوئی۔ شہروں میں غیر عرب لوگوں سے مل کر عربوں کی اولاد اپنی مادری زبان کے تلفظ میں غلطیاں کرنے لگی تھی، اس لیے قرآن مجید میں اعراب لگائے گئے اور معانی و بیان اور تجوید وتفسیر وغیرہ علوم ایجاد ہوئے۔ (۷۵)

اگرچہ سابق دور میں صحابہ اساتذہ فی سبیل اللہ تعلیم دیتے تھے۔ مگر جب ان کا سارا وقت لے لیا گیا اوران کو دور شہروں میں بھیج دیا گیا تو حضرت عمر فاروقؓ نے ان کی کفالت کے لیے مشاہرات دینے کا سلسلہ جاری کیا۔ ان استادوں کو بیت المال سے باقاعدہ تنخواہیں ملتی تھیں۔ (۷۶) لیکن فقہاء صحابہ کے تعلیمی حلقے اور مجلسیں بالکل حسبۃً للہ تبلیغ دین اوران اجری الا علی کے اصول پر منعقد ہوتی تھیں اوراس کے لیے مشاہرہ و وظیفہ مقرر نہیں تھا۔ بلکہ حضرت عمرؓ نے بیت المال سے حسبِ حیثیت لوگوں کے جو وظیفے مقرر کیے تھے وہی ان کے لیے کافی تھے۔ حضرات صحابہ میں سے ایسے لوگ بھی تھے جو اپنا وظیفہ لینا پسند نہیں کرتے تھے اور بعض اپنے مقررہ وظیفہ سے کم لیتے تھے۔ وہ کارِ نبوت پر اجرت تو کیا لیتے خود طالب علموں کو اپنے مال سے حصہ دینے پر آمادہ تھے۔ (۷۷)

حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں پورے عالم اسلام میں مکاتب کی کثرت، قرآن کی کتابت و اشاعت اوراس کے پڑھنے پڑھانے کی سرگرمی کا اندازہ ابن حزم کے اس بیان سے ہوسکتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے تو فارس، شام، جزیرہ اور مصر کے تمام شہر فتح کر لیے

گئے، ان ملکوں کے ہر شہر اور بستی میں مسجدیں تعمیر کی گئیں، مصاحف لکھے گئے، مشرق سے مغرب تک آئمہ مساجد نے قرآن پڑھا، اور مکاتب کے بچوں کو پڑھایا، دس سال سے زائد مدت تک یہ سلسلہ جاری رہا۔(۷۸)

حضرت عثمانؓ کے عہدِ خلافت کا سب سے اہم کارنامہ قرآن مجید کے رسم الخط کا متعین ہو جانا ہے۔ اس کام کے لیے ۲۵ھ میں انھوں نے تدوینِ قرآن کے لیے ایک کمیٹی بنائی۔ جس کے سربراہ حضرت زید بن ثابتؓ اور ممبران حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت سعید بن العاصؓ، حضرت ابی بن کعبؓ تھے۔ حضرت زید بن ثابتؓ نے نبی کریم ﷺ کی زبان لہجہ قریش میں اس کو مدوّن کیا۔ حضرت عثمانؓ نے اس کے پانچ نسخے تیار کرائے اور ایک ایک نسخہ بصرہ، کوفہ، دمشق اور فسطاط بھیجا اور لوگوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے اپنے قرآن مجید اس سرکاری نسخہ کے رسم الخط کے مطابق بنالیں۔ تعلیمی نقطہ نظر سے قرآن مجید کا مستند رسم الخط میں شائع ہونا نہایت ضروری تھا۔ قرآن مجید کی اشاعت عام کر کے حضرت عثمانؓ نے فروغ تعلیم کی تحریک کو بہت تقویت پہنچائی۔(۷۹)

حضرت عثمانؓ نے اپنے بارہ سالہ دورِ خلافت میں مکاتب میں قرآن مجید کی تعلیم اور ان کے معلموں پر خاص توجہ کی اور حضرت عمرؓ کی طرح موذنوں، اماموں اور معلموں کے وظائف مقرر کیے۔(۸۰)

حضرت علیؓ کے زمانے میں سابقہ پرامن ماحول نہیں رہا تھا باہمی خانہ جنگی شروع ہو گئی تھی۔ مگر تعلیمی تحریک بدستور سرگرمی سے جاری رہی۔ نو مسلم عجمیوں کی تعلیم کے دوران محسوس ہوا کہ عربی زبان کا سیکھنا ان کے لیے دشوار ہے۔ کچھ قواعد زبان معلوم ہونے چاہئیں۔ اس طرح علم نحو کی ضرورت کا احساس پیدا ہوا۔

سب سے پہلے ابوالاسود الدوئلی نے حضرت علیؓ سے نحو کے اساسی نکات سیکھے۔(۸۱) اس نقطہ آغاز سے بعد میں علم نحو مرتب ہوا۔ جس کے جاننے کے بعد غیر عربوں کو عربی زبان کا سیکھنا اور قرآن مجید کا پڑھنا آسان ہوگیا۔ اس دور کی تعلیمی خصوصیات حسب ذیل تھیں:

۱۔ نصابِ تعلیم بنیادی طور پر قرآن مجید، حدیث اور فقہ پر مشتمل تھا۔

۲۔ تعلیم کتابی نہ تھی، یعنی قرآن مجید کے سوا حدیث اور فقہ بالکل زبانی پڑھائے جاتے تھے۔

۳۔ تعلیم پر تنخواہ تو درکنار ھدیہ لینے کی بھی ممانعت تھی۔

۴۔ تحصیل علم کے لیے دنیوی غرض کا شامل کرنا جائز نہ تھا۔

۵۔ تعلیم کے لیے سفر کرنا ضروری تھا۔ ایک ایک حدیث کی سماعت کے لیے لوگ خراسان سے لے کر دمشق اور حجاز تک کا سفر پا پیادہ کرتے تھے۔

۶۔ مسجدیں اور علماء کے معمولی مکانات تعلیم گاہوں کے طور پر استعمال ہوتے تھے۔(۸۲)

سید امیر علی کے الفاظ میں:

"The Vicegerents of Mohammed allied themselves to the cause of civilisation, and assisted in the growth of Free Thought and Free Inquiry, originated and consecrated by the Prophet himself. Persecution for the sake of the faith was unkown; and

whatever the political conduct of the sovereigns, the world has never had superior examples in their impartiality and absolute toleration of all creeds and religions. The cultivation of the physical sciences - that great index to the intellectual liberty of a nation - formed a (۸۳)popular pursuit among Moslems.

''محمد ﷺ کے خلفاء نے ترقی تہذیب کو فریضہ منصبی بنالیا اور آزادیءفکر و تحقیق کو، جس کی ابتدا خود پیغمبر اسلام ﷺ نے کی اور جسے آپ ﷺ نے اپنے قول و فعل کے ذریعے تقدس بخشا تھا، فروغ دیا۔ انھوں نے مذہب کی خاطر جبر نہ کیا اور چاہے ان کا سیاسی کردار کیسا ہی تھا، جیسی رواداری اور غیر جانبداری انھوں نے تمام مذاہب سے برتی اس کی نظیر ان سے پہلے کی دنیا میں نہیں ملتی۔ طبیعی علوم کی تحصیل اور پرورش جو کسی قوم کی ذہنی آزادی کی سب سے بڑی نشانی ہے مسلمانوں کا ایک مرغوب مشغلہ تھا۔''

عہد بنو امیہ:

عہدِ بنو امیہ میں ابتدائی تعلیم کا نظام پوری طرح مستحکم ہو چکا تھا۔ ابتدائی تعلیم کے لیے ہر جگہ کُتّاب (۸۴) (جمع: کتاتیب و مکاتب) قائم ہو گئے تھے۔ مسجد کے ایک ستون کا سہارا لے کر استاد ایک گدی پر بیٹھ جاتا۔ طلبہ اس کے سامنے حلقہ بنا کر بیٹھ جاتے۔ طلبہ اگر زیادہ ہوتے تو ایک سے زائد حلقے بنائے جاتے تھے۔ صبح چاشت سے لے کر اول وقت تک درس جاری رہتا تھا۔ درس شروع ہونے سے پہلے دعا مانگی

جاتی پھر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر درس کا آغاز ہوتا۔ طلبہ استاد کو سلام کر کے اپنی اپنی جگہ بیٹھتے جاتے اور باری باری استاد کے سامنے آتے۔ دوزانو ہو کر ادب سے بیٹھتے اور نیا سبق لیتے۔(۸۵) ان مکاتب میں نوشت و خواند اور قرآن مجید کی تعلیم دی جاتی تھی۔ بعض مکاتب میں علم لغت اور نحو کی تدریس بھی شامل تھی۔

اعلیٰ تعلیم کے لیے ملک کی بڑی بڑی مساجد، مدارس اور جامعات کا کام دیتی تھیں۔ مکہ معظمہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا حلقہ درس بہت وسیع تھا۔ اس میں قرآن مجید، حدیث، فقہ، فرائض اور عربی زبان کی تعلیم دی جاتی تھی۔ مدینہ منورہ میں ربیعۃ الرای کا حلقہ درس مشہور تھا۔ امام مالک اور امام اوزاعیؒ اسی حلقے کے تعلیم یافتہ تھے۔ حجاز کے بعد دوسرا مرکز عراق تھا۔ کوفے میں عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ اور امام شعبی کے حلقہ ہائے درس قائم تھے۔ بصرے میں حضرت امام حسن بصریؒ کا حلقہ درس امتیازی حیثیت رکھتا تھا۔(۸۶) حضرت سعید بن المسیبؒ حدیث و تفسیر کے علاوہ اپنے حلقہ درس میں جو مسجد نبوی میں تھا اشعار پر بھی بحث کرتے تھے۔(۸۷)

اموی خلفاء شہزادوں کو عربیت کی صحیح تعلیم کے لیے بادیۃ الشام (۸۸) بھیجا کرتے تھے۔ شہروں اور قصبوں کے لوگ عام طور پر کسی بدّو کے گرد حلقہ بنا کر بیٹھ جاتے اور اس سے درس لیتے تھے، لیکن دولت مند لوگ، شہزادے اور زبان و ادب کے پرستار، البادیہ میں جا کر رہتے تھے جو اس وقت ایک قسم کی علمی درسگاہ کی حیثیت اختیار کر چکا تھا۔(۸۹) ان لوگوں کی یہ خواہش رہتی تھی کہ وہ بگڑی ہوئی زبان کے ماحول سے الگ رہیں اور چند سال عربی زبان کے گہوارے میں بسر کریں۔ ابتدائی عہد کے اموی شہزادوں کے لیے بادیہ (شامی ریگستان) ایک درسگاہ تھی جہاں وہ اپنے بچوں کو خالص عربی زبان سیکھنے اور شاعری میں مہارت

حاصل کرنے کی غرض سے بھیجتے تھے۔(۹۰) اس صحرائی علاقے کے تمام باشندے نہ صرف صحیح زبان استعمال کرتے تھے بلکہ چند ممتاز افراد ایک جگہ بیٹھ جاتے اور حاضرین کے سامنے بلند پایہ نظمیں پڑھتے اور انھیں عربوں کی قدیم تاریخ سناتے۔ اس کے علاوہ شہزادوں کی تعلیم کے لیے ممتاز استاد مقرر کیے جاتے تھے جو ''مودب''(۹۱) کہلاتے تھے۔(۹۲)

ولید بن عبدالملک کے زمانے میں تعلیم کی طرف خاص توجہ دی گئی۔ طلباء اور حفاظ کو وظیفے دیے جاتے تھے۔ دیہاتیوں کی تعلیم کے لیے گشتی معلم مقرر کیے گئے۔ مکتبوں کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ مشہور معلم ابوالقاسم بلخی (م ۱۰۵ھ) کوفہ کے ایک مکتب میں بچوں کو تعلیم دیا کرتے تھے۔ ان کے مکتب میں تین ہزار طالب علم پڑھتے تھے۔ وہ گدھے پر سوار ہوکر ان کی نگرانی کرتے تھے۔ یہ مکتب مساجد سے خارج ہوتے تھے۔ ہر گاؤں اور ہر بستی میں ایک مکتب قائم ہو چکا تھا۔(۹۳)

عہدِ بنی امیہ کا سب سے بڑا کارنامہ عربی رسم الخط کی اصلاح اور اعراب کی اختراع ہے۔ اس دور میں نہ حروف پر نقطے ہوتے تھے اور نہ اعراب۔ اس وجہ سے بچوں کو خصوصاً غیر عرب بچوں کو قرآن مجید کے پڑھنے میں دشواری ہوتی تھی۔ جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا کہ سب سے پہلے ابوالاسود دئلی نے اس مشکل کی جانب توجہ کی اور اصلاحِ خط کا کام شروع کیا۔ ان اصلاحات کی تکمیل مشہور نحوی اور لغوی خلیل بن احمد فراہیدی (۱۰۰۔۱۷۰ھ) کے ہاتھوں عمل میں آئی۔(۹۴)

اشاعتِ علم کے سلسلے میں عہدِ بنوامیہ میں سب سے زیادہ کوشش حضرت عمر بن عبدالعزیز نے کی۔ وہ خود بھی بڑے محدث اور فقیہ تھے۔ انھوں نے اسلامی ریاست کے مختلف صوبوں کے گورنروں کو لکھا کہ

اشاعتِ علم کی جانب پوری توجہ دیں۔ قاضی ابوبکر بن حزم عامل مدینہ کو لکھا:

''علم کو پھیلاؤ، اس کے لیے مجالس قائم کرو، تاکہ جو لوگ علم سے بے بہرہ ہیں وہ صاحبِ علم بن جائیں۔ علم اس وقت فنا ہوتا ہے جب وہ راز کی شکل اختیار کر لے۔ جعفر بن زبرقان کا بیان ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ہمیں فرمان بھیجا: ''اپنے یہاں کے فقہاء اور علماء کو حکم دو کہ وہ اپنی مجالس اور مساجد میں علم کی اشاعت کریں۔(۹۵)

عمر بن عبدالعزیزؒ ہی کے عہدِ خلافت میں اسکندریہ کا مدرسہ فلسفیہ جو تقریباً ایک ہزار سال سے چلا آرہا تھا، انطاکیہ منتقل ہوا۔(۹۶)

آپؒ کی استادوں کی تنگی کی طرف خاص نگاہ تھی۔ حمص کے والی کو لکھا: ''ان لوگوں پر نظر رکھو جنھوں نے خود کو فقہ کی تعلیم کے لیے وقف کر دیا ہے۔ جو مساجد میں مقیم ہو گئے ہیں۔ جنھوں نے دنیا کی طلب کو ترک کر دیا ہے۔ ان میں سے ہر ایک کے لیے سو سو دینار وظیفہ مقرر کر دو تاکہ ان کی ضروریات کی کفالت ہو سکے۔ جیسے ہی تم کو میرا یہ خط ملے فوراً بیت المال سے رقم ان لوگوں کو ادا کرو۔(۹۷)

یحییٰ ابن ابی کثیر کا بیان ہے کہ عمر بن عبدالعزیزؒ نے عمال حکومت کو فرمان بھیجا:

ان اجروا علیٰ طلبة العلم و فرغوھم للطلب۔(۹۸)

''طالب علموں کے وظائف مقرر کر دو تاکہ وہ فارغ البال ہو کر تحصیل علم میں مشغول ہوں۔''

عہدِ بنوامیہ میں تدوین احادیث کے علاوہ علم مغازی (۹۹) بھی مدوّن ہوا۔ اس فن کی طرف سب سے پہلے مسلم بن شہاب زہری (۱۰۰) نے توجہ دی۔ حضرت عاصم بن قتادہ انصاری دمشق کی جامع مسجد میں علم

مغازی کی تعلیم دینے پر مامور تھے۔(۱۰۱)

ان مساعی جمیلہ کے نتیجے میں بنی امیہ کے آخری دور میں بعض مدرسے بین الاقوامی حیثیت اختیار کر گئے۔کوفہ کی جامع مسجد میں امام اعظم ابوحنیفہؒ درس دیا کرتے تھے۔دور دراز ملکوں اور خطوں سے طلبہ ان کی درسگاہ میں پہنچتے تھے۔اسی طرح مدینہ منورہ میں امام مالکؒ کی درس گاہ میں طلباء اقصائے عالم سے حاضر ہوا کرتے تھے۔(۱۰۲)

اموی دور کے نظامِ تعلیم میں حسب ذیل تعلیمی خصوصیتوں کا اضافہ ہوا:

۱۔علوم وفنون کی ترویج کے لیے تالیف وتصنیف اور ترجمہ کا سلسلہ قائم ہوا۔

۲۔اساتذہ اور طلبہ کے وظائف مقرر کیے گئے۔

۳۔مساجد میں تعلیم کے لیے درس کے مستقل حلقے قائم ہوئے۔

۴۔بعض اسلامی ملکوں میں اہل علم کو اپنے تعلیمی فرائض کی ادائیگی کے لیے جہاد کی خدمت سے مستثنیٰ کر دیا گیا۔

۵۔زبانی تعلیم کے علاوہ املا کا طریقہ جاری ہوا، یعنی استاد جو کچھ درس دیتا، شاگرد اسے لکھ لیتے یا استاد خود لکھاتا جاتا اور طلبہ لکھتے جاتے۔

۶۔کتابوں کی قراءت کی سند واجازت کا رواج بھی اسی دور سے ہوا۔(۱۰۳)

عہدِ بنو عباس:

عہد بنو عباس میں تعلیم مسجدوں کے صحنوں، خانقاہوں، علماء کے معمولی مکانوں اور امراء کی حویلیوں

میں جاری رہی۔ مدینہ منورہ کے علاوہ کوفہ، بصرہ اور فسطاط مشہور علمی مراکز تھے۔ اس عہد کی دو درسگاہیں خاص طور پر ممتاز تھیں۔ ایک کوفہ میں امام اعظم ابوحنیفہ کی درسگاہ اور دوسری مدینہ منورہ میں امام مالکؒ کی درسگاہ۔ امام اعظم ابوحنیفہ کے حلقہ تعلیم میں ہرات (افغانستان) سے لے کر دمشق اور حمص (شام) تک کے طلبہ شریک ہوتے تھے۔ امام مالک کے درس کی بادشاہت ایک طرف مدینے سے بخارا اور سمرقند تک تھی تو دوسری طرف تونس، قیروان، قرطبہ اور سرقسطہ تک کے طلبہ ان کے علم سے فیضیاب ہونے کے لیے مدینے آیا کرتے تھے۔ (۱۰۴)

عباسی خلیفہ منصور کے عہد سے تصنیف وتالیف کا آغاز ہوا۔ منصور کے عہد میں صرف شرعی ولسانی علوم ہی کے ساتھ اعتنا نہیں کیا بلکہ حکومت کی سرپرستی میں بیرونی علوم کو بھی عربی میں منتقل کیا گیا۔ (۱۰۵) اور سریانی وفارسی زبان سے عربی زبان میں کتابیں ترجمہ کی گئیں۔ (۱۰۶)

وزراء اور خلفاء اپنے بچوں کی تعلیم کا انتظام اپنے مکانات اور محلات میں کرتے تھے اور اس کے لیے سرکردہ علماء کی خدمات حاصل کی جاتی تھیں۔ یہ علماء مودب کہلاتے تھے اور بیش قرار تنخواہیں پاتے تھے۔ (۱۰۷) بعض جگہوں پر اتالیق محل ہی کے ایک حصے میں اپنے شاگردوں کے ساتھ رہا کرتے تھے تاکہ وہ اس پر پوری توجہ دے سکیں۔ (۱۰۸)

اتالیق کا منصب انتہائی قابل فخر اور معزز سمجھا جاتا تھا۔ تاہم درویش صفت لوگوں نے کبھی اس کی تمنا نہیں کی۔ عباسی خلیفہ ہارون الرشید نے جب عبداللہ بن ادریس سے درخواست کی کہ وہ مامون الرشید کو اپنے پاس بلائیں اور اسے احکام وعقائد کا درس دیا کریں تو انہوں نے جواب دیا کہ اگر مامون عام طلباء کے ساتھ

درس میں شریک ہوتو تعلیم حاصل کر سکتا ہے۔(۱۰۹)

مامون الرشید، اور مابعد کے خلفاء کے دور میں بغداد ساری دنیائے اسلام کے طلبہ کا کعبہ مقصد اور علماء اور فضلاء کا قبلہ حاجت تھا۔ ان مرکزی شہروں کے علاوہ خلافتِ عباسیہ کے بعض دور دراز، مشرقی مقامات میں بھی درس وتدریس کا چرچا تھا۔ ابن حوقل (م ۳۶۷ھ) نے بجستان میں بہت سی مساجد دیکھی تھیں، بعض میں ابتدائی تعلیم سے لے کر اعلیٰ تعلیم کا انتظام تھا۔ المقدسی نے چوتھی صدی ہجری میں فلسطین، شام، مصر اور ایران میں ایسی بے شمار مساجد دیکھی تھیں۔ سیراف، فیروز آباد، اصبہان، نیشاپور، ہمذان، سمرقند اور بخارا مشہور علمی مراکز تھے، جہاں سے بے شمار فقہاء، محدثین، صوفیاء اور ادباء اٹھے۔(۱۱۰)

قرون وسطیٰ میں اسلامی کتب خانے نہ صرف موجودہ دور کی لائبریریوں کے فرائض پورے کرتے تھے بلکہ وہ تعلیم گاہوں کا کام بھی دیتے تھے۔ پہلی اسلامی اکیڈمی (بیت الحکمۃ) کتب خانے کے ساتھ قائم کی گئی تھی۔ یہ ادارہ آئندہ نسلوں کے لیے ایک نمونہ بن گیا اور سرکاری اور نجی طور پر اس قسم کے کتب خانے قائم ہوتے رہے جہاں درس وتدریس کا سلسلہ جاری تھا۔(۱۱۱)

یاقوت کا بیان ہے:

علی بن یحیٰ بن ابی منصور المنجم (م ۲۷۵ھ/۸۸۸ء) کے عالیشان محل میں جو بغداد سے قریب قفص نامی گاؤں کے نواح میں واقع تھا ایک بہت بڑا کتب خانہ تھا جو خزانۃ الحکمہ کے نام سے مشہور تھا۔ حصولِ علم کی خاطر مختلف شہروں کے لوگ دور دراز سے سفر کر کے وہاں پہنچتے تھے۔ جو لوگ کتب خانے کی عمارت میں رہنا چاہتے ان کے لیے علی بن یحیٰ کی طرف سے قیام وطعام کا بھی مناسب انتظام تھا۔ ان میں سے ایک مشہور طالب علم

ابو معشر المنجم تھے۔ خراسان سے مقاماتِ مقدسہ کی زیارت کے لیے جاتے ہوئے انھوں نے راستے میں یہ کتب خانہ دیکھا اور جب اس کے اندر پہنچے تو کتابوں کا اتنا زبردست ذخیرہ دیکھ کر حیران رہ گئے۔ چنانچہ انھوں نے زیارت کا ارادہ ترک کر دیا اور علم نجوم سیکھنے کے لیے وہیں ٹھہر گئے۔ آخر کار انھوں نے اس فن میں کمال حاصل کیا۔ (۱۱۲)

ابو القاسم جعفر بن محمد بن حمدان الموصلی (م ۳۲۳ھ/ ۹۳۴ء) نے موصل میں اسی نوعیت کا دار العلم قائم کیا تھا جس کے ساتھ ایک قیمتی کتب خانہ بھی تھا۔ جس میں تمام علوم کی کتابیں جمع تھیں جو طلباء کے لیے وقف تھیں۔ وہاں ہر شخص کو جانے کی اجازت تھی۔ غریب طلباء کو امداد دی جاتی تھی۔ یہ کتب خانہ کھلا رہتا تھا۔ جعفر خود وہاں درس دینے کے لیے بیٹھتے اور اپنی تصانیف کے اقتباسات سنایا کرتے تھے۔ (۱۱۳)

عباسی خلیفہ معتضد باللہ نے حکماء و فلاسفہ کے لیے بغداد کے علاقے شماسیہ میں بہت بڑی شاندار عمارت تعمیر کرائی اور اس میں نظریاتی اور عقلی علوم و فنون کے لیے کمرے تعمیر کرائے، ہر کمرے میں علوم عقلیہ و نظریہ کے نامور اساتذہ کو رکھ کر ان کا سالانہ خطیر وظیفہ مقرر کیا تاکہ جو شخص جس فن کے ماہر سے تعلیم حاصل کرنا چاہے آسانی سے حاصل کر سکے۔ (۱۱۴)

عہدِ عباسی میں درس و تدریس کے ساتھ تحقیق کا کام بھی جاری تھا۔ مامون نے الفراء سے جب ایک کتاب لکھوانے کا ارادہ کیا تو ان کے لیے محل میں آرام و آسائش کا تمام سامان مہیا کیا۔ سارا کتب خانہ اس کی تحویل میں دے دیا۔ کھانا کھلانے اور خدمت گزاری کے لیے ملازم رکھے اور چند منشی مقرر کیے جو ضروری چیزیں لکھنے میں اس کی مدد کر سکیں۔ اس مدت کے دوران الفراء نے ''کتاب المعانی'' تصنیف کی جسے ایک

نہایت اہم کارنامہ قرار دیا گیا۔(۱۱۵)

بیت الحکمۃ میں ترجمے کا کام عروج پر تھا۔ ابن الندیم کا بیان ہے کہ فارسی عالم ابوسہل الفضل بن نوبخت ہارون الرشید کے خزانۃ الحکمۃ میں مترجم تھا، اس نے بہت سی فارسی کتابوں کو عربی زبان میں پہلی بار منتقل کیا۔(۱۱۶) مامون الرشید نے بہت بڑی تعداد میں نہایت غیر ملکی تصانیف کو جمع کر کے خزانۃ الحکمۃ میں داخل کیں اور شرح و تالیفات کے ساتھ ان کے ترجموں کے لیے بہترین مترجموں کو مقرر کیا۔ جن میں حنین ابن اسحاق اور حجاج بن مطر نمایاں ہیں۔(۱۱۷)

مصر میں جامع عمروؓ بن العاص، صحابہ، تابعین و تبع تابعین کے زمانے سے علوم دینیہ کا مرکز تھی۔ عہدِ طولونی میں مسجد احمد بن طولون معارف اسلامیہ کا ایک اہم مرکز تھی۔ ابن طولون کی مسجد میں تفسیر، احکامِ شریعت، قانون اور علم نجوم کی تعلیم دی جاتی تھی۔(۱۱۸)

۳۵۹ھ/ ۹۷۰ء میں فاطمی جرنیل جوھر الکاتب الصقلی نے جامع ازہر کی تاسیس کی، فاطمیوں نے اس کو مزید وسعت دی۔ اس درسگاہ میں شیعی علوم وفنون کی تعلیم دی جاتی تھی۔ اور یہاں سے فاطمی دعاۃ دنیائے اسلام میں بھیجے جاتے تھے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے جب مصر فتح کیا تو جامع ازہر کو اہل السنۃ والجماعت کے علوم و معارف کی تدریس کا مرکز بنا دیا۔(۱۱۹)

۳۹۵ھ/ ۱۰۰۴ء میں فاطمی حکمران الحاکم بامر اللہ نے قاہرہ میں دار العلم یا دار الحکمۃ قائم کیا۔ اس کے لیے ایک عمارت تیار کی گئی اور اسے طرح طرح سے آراستہ کیا گیا۔ اس کے ساتھ ایک کتابخانہ بھی تھا۔ دار العلم کی اصلی غرض و غایت شیعی علوم کی اشاعت تھی۔ اس کے مصارف کے لیے فسطاط کے بہت سے مکانات

وقف تھے۔(۱۲۰)

موجودہ طرز کے مدارس کی ابتداء کے بارے میں علامہ مقریزی کا بیان ہے:

ان المدارس مما حدث فی الاسلام ولم تکن تعرف فی زمن الصحابة والاالتابعین و انما حدث عملها بعد الاربع مائة من سنی الهجرة واول من حفظ عنه انه بنی فی الاسلام اهل نیسابور فبنیت المدرسة البیهقیة. (۱۲۱)

''مدارس اسلام بعد میں بنائے گئے ہیں، صحابہ اور تابعین کے زمانہ میں ان کا پتہ نہیں چلتا ہے، ان کی تعمیر چوتھی صدی ہجری کے بعد ہوئی ہے اور اہل نیشاپور نے سب سے پہلے مدرسہ بنایا اور مدرسہ بیہقیہ کی تعمیر کی گئی۔''

چوتھی صدی ہجری کے اواخر میں مدارس کے لیے علیحدہ اور مستقل عمارت بنانے کی ابتداء ہو چکی تھی۔ دنیائے اسلام میں مدرسے کے لیے پہلی عمارت نیشاپور میں بنائی گئی۔ یہاں پہلا مدرسہ نیشاپور کے سامانی حکمران ناصر الدولہ ابوالحسن محمد بن ابراہیم (م ۳۷۸ھ/ ۹۸۸ء) نے امام ابوبکر محمد بن الحسن بن فورک (م ۴۰۶ھ/ ۱۰۱۵ء) کے لیے بنایا تھا۔(۱۲۲)

۴۱۰ھ/ ۱۰۱۹ء سلطان محمود غزنوی نے متھرا کی فتح سے واپس جا کر ایک عالیشان مدرسہ بنوایا جس کے ساتھ ایک کتابخانہ بھی تھا جس میں مختلف کتابخانوں کی عمدہ کتابوں کی نقلیں کرا کر نہایت اہتمام سے جمع کی گئی

تھیں۔ مدرسے کے مصارف کے لیے بہت سے دیہات اور مواضع وقف کیے گئے تھے۔ سلطان کے بھائی امیر نصر سبکتگین نے اپنی امارت نیشاپور کے زمانے میں بھی ایک مدرسہ تعمیر کرایا تھا۔ چوتھا مدرسہ نیشاپور میں امام ابواسحٰق اسفرائنی کے لیے بنایا تھا۔ (۱۲۳)

نظام الملک طوسی نے پانچویں صدی ہجری کے نصف میں مدارس نظامیہ کی بنیاد رکھی۔ ان مدارس نے عالمگیر شہرت حاصل کی۔ نظام الملک طوسی کے قائم کردہ مدارس نظامیہ میں اساتذہ، اخراجات اور کتب خانے کا انتظام، قیام کے وقت ہی کر دیا جاتا تھا۔ چھٹی صدی ہجری تک اسلامی دنیا کا کوئی کونہ (بجز اسپین کے) علمی عمارتوں سے خالی نہ رہا، خراسان کے بڑے بڑے صوبے مثلاً نیشاپور، ہرات، بلخ اور ایران کے علاقے گو پہلے سے علم و فضل کے مرکز تھے، مگر نظامیہ کے اثر نے اور بھی مالا مال کر دیا۔ (۱۲۴)

باقاعدہ مدارس کے قیام سے قبل مساجد میں ان تمام علوم کی تعلیم دی جاتی تھی جو اس دور کے عربوں کو معلوم تھے۔ (۱۲۵) عبداللہ بن عباس کعبہ شریف میں ہر جمعرات کو تفسیر کا درس دیا کرتے تھے۔ (۱۲۶) مدینہ کی مسجد میں ربیعۃ الراعی کے حلقے میں مالک الحسن اور مدینہ کے اعلیٰ طبقہ کے لوگ عام طور پر قانون پڑھا کرتے تھے۔ (۱۲۷) علم دینیات کی تعلیم کے لیے بصرہ میں حسن بصری کا حلقہ مشہور تھا۔ (۱۲۸)

المقریزی کا بیان ہے کہ مسجد عمر میں بہت سے حلقے تھے۔ ایک حلقے میں امام شافعیؒ درس دیا کرتے تھے اور وہ حلقہ انہی کے نام سے منسوب تھا۔ اسی مسجد کے حلقے دوسرے حلقے مثلاً المجدیہ، الصاحبیہ، الکاملیہ اور المعینیہ بانیوں کے نام سے مشہور تھے اور ان کے اساتذہ یا نسبتاً غیر معروف معلمین کے ناموں سے منسوب نہیں کیے گئے۔ (۱۲۹) ابن جبیر نے دمشق کی جامع مسجد کے حلقوں کے متعلق بھی اسی قسم کی تفصیلات بتائی

ہیں۔علاوہ ازیں ابن جبیر نے لکھا ہے کہ اسی مسجد میں بچوں کو پڑھانے کے لیے ایک ابتدائی مدرسہ بھی قائم تھا۔(۱۳۰)

مسجدوں میں عربی لسانیات کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔مثلاً ابوعمر زاہد المنصور کی مسجد میں علم نحو کا درس دیتے تھے۔(۱۳۱) اور نفطویہ، مسجد انبارئین میں یہی مضمون پڑھاتے تھے۔(۱۳۲) غرناطہ میں علم صرف ونحو کے ایک فاضل ایک مسجد میں بیٹھا کرتے تھے اور ان کے گرد طلباء کا مجمع لگا رہتا تھا۔(۱۳۳) کوفہ کی مسجد میں عموماً ادبی مجلسیں منعقد ہوتی تھیں۔ان کا اہتمام الکمیت بن زید اور حماد الروایہ کیا کرتے تھے اور یہی دونوں شعراء ادبی مسائل پر بحث و مباحثہ بھی کیا کرتے تھے۔(۱۳۴) سعید بن المسیب، مدینہ کی مسجد میں عربی شاعری پر تنقید وتبصرہ کرتے تھے۔(۱۳۵) مسلم بن ولید نے بصرہ کی مسجد میں ایک حلقہ قائم کر رکھا تھا جہاں وہ اپنی نظمیں سنایا کرتے تھے۔(۱۳۶)

المختصر مسلمانوں کی درس وتدریس کی مختلف جگہوں اور اداروں میں تعلیم کا معیار مختلف رہا ہے۔ ابتدائی تعلیم کتابوں میں دی جاتی تھی۔یونیورسٹی کے معیار کی تعلیم، کتابوں کی دکانوں، علماء کے گھروں اور ادبی مجلسوں رائج تھی۔مسجدوں میں ثانوی، اور یونیورسٹی درجوں کی تعلیم دی جاتی تھی۔عموماً ایک ہی مسجد میں مختلف معیار کے کئی حلقے قائم ہوتے تھے اور طالبعلم اپنی لیاقت کے مطابق کسی بھی حلقے میں شریک ہوسکتا تھا۔(۱۳۷) عصرِ حاضر میں دنیا کے بیشتر ملکوں میں رائج تعلیم کے مختلف مدارج یعنی ابتدائی (Primary)، ثانوی (Secondary)، اعلیٰ ثانوی (Higher Secondary)، اعلیٰ تعلیم (Higher Education) اور تحقیق (Research)، یہ سب اسلامی عہد حکومت میں موجود تھے۔

حواشی وحوالہ جات (باب اول)

۱۔ القرآن، سورۃ الاعراف، آیت ۵۲

۲۔ پروفیسر سید محمد سلیم، آغازِ اسلام میں مسلمانوں کا نظامِ تعلیم (عہدِ بنی امیہ تک)، طبع اول، دسمبر ۱۹۸۳ء، ادارہ تعلیمی تحقیق، تنظیم اساتذہ پاکستان، لاہور، ص ۵۔۶

۳۔ F. Rosenthal, The Knowledge Triumphant, Lieden, 1970, p. 340

۴۔ حمید اللہ، ڈاکٹر، عہدِ نبوی ﷺ کا نظامِ تعلیم، مشمولہ ماہنامہ 'معارف'، اعظم گڑھ، نومبر ۱۹۴۱ء، ص ۳۳۳

۵۔ القرآن: سورہ ہود، آیت ۲۹

۶۔ ابن ماجہ، باب فضل العلما

۷۔ دیکھیے: سورۃ البقرہ، آیت ۱۲۹، سورۃ آل عمران، آیت ۱۶۴، سورۃ الجمعہ، آیت ۲

۸۔ حمید اللہ، ڈاکٹر، عہدِ نبوی ﷺ کا نظامِ تعلیم، ص ۳۳۳

۹۔ القرآن: سورۃ البقرہ، آیت ۲۰۱

۱۰۔ دیکھیے: القرآن: سورۃ العلق، آیت ۱

۱۱۔ سورۃ النحل، آیت ۴۴

۱۲۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، کتاب العلم، باب الخروج فی طلب العلم

۱۳۔ ابو الحسن علی بن محمد الجزری، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابۃ، داراحیاء التراث العربی بیروت، ت ن، ج ۱، ص ۴۷

۱۴۔ محمد حفیظ اللہ پھلواروی، ''عہدِ نبوی ﷺ میں علمی ترقیاں''، مشمولہ: نقوش (رسول نمبر)، جلد چہارم، ص ۱۴۱۔ بحوالہ: اخبار مکہ، ج ۲، ص ۲۱۰

۱۵۔ اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابۃ، ج ۱، ص ۸۰

۱۶۔ ابو عمر و یوسف بن عبداللہ المعروف بابن عبدالبر النمری القرطبی، کتاب الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، الجزء اول، مطبعۃ دائرۃ المعارف النظامیۃ، حیدر آباد دکن، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۳۳۶ھ، ص ۲۷۹

۱۷۔ ابو عبداللہ محمد بن سعد البصری، طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۲۲۴

۱۸۔ محمد عبدالحی الکتانی، نظام الحکومۃ النبویۃ، الجزء الاول، دار ارقم، بیروت، ت ن، ص ۱۰۸

۱۹۔ پروفیسر سید محمد سلیم، آغازِ اسلام میں مسلمانوں کا نظامِ تعلیم، ص ۹

۲۰۔ اصحاب صفہ کے ناموں کے لیے ملاحظہ کیجیے: مقالہ ہذا، ضمیہ ا

۲۱۔ نصیر احمد ناصر، پیغمبر آخر و اعظم، فیروز سنز لاہور، ص ۴۱۶

۲۲۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، خطباتِ بہاولپور، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، ۱۹۸۵ء، ص ۲۱۴

۲۳۔ قاضی اطہر مبارکپوری، خیر والقرون کی درس گاہیں اور ان کا نظامِ تعلیم و تربیت، ادارۂ اسلامیات، لاہور، اکتوبر ۲۰۰۰ء، ص ۴۷۔۴۸

۲۴۔ ابو نعیم احمد بن عبداللہ الاصفہانی، حلیۃ الاولیاء و طبقات الاصفیاء، دار الفکر، بیروت، ت ن، ج ۱، ص ۳۴۰

۲۵۔ ایضاً، ص ۳۴۱

۲۶۔ایضاً،ص ۳۴۱

۲۷۔ بخاری، محمد بن اسماعیلؒ، صحیح بخاری، باب الرحمۃ

۲۸۔عبدالحی الکتانی، نظام الحکومۃ النبویۃ، ج ا،ص ۱۰۵

۲۹۔ پروفیسر سید محمد سلیم، آغازِ اسلام میں مسلمانوں کا نظامِ تعلیم، ص ۲۰

۳۰۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، کتاب العلم

۳۱۔حضرت سعید بن العاصؓ لوگوں کو لکھنا پڑھنا سکھاتے تھے۔آپ کے علاوہ حضرت عبادہ بن الصامتؓ، حضرت جابر بن عبداللہؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت ابن مکتومؓ بھی مختلف علوم وفنون کی تعلیم دیتے تھے۔(حبیب الرحمٰن شیروانی، علمائے سلف و نابینا علماء، اکیڈمی آف ایجوکیشنل ریسرچ کراچی، طبع اول، ۱۹۶۱ء، ص ۲۰)

۳۲۔محمد یاسین شیخ، عہد نبوی کا نظام تعلیم، غضنفر اکیڈمی پاکستان، اشاعت اول، ۱۹۸۹ء، ص ۸۱

۳۳۔ڈاکٹر محمد حمید اللہ، عہد نبوی ﷺ میں نظامِ حکمرانی، ص ۲۹۱

۳۴۔احمد بن محمد بن حنبل، المسند، ج ا، ص ۲۴۷

۳۵۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، کتاب العلم

۳۶۔پروفیسر سید محمد سلیم، آغازِ اسلام میں مسلمانوں کا نظامِ تعلیم، ص ۸

۳۷۔ایضاً، ص ۹

۳۸۔احمد بن محمد بن عبدربہ الاندلسی، العقد الفرید، دارالکتب العلمیہ، بیروت لبنان، طبع سوم، ۲۰۰۶ء،

ج ۴، ص ۲۴۴

۳۹۔ Hamidullah, Dr. Introduction to Islam, India, Centre Cultural Islamique, Paris, 1378H/1959, p.151

۴۰۔ شاہ معین الدین ندوی، مہاجرین، دارالمصنفین اعظم گڑھ، طبع دوم، ۱۹۵۲ء، ج ۲، ص ۶۱

۴۱۔ محمود احمد غازی، ''عہد اسلامی میں تعلیمی و علمی سرگرمیوں پر ایک نظر''، مشمولہ: ماہنامہ 'معارف' اعظم گڑھ، اگست ۱۹۸۰ء، ص ۱۲۴ بحوالہ: سیوطی، جمع الجوامع، ص ۲۲۲

۴۲۔ ان مساجد کے نام یہ ہیں: ۱۔ مسجد بنی عمرو بن مبذول ۲۔ مسجد بنی ساعدہ ۳۔ مسجد بنی عبید ۴۔ مسجد بنی زریق ۵۔ مسجد بنی سلمہ ۶۔ مسجد غفار ۷۔ مسجد سالم ۸۔ مسجد جھینہ ۹۔ مسجد بنی راتج بن عبدالاشہل ۔ ان مساجد کا تعلق مختلف عرب قبائل، خاندانوں اوران کے علاقوں سے تھا، اسی طرح کم وبیش تمام ہی لوگوں کے لیے ان میں تعلیم حاصل کرنے کے مواقع فراہم کردیے گئے تھے۔ یہ سلسلہ روز افزوں بڑھتا گیا اور کئی ایسے مدرسے بھی قائم ہوئے جنہیں انصار مدینہ نے تعمیر کیا۔ (محمد یلیین شیخ، عہد نبوی ﷺ کا نظامِ تعلیم، ص ۸۳)

۴۳۔ ابوداؤد، کتاب المراسیل، شرح بخاری، ج ۲، ص ۴۶۸

۴۴۔ ابن عبدالبر، کتاب العلم، ص ۹۷

۴۵۔ القرآن: سورۃ البقرہ، آیت ۲۸۲

۴۶۔ ایضاً

۴۷۔ ابن سعد، طبقات، ج ۲، ص ۱۳۰

۴۸۔حمید اللہ، ڈاکٹر، عہد نبوی ﷺ کا نظام تعلیم، ص ۳۳۹۔۳۴۰

۴۹۔احمد، مسند، ج ۴، ص ۲۰۶

۵۰۔عبدالحی الکتانی، نظام الحکومۃ النبویۃ، ج ۱، ص ۱۰۵

۵۱۔ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، مطبعۃ مصطفیٰ البانی، مصر، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۵ء، ج ۲، ص ۵۰۰

۵۲۔ابی ابو جعفر محمد بن جریر الطبری، تاریخ الامم والملوک، مطبعۃ الاستقامۃ بالقاہرۃ، ۱۳۵۷ھ/۱۹۳۹ء،

ج ۲، (احوال ۱۱ھ))

۵۳۔ترمذی، باب البر والصلۃ، باب ما جاء النفقۃ علی البنات والاخوات

۵۴۔صحیح بخاری، کتاب العلم

۵۵۔دیکھیے: القرآن: سورۃ الاحزاب، آیت ۳۴

۵۶۔محمد حفیظ اللہ پھلواروی، ''عہدِ نبوی ﷺ میں علمی ترقیاں''، مشمولہ: نقوش (رسول نمبر)، جلد چہارم،

ص ۱۴۴

۵۷۔ڈاکٹر محمد گجر خان غزل کشمیری، آنحضرت ﷺ کی تعلیمی پالیسی، شعبہ نشر و اشاعت، اقراء تدریب

الاطفال، لاہور، دسمبر ۲۰۰۶ء، ص ۱۵۹

۵۸۔ایضاً، ص ۱۷۲ تا ۱۸۳؛

۵۹۔ایضاً، ص ۱۷۲

۶۰۔حمید اللہ، ڈاکٹر، عہدِ نبوی ﷺ کا نظامِ تعلیم، ص ۳۴۴

۶۱۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۲۰، ص ۱۵۵

۶۲۔ تفصیلات کے لیے دیکھیے: قاضی اطہر مبارکپوری، خیر القرون کی درس گاہیں، ص ۱۱۱

۶۳۔ پروفیسر سید محمد سلیم، آغازِ اسلام میں مسلمانوں کا نظامِ تعلیم، ص ۳۱

۶۴۔ قاضی اطہر مبارکپوری، خیر القرون کی درسگاہیں، ص ۱۴

۶۵۔ ایضاً، ص ۳۳۹

۶۶۔ علاء الدین علی المتقی، کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال، دائرۃ المعارف النظامیۃ، حیدرآباد دکن، ت ن، ج ۱، ص ۲۲۴

۶۷۔ شبلی نعمانی، الفاروق، دارالاشاعت، کراچی، طبع اول، ۱۹۹۱ء، ص ۲۶۴

۶۸۔ ایضاً

۶۹۔ کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال، ج ۱، ص ۲۱۷

۷۰۔ ابن جاحظ، البیان، ج ۲، مکتبہ الخانجی بالقاہرۃ، ۱۳۲۵ھ، ص ۹۱

۷۱۔ ابی حامد محمد بن محمد الغزالی، احیاء علوم الدین، مطبع میمنیۃ مصر، ت ن، ج ۳، ص ۵۷

۷۲۔ ابن مسکویہ، تہذیب الاخلاق، مکتبہ الخانجی بالقاہرۃ، ۱۳۶۳ھ، ص ۲۰

۷۳۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۲۰، ص ۱۶۲

۷۴۔ ایضاً

۷۵۔ ایضاً، ص ۱۵۶

٧٦۔ کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال، ج ۲، ص ۲۰۷

۷۷۔ قاضی اطہر مبارکپوری، خیر القرون کی درسگاہیں، ص ۱۱۳

۷۸۔ عبدالکریم شہرستانی، الملل والنحل، دارالمعرفہ، بیروت، ت ن، ص ۸۰

۷۹۔ پروفیسر سید محمد سلیم، آغازِ اسلام میں مسلمانوں کا نظامِ تعلیم، ص ۴۸

۸۰۔ سیرۃ العمرین، ابن جوزی، مکتبہ الخانجی بالقاھرۃ، ۱۳۳۶ھ، ص ۴۷

۸۱۔ محمد بن اسحاق ابن ندیم، الفہرست، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ / ۱۹۹۴ء، ص ۶۱

۸۲۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۲۰، ص ۱۶۲

۸۳۔ S. Ameer Ali, "Spirit of Islam", Christophers London, Oct. 1953, p.398

۸۴۔ یہ مکاتب بنیادی تعلیم کے ادارے تھے، جس میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد طلبہ اعلیٰ تعلیم کے لیے مساجد اور مدارس کے حلقہ درس میں شریک ہوتے تھے۔ دیکھیے: George Makdisi, The Rise of Colleges: Institutions of Learning in Islam and the West, Edinburgh University Press, 1981, p. 19

۸۵۔ پروفیسر سید محمد سلیم، آغازِ اسلام میں مسلمانوں کا نظامِ تعلیم، ص ۵۱

۸۶۔ احمد امین مصری، فجر الاسلام، مکتبۃ النھضۃ المصریۃ، قاھرہ، الطبعۃ العاشرۃ، ۱۹۶۵ء، ص ۱۷۰ تا ۱۹۲

۸۷۔طبری، ج ۲، ص ۱۲۶۶

۸۸۔ بادیۃ الشام: شامی ریگستان، یہاں غیر ملکیوں کا عمل دخل نہیں تھا، ٹکسالی زبان کا واحد گہوارہ تھا۔ صرف بدّوں کے قبیلے اس ریگستان میں رہتے تھے چنانچہ عربوں کی خالص نسل اور ظہورِ اسلام سے قبل کی زبان، ان ہی تک محدود ہو گئی تھی۔

۸۹۔ Encyclopedia of Education, III, New York, 1952, P.1112

۹۰۔ P.K. Hitti, History of Arabs, p.253

۹۱۔ (لفظ مودب کی اصل ادب ہے جس میں اخلاقی اور ذہنی دونوں خصوصیات شامل ہیں، چنانچہ یہ لفظ اسی معنوں میں استعمال ہوتا تھا اور اتالیق کا یہ فرض ہوتا تھا کہ وہ طلبا کی ذہنی اور اخلاقی صلاحیتوں کو اجاگر کرے۔ (احمد شلبی، ڈاکٹر، مسلمانوں کا نظامِ تعلیم، اردو بک اکیڈمی سندھ، کراچی، ۱۹۸۵ء، ص ۲۷)

۹۲۔اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۲۰، ص ۱۶۲

۹۳۔ پروفیسر سید محمد سلیم، آغازِ اسلام میں مسلمانوں کا نظامِ تعلیم، ص ۵۵

۹۴۔ R. A. Nicholson, A Literary History of the Arabs, Cambridge University Press, 1962, p.343

۹۵۔ابو عمر یوسف ابن عبد البر، جامع بيان العلم و فضله، ادارۃ للطباعۃ المنیریۃ، ت ن، ج ۱، ص ۱۲۴

۹۶۔مولانا شبیر احمد خاں غوری، ''صدرِ اسلام میں دینی علوم کے ارتقا کا اجمالی جائزہ''، مشمولہ: نقوش (رسول نمبر) جلد چہارم، شمارہ نمبر ۱۳۰، جنوری ۱۹۸۳ء، ادارہ فروغِ اردو، لاہور، ص ۶۸

۹۷۔ایضاً

۹۸۔ابن عبدالبر، جامع بیان العلم، ج۱، ص۱۲۴

۹۹۔علم مغازی کے تحت اسلامی غزوات اور جنگوں کے حالات بیان کیے جاتے ہیں۔

۱۰۰۔آپ کی کنیت ابوبکر، نام محمد بن مسلم اور لقب اعلم الحفاظ ہے۔ زہری کی تاریخ پیدائش سے متعلق مختلف روایتیں ملتی ہیں جو درحقیقت وفات کے وقت ان کی عمر کی بابت مختلف اقوال ۵۰، ۵۱، ۵۶، ۵۸ سال پر مبنی ہیں۔ تاریخ وفات ۱۷ رمضان المبارک ۱۲۴ھ (۷۴۲ء) ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر، سہل بن سعد، انس بن مالک، محمود بن ربیع، سعید بن مسیب، ابوامامہ بن سہل اور اس طبقہ کے دوسرے صحابہ اور کبار تابعین سے علم حدیث حاصل کیا۔ ابن شہاب زہری نے مدینہ میں رہ کر احادیث نبوی ﷺ اور اقوال صحابہ کی چھان بین کی۔ انھوں نے اپنی تحقیق و تفتیش کا دائرہ صرف اہل علم تک محدود نہیں رکھا۔ بلکہ ہر اس شخص سے رجوع کرنے کی کوشش کی جو احادیث و روایت کی بابت تھوڑی بہت بھی معلومات رکھتا تھا اور قابل اعتماد تھا۔ زہری کی معرکۃ الآرا تالیف سیرت نبوی کے جملہ ادوار (ماقبل اسلام و مابعد اسلام) کی عکاس ہے۔ بعثت سے قبل آپ ﷺ کی زندگی میں جو اہم واقعات رونما ہوئے ان کے ذکر کے علاوہ یہ کتاب مکی و مدنی زندگی کے مختلف پہلوؤں بالخصوص آپ ﷺ کے پیغمبرانہ مشن اور نبوی کارناموں پر روشنی ڈالتی ہے۔ زہری کی کتاب مکمل دستیاب نہیں۔ صرف اس کے متفرق اجزاء، واقدی، طبری، اور بلاذری کی تالیفات میں ملتے ہیں۔ (دیکھیے: عبدالعزیز الدوری کا مقالہ ''اسلامی تاریخ نگاری میں زہری کا حصہ''، مشمولہ: نقوش (رسول نمبر) ج۹، ش۱۳، جنوری ۱۹۸۴ء، ادارہ فروغ اردو لاہور)

۱۰۱۔پروفیسر سید محمد سلیم، آغازِ اسلام میں مسلمانوں کا نظامِ تعلیم، ص۶۰

۱۰۲۔ایضاً، ص۶۱

۱۰۳۔ ریاست علی ندوی، اسلامی نظام تعلیم، اعظم گڑھ، ۱۹۳۸ء، ص ۳۷ تا ۳۸

۱۰۴۔ سید سلیمان ندوی، ''مسلمانوں کی آئندہ تعلیم''، مشمولہ ماہنامہ معارف اعظم گڑھ، ج ۴۲، ص ۱۹۳۸ء

۱۰۵۔ R. A. Nicholson, A Literary History of the Arabs, p.358

۱۰۶۔ جلال الدین عبدالرحمٰن ابی بکر السیوطی، تاریخ الخلفاء، اردو ترجمہ: شمس بریلوی، پروگریسو بکس لاہور، اکتوبر ۱۹۹۷ء، ص ۵۳۲

۱۰۷۔ دیکھیے: George Makdisi, The Rise of Colleges, Edinburgh University Press, 1981, p.219

۱۰۸۔ احمد شلبی، ڈاکٹر، مسلمانوں کا نظامِ تعلیم، اردو بک اکیڈمی سندھ، کراچی، ۱۹۸۵ء، ص ۲۷

۱۰۹۔ ابن جماعۃ الکنانی، تذکرۃ السامع والمتکلم، دائرۃ المعارف العثمانیۃ، حیدرآباد دکن ۱۳۵۳ھ، ص ۲۱۱

۱۱۰۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۲۰، ص ۱۶۳

۱۱۱۔ احمد شلبی، ڈاکٹر، مسلمانوں کا نظامِ تعلیم، ص ۸۵

۱۱۲۔ شہاب الدین ابوعبداللہ یاقوت حموی، ''معجم الادبا''، مصر، ۱۹۲۳ء، ج ۱۵، ص ۱۵۷

۱۱۳۔ ایضاً، ج ۷، ص ۱۹۳

۱۱۴۔ قاضی اطہر مبارکپوری، خیر القرون کی درسگاہیں، ص ۱۶۔ بحوالہ: کتاب الخطط والآثار، ج ۳، ص ۳۶۲

۱۱۵۔ احمد شلبی، ڈاکٹر، مسلمانوں کا نظامِ تعلیم، ص ۲۴۶

۱۱۶۔الفہرست،ص ۳۳۵

۱۱۷۔ایضاً،ص ۳۰۲

۱۱۸۔احمد احمد بدوی،الحیاۃ العقلیہ فی عصر الحروب الصلیبیۃ بمصر و الشام،مکتبۃ نھضۃ مصر، ت ن،ص ۱۷

۱۱۹۔تقی الدین احمد بن علی المقریزی، کتاب الخطط،مطبعۃ النیل،مصر،۱۳۲۵ھ،ج ۴،ص ۴۹ تا ۵۶

۱۲۰۔المقریزی، کتاب الخطط، ج ۲،ص ۳۳۳۔۳۳۴

۱۲۱۔کتاب الخطط والآثار، ج ۲،ص ۳۶۲/۳ خیر القرون کی درسگاہیں،ص ۱۸

۱۲۲۔تاج الدین ابی النصر عبدالوھاب ابن تقی الدین السبکی،''طبقات الشافعیۃ الکبریٰ''طبع اول، مطبعہ حسینیہ مصر، ت ن، ج ۳،ص ۵۲

۱۲۳۔ایضاً، ج ۳،ص ۱۳۷

۱۲۴۔شبلی نعمانی،مقالات شبلی،ص

۱۲۵۔دیکھیے :احمد شلبی،مسلمانوں کا نظامِ تعلیم،ص ۵۶ تا ۶۴

۱۲۶۔بخاری، باب العلم، ج ۱،ص ۲۹

۱۲۷۔ابو العباس شمس الدین احمد بن محمد بن ابی بکر بن خلکان،''وفیات الاعیان وانباء ابناء الزمان''، تحقیق: ڈاکٹر احسان عباس،منشورات الرضی قم،۱۳۶۴ء، ج ۱،ص ۲۵۷۔۲۵۸

۱۲۸۔ایضاً

۱۲۹۔المقریزی، کتاب الخطط، ج۴،ص۲۰

۱۳۰۔ابن جبیر، رحلہ ابن جبیر، دار صادر بیروت،۱۳۸۴ھ/۱۹۶۴ء،ص۲۳۹

۱۳۱۔ابن ندیم، الفہرست،ص۱۰۲

۱۳۲۔ایضاً،ص۱۰۹

۱۳۳۔احمد بن محمد المقری، نفح الطیب من غصن الاندلس الرطیب، دار صادر بیروت،۱۳۸۸ھ/

۱۹۶۸ء، ج۲۔ص۱۳۷

۱۳۴۔ابو الفرج الاصبہانی، کتاب الاغانی، مطبعۃ التقدم مصر، ت ن، ج۱۵،ص۱۱۳۔۱۱۴

۱۳۵۔طبری، ج۲،ص

۱۳۶۔احمد شلبی، مسلمانوں کا نظام تعلیم، ص۶۳ بحوالہ: المرزبانی: الموشہ، ص۲۸۹۔۲۹۰

۱۳۷۔احمد شلبی، مسلمانوں کا نظام تعلیم، ص۲۴۵

باب دوم:

فصل اول

بغداد کا تاریخی وسیاسی پس منظر

رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں پہلی اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی۔ آپ ﷺ کے وصال کے پہلے تین خلفاء الراشدین ؓ کے دور میں بھی مرکز خلافت مدینہ منورہ ہی رہا، اور اس حوالے سے نہ صرف سیاسی و عسکری قوت کا مرکزی تھا بلکہ علمی وفکری سرگرمیوں کا محور بھی مدینہ منورہ ہی تھا۔ البتہ چوتھے خلیفہ راشد حضرت علی بن ابی طالب ؓ نے جب مرکز خلافت مدینہ منورہ سے کوفہ (۱) منتقل کیا تو مدینہ کی سیاسی اہمیت میں کمی واقع ہوئی۔ لیکن کوفہ کو بھی محض حضرت علیؓ کے پانچ سالہ دورِ اقتدار میں یہ سیاسی اہمیت حاصل رہی، ازاں بعد بنوامیہ کے اقتدار کے آغاز کے ساتھ ہی مرکزِ خلافت کوفہ سے دمشق منتقل ہوگیا۔ بنوامیہ کے ۹۲ سالہ دورِ

اقتدار میں دمشق ہی سیاسی وعسکری طور پر سب سے زیادہ فعال شہر تھا۔

بنوامیہ سے بنوعباس کی طرف انتقال اقتدار کا معاملہ صرف ایک خانوادے سے دوسرے خانوادے تک اقتدار کی منتقلی ہی نہ تھی بلکہ کئی اعتبار سے ایک نئے دور کا آغاز تھا۔ اس دور میں طرزِ حکومت سے لے کر معاشرتی رویوں تک اتنی تبدیلیاں آئیں گویا ماہیت قلب ہوگئی۔ عربی حکومت اور معاشرہ نے عجمیت کا لبادہ اوڑھ لیا کیونکہ اہل فارس نے عباسی تحریک میں بڑا نمایاں کردار ادا کیا تھا۔ اور انہی کی قوت نے عباسی سفینہ اقتدار کو ساحلِ مراد تک پہنچایا تھا۔

عباسیوں کو اپنی نوزائیدہ ریاست کے لیے ایک موزوں اور مناسب دارالحکومت کی تلاش تھی۔ دمشق کو وہ دارالحکومت نہیں بنا سکتے تھے کہ صرف دمشق ہی نہیں پورا شام ان کا مخالف تھا۔ عراق میں سوائے کوفہ کے کوئی قابل ذکر شہر نہیں تھا جو عباسیوں کی وسیع وعریض ریاست کا مرکز بن سکتا۔ اور کوفہ کا معاملہ یہ تھا کہ یہاں اکثر حوادث وواقعات رونما ہوتے رہتے تھے۔ یہاں کی ملی جلی آبادی میں مختلف افکار ونظریات رکھنے والے لوگ موجود تھے، ان کی فکری رنگارنگی اور مختلف اور مخالف سیاسی وابستگیوں نے اسے ایک ہنگامہ پرور بلکہ یک گونہ پرفتن شہر بنا رکھا تھا۔ اس اعتبار سے یہ شہر ایک ایسی مملکت کا پایہ تخت بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا تھا جو استقرار واستحکام کی متلاشی تھا۔

پہلے عباسی خلیفہ ابوالعباس السفاح (م ۱۳۶ھ/۷۵۳ء) کی بیعت خلافت جامع مسجد کوفہ میں ہی ہوئی تھی۔ اس کے بعد اس نے مقتول اموی گورنر یزید بن ہبیرہ کی قیام گاہ کو اپنا مستقر بنایا۔ یہ ایک شاندار عمارت تھی جو شہر سے کئی فرسخ کے فاصلے پر واقع تھی۔ سفاح نے اس کا نیا نام ''ہاشمیہ'' رکھا، لیکن لوگوں نے اس نام کی طرف توجہ نہیں

کی اور اسے قصر ابن ہبیرہ ہی کے نام سے پکارتے رہے۔ یہ بات سفاح کے لیے ناگوارِ خاطر تھی۔ اس نے اس کے قریب ہی ایک چھوٹی سی بستی بسائی جس کا نام ''ہاشمیہ'' رکھا اور وہاں منتقل ہوگیا۔ کچھ عرصے بعد ہاشمیہ کو بھی چھوڑا اور ایک چھوٹا سا شہر ''انبار'' (۲) کے نام سے بسایا جہاں دو سال تک مقیم رہا، پھر وفات پائی اور یہیں دفن ہوا۔ (۳)

سفاح کے بعد جب ابو جعفر المنصور تختِ خلافت پر متمکن ہوا تو ابتداً اس نے ہاشمیہ ہی کو اپنا پایہ تخت بنایا اور یہاں بہت سے تعمیراتی کام بھی کیے لیکن متعدد اسباب کی بناء پر وہ اس نو آباد بستی کو اپنا مستقل مرکزِ حکومت بنانا نہیں چاہتا تھا۔

۱۔ ہاشمیہ، کوفہ سے بہر حال بہت قریب تھا اور کوفہ شیعیانِ علی کا گڑھ تھا۔ شیعیانِ علی کی ایک بہت بڑی تعداد وہاں آباد تھی اور یہ خطرہ ہر وقت موجود تھا کہ کہیں 'اہل بیتِ نبوی' کے نام پر یہ لوگ سردارانِ فوج اور حکام و عمال حکومت کو ورغلانے نہ لگیں۔ یہاں رہ کر ان سے امن حاصل نہیں ہوسکتا تھا۔

۲۔ ہاشمیہ کی آب و ہوا ابو جعفر المنصور کو پسند نہیں تھی۔ اکثر ریتیلی آندھیاں چلتی رہتیں تھیں جو بستی اور اہل بستی کا حلیہ بگاڑ دیتیں۔

۳۔ فرقہ راوندیہ کی شورش نے ابو جعفر المنصور کو مجبور کیا کہ وہ ایک نیا مرکزِ حکومت قائم کرے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ابو مسلم خراسانی کے لشکر کا ایک گروہ جو 'راوندیہ کہلاتا تھا۔ ''حلول'' پر اعتقاد رکھتا تھا۔ اس کا عقیدہ تھا کہ خدائے عز و جل، ابو جعفر المنصور کے جسم میں حلول کر گیا ہے اور روحِ آدمؑ، ابو مسلم خراسانی کے قاتل، عثمان بن نہیک کے جسم میں حلول کر گئی ہے۔ یہ لوگ ہاشمیہ میں ہی رہتے تھے

اور اپنے عقائد کا پرچار کرتے رہتے تھے۔ ابو جعفر المنصور نے اس گروہ کے بعض سرکردہ افراد کو گرفتار کیا تو ان لوگوں نے جیل پر ہلّہ بول دیا اور بہت سے گرفتار شدگان کو چھڑا کر لے گئے۔ پھر قصر خلیفہ کی طرف یورش کی۔ قصر خلیفہ کے نگہبانوں کی تعداد بھی کافی نہ تھی۔ منصور کو بہر حال قلیل التعداد نگہبانوں کے ساتھ، ان کے خلاف صف آرا ہونا پڑا۔ تلواریں میانوں سے نکل آئیں اور کافی خون خرابہ ہوا۔ (۴)

الغرض ان وجوہات کی بناء پر ایک نیا دارالخلافہ تعمیر کرنے کا عزم، مصمم ہوتا گیا اور عراق ہی کے اطراف و جوانب میں ایک پرانی بستی، ''باغ داد'' کا مقام، آب و ہوا اور محل وقوع کے اعتبار سے پسند آیا تو وہاں دارالخلافہ تعمیر کرنے کا حکم دے دیا گیا۔ تقریباً پانچ سال اس شہر کی تعمیر میں لگے۔ نئے شہر کا نام ''مدینۃ السلام'' (بغداد) رکھا گیا اور ابو جعفر المنصور یہاں منتقل ہو گیا۔

بغداد دریائے دجلہ کے دونوں کناروں پر آباد کیا گیا۔ (۵) اس کی بنیاد آٹھویں صدی عیسوی میں رکھی گئی اور اس وقت سے خلافت عباسیہ کے خاتمے تک یہ برابر دارالخلافہ اور صدہا سال تک عالم اسلام کا ثقافتی مرکز رہا۔ تاہم چند سال کے لیے، معتصم باللہ () کے دورِ خلافت میں ''سامرا'' (۶) کو دارالخلافہ کی حیثیت دے دی گئی۔ تاہم بعد میں خلفائے عباسیہ نے پھر بغداد کو اپنا مرکز خلافت بنالیا۔ کے بعد ۱۲۵۸ء کے بعد یہ ایک صوبے کا صدر مقام اور عثمانی ترکوں کے تحت ولایت بغداد کا مرکز رہا۔ ۱۹۲۱ء میں یہ جدید مملکت عراق کا دارالحکومت ہو گیا۔ (۷)

بغداد اسلامی عہد سے پہلے کا نام ہے۔ جس کا تعلق زمانہ سابق کی ان بستیوں سے ہے جو اسی مقام پر آباد تھیں۔ عرب مصنفین اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں اور حسب معمول اس کی فارسی اصل کا سراغ لگاتے

ہیں۔ انہوں نے اس کے مختلف قیاسی معنی دیئے ہیں، جن میں سب سے زیادہ مقبول ''دادۂ خدا'' یا ''عطیہ خدا'' (یا ''عطیۃ الصنم'') ہے۔(۸)

فرہنگ آنندراج (بذیل مادہ 'بغ' و 'بغداذ') میں ہے کہ بغ ایک بت کا نام تھا اور شہر بغداد کی بنیاد اسی بت کے نام پر رکھی گئی، نیز یہ کہ بغداد دراصل 'باغ داذ' ہے۔ یعنی وہ باغ جہاں نوشیروان مظلوموں کی داد رسی کیا کرتا تھا۔(۹)

جدید مصنفین کا رجحان بھی عموماً اس طرف ہے کہ اصل میں یہ فارسی لفظ ہے۔(۹) مگر بعض دوسرے مصنفین کی رائے یہ ہے کہ اس لفظ کی اصل آرامی ہے۔ جس کے معنی ہیں ''بھیڑوں کا باڑہ یا احاطہ'' (۱۰) الطبری نے بغداد کی جائے وقوع کے ضمن میں ''سوق البقر'' (گایوں کی منڈی) کا جو ذکر کیا ہے وہ قابل لحاظ ہے۔(۱۱)

حمورابی (Hammurabi) کے عہد (۱۸۰۰ق م) کی ایک قانون دستاویز میں شہر ''بگدادو'' Bagdadu کا ذکر ہے۔(۱۲)

عباسی خلیفہ المنصور نے اپنے شہر کا نام مدینۃ السلام (سلامتی کا شہر) (۱۳) رکھا۔ اس میں جنت کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔(۱۴) یہی سرکاری نام دستاویزات، سکوں اور باٹوں وغیرہ پر لکھا جاتا تھا۔ اس کی مختلف شکلیں، خصوصاً بغدان اور عرفی نام جیسے مدینہ ابی جعفر، مدینہ المنصور، مدینہ الخلفاء اور الزوراء بھی استعمال کیے جاتے تھے۔(۱۵)

الطبری کے مطابق منصور نے اپنا شہر جہاں آباد کیا وہاں اسلام سے پہلے کی بہت سی بستیاں آباد

تھیں۔ان میں سب سے؛ہم گاؤں بغداد تھا۔(۱٦)

بغداد کی قسمت میں بابل،سلوقیہ اور مدائن کی جگہ لینا اور ان سب سے بازی لے جانا تھا۔معلوم ہوتا تھا کہ گویا کسی جادوگر نے ایسا منتر پڑھا کہ یکا یک کہ مدائن اور بابل ونینوا،اُر اور دورِ قدیم کے سارے مشرقی دارالسلطنتوں نے ابوجعفر المنصور کی بستی کو اپنی عظمت وجلال کا وارث بنا دیا۔بغداد کو شان وشوکت کا وہ مرتبہ حاصل ہوا جو شاید قسطنطنیہ کے سوا کسی اور شہر کے نصیب میں نہ آیا تھا۔(۱۷)

بغداد کی تعمیر کا نقشہ ۱۴۱ھ/۷۵۸ء میں تیار ہو چکا تھا۔(۱۸) لیکن تعمیر کا کام یکم جمادی الاولیٰ ۱۴۵ھ/۱۲اگست ۷٦۲ء میں شروع ہوا۔(۱۹) چار ماہرین فنِ عمارت نے اس شہر کا منصوبہ تیار کیا۔حجاج بن ارطاۃ نے مسجد کا نقشہ تیار کیا۔(۲۰) تعمیر کے لئے المنصور نے ایک لاکھ مزدور اور کاریگر اکٹھے کیے تھے۔ (۲۱)۱۴۹ھ/۷٦٦ءتک اسلامی دنیا کے اس پہلے مدور شہر کی تعمیر پایہ تکمیل تک پہنچ گئی۔(۲۲)

دائرے کی شکل میں ہونے کی وجہ سے اس کا مرکز اپنے مختلف حصوں سے یکساں فاصلے پر تھا۔لہذا شہر کا دفاع اور انتظام آسانی سے ہوسکتا تھا۔الیعقوبی کے مطابق یہ شہر اپنی مثال آپ تھا۔(۲۳) شہر کے وسط میں ایوان شاہی کی عمارت تھی جو قصر الذہب کے نام سے موسوم تھی۔اس کے درمیانی ہال پر اسی گز بلند گنبد تھا جو قبۃ الخضراء کہلاتا تھا۔اسکی چوٹی پر ایک اسپ سوار مجسمہ نصب تھا۔یہ گنبد بغداد کے ہر حصے سے نظر آتا تھا۔(۲۴)

پھر جب بغداد میں آبادی کی کثرت ہوگئی تو ۱۵۷ھ/۷۷۳ء میں المنصور نے شہر سے باہر باب الخراسان کے مقابل ایک قصر دریائے دجلہ کے کنارے تعمیر کیا،جس میں وسیع باغات تھے۔اس کا نام 'الخلد'

رکھا۔(۲۵) بغداد بہت جلد کثرت عمارات، تجارتی چہل پہل، ثروت اور آبادی میں بڑھتا چلا گیا۔ آبادی کی ترتیب یہ تھی کہ وسط شہر میں قصر الذہب کی عمارت اور جامع مسجد تھی۔ اس کے آس پاس دور تک پولیس اور حفاظتی سپاہ کی چوکی کے علاوہ اور کوئی آبادی نہ تھی، شہر پناہ کی دونوں دیواروں کے بیچ میں ایک بہت بڑا قید خانہ تھا جس کا نام مطبق تھا۔(۲۶)

شاہی ایوان کے بعد شہزادوں کے محلات اور ان کے خدام اور متوسلین کے مکانات تھے، ان کے بعد سرکاری دفاتر کی حسب ذیل عمارتیں تھیں:

بیت المال، السلاح، دیوان الرسائل، دیوان الخراج، دیوان خاتم، دیوان الحوائج، دیوان الاشام، دیوان النفقات، مطبخ عامہ(۲۷)

ان عمارتوں کے بعد امرائے دولت اور ارکان حکومت کے مکانات تھے، آخر میں عام آبادی اور بازار تھے۔ ہر طبقہ اور تمام اہل حرفہ کے محلے الگ الگ اور ان کے باشندوں یا اس محلّہ کے ممتاز اشخاص کے نام سے موسوم تھے۔(۲۸) ہر چیز کے بازار جدا تھے۔(۲۹) ہر محلّہ، بازار اور آبادی سے متعلق اتنی مسجدیں تھیں جو ان کے لیے کافی ہوں۔(۳۰) ۱۴۶ھ میں بیوت اموال وخزائن ودواوین کوفہ سے بغداد منتقل کیے گئے۔(۳۱)

سرزمین عراق کی تعریف کرتے ہوئے خطیب بغدادی نے لکھا ہے:

''عراق میں جہاں بغداد واقع ہے، وہ بہترین خطہ ارض ہے اور بالکل بیچوں بیچ واقع ہے۔ اسے چھ اقالیم گھیرے ہوئے ہیں، یعنی ترک، ہند،

چین، شام، حجاز، اور مصر یہی وجہ ہے کہ یہاں کے باشندوں کا رنگ
معتدل ہے۔ جسم متناسب ہے۔ جس طرح یہ اپنی خلقت کے اعتبار سے
معتدل ہیں، اسی طرح ذہانت، علم پرستی، ادب پروری اور محاسن امور
سے متصف ہیں۔ (۳۲)

بغداد کے حسن و جمال کی تعریف میں شعراء رطب اللسان ہیں اور اسے ''فردوس ارضی'' کہتے ہیں۔ اس کے حیرت انگیز باغات، سرسبز دیہات، اونچے اونچے عالیشان محلات، جن کے دروازے اور ایوان اعلیٰ نقش ونگار سے آراستہ اور نفیس و پرتکلف فرش وفروش سے مزین تھے، بہت مشہور تھے۔

جنگی مصالح اور ابوجعفر منصور کی حکمت عملی کہ فوج کو منقسم رکھا جائے، پھر جگہ کی کمی، یہ وجوہ تھوڑے ہی دنوں میں اس بات کے محرک ہوئے کہ خلیفہ ولی عہد المہدی کے لیے دریائے دجلہ کی شرقی جانب ایک فوجی معسکر تعمیر کرے۔ اس کا مرکزی حصہ معسکر المہدی تھا۔ (جس کا نام بعد میں رصافہ ہوگیا کیونکہ ہارون الرشید نے وہاں اس نام کا ایک محل بنایا تھا) جس میں اس کے محل اور مسجد کی تعمیر ہوئی۔ اس کے اردگرد فوجی سرداروں اور متوسلین کے گھر تھے۔ تجارتی سرگرمیاں بھی بہت جلد باب الطاق کی منڈیوں (اسواق) میں شروع ہوگئیں۔ اس کی تعمیر ۱۵۱ھ / ۷۶۸ء میں شروع اور ۱۵۷ھ / ۷۷۳ء میں مکمل ہوئی۔ رصافہ المنصور کے شہر کے تقریباً مقابل بنا تھا۔ (۳۳)

ہارون الرشید (۱۷۰ھ / ۷۸۶ء تا ۱۹۳ھ / ۸۰۹ء) خلافت عباسیہ کا گل سر سبد اور اس کا عہد، عباسی حکومت کا ذریں دور تھا۔ اس کے زمانہ میں دولت عباسیہ علمی، تمدنی، سیاسی، ہر حیثیت سے اوج کمال پر پہنچ

گئی۔ خطیب کا بیان ہے کہ عمارتوں، آبادی کی کثرت اور رفاہیت کے اعتبار سے بغداد ہارونی عہد میں اوج شباب پر پہنچ گیا، اس کے دور میں ملک سرسبز و شاداب، آسودہ حال اور رعایا فارغ البال تھی۔ (۳۴)

عباسی خلفاء کی موجودگی میں شعری مقابلے، مذہبی مناظرے اور ادبی کانفرنسیں اکثر ہوا کرتی تھیں۔ (۳۵) بغداد میں ہارون الرشید کا دربار علم و حکمت کے جن ستاروں سے منور تھا ان میں سے چند کے نام یہ ہیں۔ شعراء میں ابونواس، ابوالعتاہیہ، دعبل، مسلم بن الولید، عباس بن الاحناف، موسیقاروں میں موصل کے ابراہیم اور ان کے صاحبزادے اسحاق، مبلغوں میں ابن السماک، اور مورخوں میں الواقدی۔ (۳۶)

بغداد کو الامین اور المامون کے باہمی جدال و قتال کے زمانے میں سخت نقصان پہنچا۔ چودہ ماہ تک اس کا محاصرہ رہا تو جنگ خود شہر تک پہنچ گئی۔ (۳۷) اہل شہر کی شدید مقاومت سے زچ ہو کر طاہر (۳۸) نے حکم دیا کہ مدافعین کے گھر منہدم کر دیئے جائیں، چنانچہ دریائے دجلہ، دارالرقیق، باب الشام، باب الکوفہ سے نیز صراۃ، نہر کرخایہ اور کناسہ تک محلے کے محلے تباہ و برباد کر دیئے گئے۔ (۳۹) سرکش بلوائیوں، بے لگام رضا کاروں اور عیاروں کے ہاتھوں یہ تباہی پایہ تکمیل کو پہنچ گئی یہاں تک کہ بغداد کی ساری شان و شوکت جاتی رہی۔ (۴۰) بغداد میں یہ انتشار جاری رہا تا آنکہ ۲۰۴ھ / ۸۱۹ء میں المامون مَرو سے بغداد پہنچ گیا۔ المامون کے عہد میں بغداد نے دوبارہ زندگی پائی۔

المامون (۱۹۸ھ / ۸۱۳ء تا ۲۱۸ھ / ۸۳۳ء) کا دور، عربی ادب کا عہد زریں کہلاتا ہے۔ اس کا دربار معلموں، اتالیقوں، مترجموں اور وقائع نگاروں پر مشتمل تھا۔ نیز مختلف النسل اور مختلف القوم حکماء، ادباء، شعراء، اطباء اور فلاسفہ کی بدولت اس کا دربار علم و دانش کا زبردست مرکز بنا ہوا تھا۔ جہاں علمی، ادبی

اور فکری مباحث پر بحث و مباحثہ کا بازار گرم رہتا۔ جس میں اکثر وہ خود بھی نمایاں حصہ لیتا تھا۔ ایک دفعہ، المامون نے مجلس میں سوال کیا کہ آیا تم میں کوئی شخص ایسا شعر سنا سکتا ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ شاعر کو بادشاہ ہونا چاہیے تھا۔ جب کسی نے تسلی بخش جواب نہ دیا تو اس نے الولید بن یزید کا یہ شعر پڑھا: مجھے عوام کی وفاداری چاہیے اور عوام کو میری بے کنار رواداری (۴۱)

معتصم (۲۱۸ھ/۸۳۳ء تا ۲۲۷ھ/۸۴۲ء) نے ایرانیوں کا زور توڑنے کے لئے ترکوں کو آگے بڑھانے کی پالیسی اختیار کی اور سمرقند، فرغانہ اور اشروسنہ وغیرہ سے ہزاروں غلام خرید کر منگائے اور بڑے بڑے قومی مناصب پر فائز کیا۔ لیکن خود ترکوں کا اقتدار بہت بڑھ گیا۔ وہ بڑے وحشی اور تہذیب و تمدن سے نا آشنا تھے اس لیے اہل بغداد ان کی وجہ سے بڑی مصیبت میں مبتلا ہو گئے۔ وہ سڑکوں پر بے تحاشہ گھوڑے دوڑاتے تھے۔ عورتیں، بوڑھے، بچے کچل جاتے تھے اور ترک کوئی پرواہ نہ کرتے تھے، بغدادیوں نے معتصم سے فریاد کی، اس نے انہیں بغداد سے الگ رکھنے کے لیے اس کے قریب ایک شہر سامرا آباد کیا اور اسکی تعمیر کے بعد خود بھی وہیں منتقل ہو گیا۔ (۴۲)

سامرا کے دور (۸۳۶ء تا ۸۹۲ء) میں بغداد خلفاء کی براہ راست توجہ سے محروم رہا۔ (۴۳) تاہم وہ تجارتی اور ثقافتی سرگرمیوں کا بڑا مرکز بنا رہا۔

بغداد کو ترکوں کے ہنگاموں سے بہت نقصان پہنچا، جب المستعین (۲۴۸ھ/۸۶۲ء تا ۲۵۲ھ/ ۸۶۶ء) سامرا چھوڑ کر بغداد آ گیا اور وہاں المعتز (۲۵۲ھ/۸۶۶ء تا ۲۵۵ھ/۸۶۹ء) کی فوج نے ۲۵۱ھ /۸۶۵ء میں اسے سال بھر محصور کیے رکھا۔ اس زمانے رصافہ سوق الثلاثاء تک پھیل گیا تھا۔ المستعین نے

بغداد کے دفاعی استحکام کا حکم صادر کیا۔ شرقی جانب کی دیوار باب الشماسیہ سے سوق الثلاثاء تک بڑھا دی گئی اور غربی جانب قطیفہ (۴۴) ام جعفر سے مختلف سکونی علاقوں کے گرد ہوتی ہوئی صراۃ تک پہنچ گئی اور اس کے گرد کی مشہور خندق جس کا نام 'طاہر' تھا کھودی گئی (۴۵)

محاصرے کے زمانے میں مشرقی دیوار کے باہر، مکان، دکانیں اور باغ دفاعی تدبیر کے طور پر تباہ کر دیئے گئے۔(۴۶) اور شماسیہ، رصافہ اور مخرم (۴۷) کے شرقی محلوں کو سخت نقصان پہنچا۔

۲۷۸ھ/۸۹۱ء میں المعتمد (۲۵۶ھ/۸۷۰ء تا ۲۷۹ھ/۸۹۲ء) قطعی طور پر بغداد منتقل ہو گیا۔ اس نے بوران سے قصر حسنی (۴۸) مانگا، چنانچہ بوران نے اس کی نئے سرے سے تزئین و آرائش کرائی اور اسے خلیفہ کے حوالے کر دیا۔(۴۹)

اس کے بعد ۲۸۰ھ/۸۹۳ء میں المعتضد (۲۷۹ھ/۸۹۲ء تا ۲۸۹ھ/۹۰۲ء) نے اس محل کو نئے سرے سے تعمیر کیا۔ اس کے میدانوں کو وسعت دی، اس میں نئے مکانات کا اضافہ کیا۔ اس کے گرد خاص دیوار کھینچ دی۔ چونکہ اسے دار الخلافہ بنانا مقصود تھا چنانچہ اس میں اضافے ہوتے رہے اور یہ مستقر حکومت بنا رہا۔(۵۰)

المکتفی (۲۸۹ھ/۹۰۲ء تا ۲۹۵ھ/۹۰۷ء) نے قصر التاج تعمیر کیا۔ اس میں ایوان اور رقبے بنائے اور دجلے پر بارانداز بھی تعمیر کیا۔(۵۱)

۹۰۲ء میں المکتفی نے محل کے قید خانے ڈھا دیئے اور ایک جامع مسجد (جامع القصر) تعمیر کی، جو المقتدر کے زمانے تک تیسری جامع مسجد بنی رہی۔(۵۲)

المقتدر (۲۹۵ھ/۹۰۸ء تا ۳۲۰ھ/۹۳۲ء) نے شاہی محلات میں نئی عمارتوں کا اضافہ کیا اور ان کی تزئین و آرائش مبالغے کی حد تک کی۔ اس نے چڑیا گھر (حیر الوحوش) کی طرف خاص توجہ مبذول کی (۵۳) نوادر عجائبات میں ایک دار الشجرہ تھا، جس کے اٹھارہ ٹہنے اور شاخ در شاخ ٹہنیاں تھیں۔ ان پر نقرئی یا طلائی پرند اور چڑیاں بیٹھتی تھیں، جو کبھی کبھی سیٹیاں بجاتی تھیں۔ حوض کے دونوں طرف شہ سواروں کے پندرہ مجسمے ایک ہی سمت میں حرکت کرتے تھے گویا ایک دوسرے کا تعاقب کر رہے ہوں۔ (۵۴)

اس زمانے میں بغداد اپنے انتہائی عروج پر پہنچ گیا شرقی حصہ چوتھی صدی ہجری / دسویں صدی عیسویں میں شماسیہ سے دار الخلافہ تک پانچ میل پھیل گیا تھا۔ بغداد آبادی کے لحاظ سے بین الاقوامی شہر بن گیا تھا۔ یہاں کے باشندوں میں مختلف اقوام، رنگ اور مذاہب کے لوگ موجود تھے جو یہاں تجارت کرنے، فوج میں بھرتی ہونے، بطور غلام یا دیگر روزگاروں کے لیے آتے تھے۔

بغداد میں امراء کے محلے بھی تھے، جیسے الظاہر، الشماسیہ، المامونیہ اور درب عون اور غریبوں کے بھی، جیسے قطیعۃ الکلاب اور نہر الدجاج۔ گھر دو منزلہ ہوتے تھے مگر عوام الناس کے گھر ایک منزلہ ہی تھے۔ بغداد کی زندگی کی بڑی خصوصیت مسجدوں اور حماموں کی کثرت تھی۔ مالداروں کے مکانوں میں حمام ہوتے تھے۔ ان مکانوں کے عموماً تین حصے ہوتے تھے، جن کے گرد ایک دیوار کھینچ دی جاتی تھی: (۱) زنان خانہ (۲) دیوان خانہ اور (۳) شاگرد پیشہ۔ باغوں کی طرف خاص توجہ دی جاتی تھی۔ (۵۵)

بغداد ثقافت کا عظیم مرکز تھا۔ یہ حنفی اور حنبلی فقہ کا گھر تھا۔ اس میں بیت الحکمت قائم ہوا۔ جس میں دوسری زبانوں کی علمی کتابوں کے ترجمے بھی ہوتے تھے۔ اس مرکز سے باہر بھی ترجمے کیے جاتے تھے۔ بغداد

کی مسجدیں، خصوصاً جامع المنصور، علوم کے بڑے مراکز تھے۔ کتابوں کی دکانوں کی کثیر تعداد سے، جو بعض اوقات ادبی مراکز کا درجہ رکھتی تھیں، ظاہر ہوتا ہے کہ وہاں تہذیب وثقافت کی سرگرمیاں کس قدر وسیع پیانے پر جاری تھیں۔ اس کے شعراء، مورخین اور فضلاء کی اتنی زیادہ تعداد تھی کہ بیان نہیں کی جاسکتی۔ بغداد اپنے عہد کا سب سے بڑا مرکز علم تھا۔ طالبان علم وتشنگان دانش اس مرکز معارف وسرچشمہ عرفان کی جانب کشاں کشاں چلے آتے تھے۔ بغداد کے چپے چپے پر علماء کے حلقہ ہائے درس قائم اور یہاں کے گوشے گوشے میں فضلاء کے مرکز تعلیم وتعلم موجود تھے۔ علم وادب کا کیا معیار تھا اس کا اندازہ اس واقعہ سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ:

''ایک طالب علم نے حصول علم کی خاطر بغداد کا سفر کیا۔ علم وادب کی دولت سے مالا مال ہونے کے بعد اس نے واپسی کے لئے سواری کا انتظام کیا۔ گھوڑے کا سائیں سفر کے لئے ضروری سامان خریدنے کی غرض سے ایک دکان میں داخل ہوا۔ اور یہ طالب علم باہر انتظار کرتا رہا، اسی اثناء میں اس نے دکانداروں کی ایک نہایت خیال آفریں ادبی بحث سنی اور پھر اس طالب علم نے بغداد میں رہنے کا فیصلہ کرلیا کہ ''جس شہر میں علم وادب کا یہ معیار ہو اسے چھوڑ کر جانا دانشمندی نہیں''۔(۵۶)

الخطیب کی تاریخ بغداد کو دیکھ کر معلوم ہوسکتا ہے کہ علم کے ایک ایک شعبے میں بغداد سے تعلق رکھنے

والے فضلا کی تعداد کتنی زیادہ تھی۔ صرف خلفاء ہی نہیں بلکہ وزراء اور بڑے بڑے عہدے دار سب علم و فضل کی ہر طرح کی قدر افزائی کرتے تھے۔ اسلامی ثقافت کا تخلیقی عہد بغداد کے ساتھ وابستہ ہے۔ اسی عہد میں آگے چل کر عام کتب خانے جو مطالعے اور تعلیم کے مرکز تھے قائم کئے گئے۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور ابو نصر سابور بن اردشیر کا دار العلم تھا۔ (۵۷) جب مدارس کا دور شروع ہوا تو بغداد ہی اس میدان میں سب سے آگے تھا۔ جہاں النظامیہ (۵۸) اور المستنصر یہ (۵۹) جیسے مدرسے قائم ہوئے اور ان کا اثر تمام مدراس کے طریق درس اور طرز تعمیر پر پڑا۔

تیسری صدی ہجری / نویں صدی عیسویں اور چوتھی صدی ہجری / دسویں صدی عیسویں میں شفاخانوں کی طرف بالخصوص توجہ دی جاتی تھی۔ ان میں بیمارستان سیدۃ (۳۰۶ھ/ ۹۱۸ء) اور بیمارستان مقتدری (۳۰۶ھ/ ۹۱۸ء) اور بیمارستان عضدی (۳۷۲ھ/ ۹۸۲ء) بہت مشہور تھے۔ وزیروں اور دیگر افراد نے بھی شفاخانے تعمیر کئے تھے۔ اطباء کی وقتاً فوقتاً نگرانی کی جاتی تھی۔ (۶۰)

الامین کے زمانے تک بغداد کی زندگی میں استحکام و اثبات رہا۔ پہلے محاصرے کے زمانے میں عامۃ الناس میں شورش پسند عناصر کا ظہور ہوا۔ تیسری صدی ہجری / نویں صدی عیسویں کے آخری ربع سے سیلاب اور آتشزدگی نے بھی تباہی میں حصہ لینا شروع کر دیا۔ خصوصاً امیر الامراء کے زمانے (۳۲۴ھ/ ۹۳۵ء تا ۳۳۴ھ/ ۹۴۵ء) میں نہروں کی طرف سے بے پروائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ قحط اور طاعون جو ۳۲۰ھ/ ۹۳۲ء سے پہلے کبھی کبھار کی بات تھی اس کے بعد متواتر آنے لگے۔ (۶۱) اس طرح اہل بغداد کی زندگی اجیرن ہوگئی۔

آل بویہ (۶۲) کا زمانہ بغداد کے لیے خاصا سخت تھا۔ معز الدولہ (۳۳۵ھ/ ۹۴۶ء) نے پہلے

کچھ شہروں کی مرمت کرائی، جس سے معیشت نسبتاً بہتر ہوگئی۔ اس کے بعد غفلت اور بے پروائی کا زمانہ شروع ہوا بہت سی نہریں، جن سے مغربی بغداد میں آب رسانی ہوتی تھی، تباہ ہوگئیں۔ ۳۶۷ھ/۹۷۷ء تا ۳۷۲ھ/۹۸۲ء میں عضدالدولہ نے ان کو صاف کرایا اور پل اور قلابے دوبارہ تعمیر کرائے (۶۳) اس کے بعد ایسے کسی کام کی پھر کوئی خبر نہیں ملتی۔

بغداد کو عوام کی شورشوں سے، فرقوں کے باہمی اختلافات سے اور ''عیاروں'' سے بہت نقصان پہنچا۔ آل بویہ کے دور میں فرقہ وارانہ فسادات بڑھ گئے۔ جن کی وجہ سے جان و مال کا زیادہ نقصان ہوا۔ (۶۴) اس زمانے میں جو ۳۳۸ھ/۹۴۹ء سے شروع ہوتا ہے۔ سنی اور شیعہ کے جھگڑے روزمرہ کے واقعات بن گئے تھے۔

عیاروں نے نسبتاً زیادہ نقصان پہنچایا اور ابتری پھیلائی، چنانچہ وہ چوتھی صدی ہجری/دسویں صدی عیسوی کے آخری ربع سے لے کر اس دور کے اختتام تک خصوصیت سے ہنگامہ برپا کرتے رہے۔ (۶۵) البتہ ان کے کچھ اخلاقی اصول تھے، جیسے ناداروں اور عورتوں کا احترام اور مدد، باہم تعاون، صبر اور تحمل۔ (۶۶) دراصل ان کی تحریک ان کی زبوں حالی کی زندگی اور سیاسی ابتری سے پیدا ہوئی۔ 'عیاروں' کے ہاتھوں لوگوں کو اپنی جان اور مال کا ہر وقت خطرہ رہتا تھا۔ وہ منڈیوں اور سڑکوں پر چلنے کا محصول وصول کرتے یا راہ گیروں کو لوٹتے اور راتوں کو گھروں میں گھس کر لوٹ مار کرتے رہتے تھے۔ انہوں نے تلوار اور آگ کے ذریعے تباہی پھیلائی اور بہت سے محلے اور بازار، خاص طور پر باب الطاق اور سوق یحیٰی اور کرخ جلا دیئے، کیونکہ یہی دولت مندوں کے محلے تھے۔

'برجمی' عیاروں کا ایک مشہور سردار تھا، جس نے چار سال تک (۴۲۲ھ/۱۰۳۰ء تا ۴۲۵ھ/ ۱۰۳۳ء) بغداد پر عملاً حکمرانی کی اور ابتری پھیلا دی۔ (۶۷) حکومت بے بس تھی اور ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی تھی۔ (۶۸) اور انہیں محصول اور تاوان وصول کرنے کی چھٹی دے دی تھی کہ لوگ ادا کر کے ان کی مار دھاڑ سے بچیں (۶۹) بہت سے لوگ ان سے محفوظ رہنے کے لئے مکان اور محلے چھوڑ کر چلے گئے (۷۰) ان کی دہشت انگیزی سلجوقیوں کے آنے تک برابر قائم رہی۔

۴۴۷ھ/۱۰۵۵ء میں طغرل بیگ (۷۱) بغداد میں داخل ہوا۔ سلجوقیوں نے آل بویہ کے برعکس حکمت عملی اختیار کی اور سنیوں کی حوصلہ افزائی کی۔ ۴۵۰ھ/۱۰۵۸ء میں ابساسیری (۷۲) نے بغداد پر فاطمیوں کے نام سے قبضہ کر لیا۔ ۴۵۱ھ/۱۰۵۹ء میں سلجوقی افواج نے اسے شکست دی۔ اور مار ڈالا۔ (۷۳) ۴۴۸ھ/۱۰۵۶ء میں طغرل بیگ نے دارالامارۃ کا رقبہ وسیع کیا۔ بہت سی دکانوں اور مکانوں کو ڈھا کر دارالامارۃ کو نئے سرے سے تعمیر کیا اور اس کے گرد فصیل کھینچ دی۔ (۷۴) ۴۵۰ھ/ ۱۰۵۸ء میں آگ لگی اور یہ جل کر تباہ ہو گیا۔ بعد ازاں اسے نئے سرے سے تعمیر کیا گیا (۷۵) اور اس کا نام دارالمملکۃ پڑ گیا۔ ۴۸۴ھ/۱۰۹۱ء میں ملک شاہ (۷۶) نے مسجد مخرم کو، جو قصر کے قریب تھی، بہت کچھ بڑھا کر نئے سرے سے تعمیر کیا۔ اور اس وقت سے اس کا نام جامع السلطان ہو گیا۔ المقتدی (۴۶۷ھ/ ۱۰۷۴ء تا ۴۸۷ھ/۱۰۹۴ء) عمارتیں بنانے کی ترغیب دیتا تھا۔ اس لیے محلات کے اردگرد کے محلے، جیسے بصلیہ، قطیعہ، حلبہ، اجمہ وغیرہ وغیرہ بڑی رونق پر تھے۔ (۷۷) ان محلوں کے گرد فصیل نہ تھی، اس لیے ۱۰۷۰ء کے سیلاب سے ان کو بہت نقصان پہنچا۔ ۴۸۸ھ/۱۰۹۵ء میں المستظہر نے ''حریم'' نام کے محلوں

کے گرد دیوار تعمیر کر دی۔ اس کے بعد ۵۱۷ھ/۱۱۲۳ء میں المستنشر شد نے اسے دوبارہ تعمیر کیا۔ ۵۵۴ھ/ ۱۱۵۹ء کے سیلاب نے اس دیوار کو گھیر لیا اور اس میں ایک جگہ شگاف ڈال کر بہت سے محلوں کو تباہ کر دیا۔ اس شگاف کو بعد میں بند کر کے وہاں ایک پشتہ بنانا شروع کیا گیا، جو بعد میں سادی دیوار کے گرد مکمل کر دیا گیا۔ (۷۸) اس دیوار کو از سر نو تعمیر کرنے کے اقدامات الناصر اور المستنصر کے عہد میں بھی ہوئے۔ اس دیوار نے مشرقی بغداد کی حدود متعین کر دیں جو عہد عثمانی کے آخر تک قائم رہیں۔ (۷۹)

ابن جبیر (۸۰) نے بغداد کا سفر ۵۸۱ھ/۱۱۸۵ء میں کیا۔ وہ لکھتا ہے:

''ہم سنا کرتے تھے کہ بغداد کی ہوا نفس میں سرور اور قلب میں انبساط پیدا کرتی ہے جو مسافر یا غریب الوطن وہاں پہنچتا ہے اس کے دماغ میں سوائے جوش طرب کے اور کوئی خیال نہیں رہتا۔ اس کی آج ہمیں تصدیق ہوئی۔ جوں ہی ہم اس آبادی میں جو بغداد سے ایک منزل دور ہے داخل ہوئے اور یہاں کی سبک ہوا اور ٹھنڈے پانی سے سوزش تشنگی کو بجھایا تو باوجود زحمت مسافرت اپنی طبیعتوں میں ایسے سامان طرب مہیا پائے۔ جیسے کسی غربت زدہ کو سفر دور دراز سے اپنے وطن میں پہنچ کر حاصل ہو سکتے ہیں۔ جوش طرب نے دل کو ایسا گدگدایا کہ ایام جوانی کے جلسے اور احباب کی صحبتوں کا سماں یاد آ گیا جب ایک مسافر غریب الوطن کا یہ حال ہے تو یہاں کے باشندوں کا کیا حال ہوگا جو اپنے اہل و

عیال کی ملاقات کے مشتاق ہیں۔''

سقـــی اللہ بــاب الطــاق صوب غمــامة

ورد الـــی الا وطـــان کـــل غـــریـــب

(اللہ تعالیٰ باب الطاق کو ہمیشہ ابر کرم سے سیراب رکھے اور ہر مسافر کو

اپنے وطن میں پہنچائے)(۸۱)

اس نے شہر کے عام انحطاط کا مشاہدہ کیا وہ بغداد کے حالات کے ضمن میں لکھتا ہے:

''اس شہر کی آبادی بہت قدیم ہے۔ مگر کثرت حوادث نے تباہ کر رکھا ہے۔ اگر خلفائے عباسیہ کا دارالخلافت نہ ہوتا تو اب تک بجز نام کے نشان بھی باقی نہ رہتا۔ حوادث سے قبل یہاں کی رونق قابل دید تھی اور اس کا ثبوت منہدم عمارتیں زبان حال سے دے رہی ہیں اب اس کی ایسی حالت نہیں ہے کہ کسی مقام پر متعجبانہ نظر ڈالی جائے یا کوئی چیز انسان کی توجہ کو اپنی طرف مائل کرے۔ البتہ دریائے دجلہ جو شرقی اور غربی بغداد کے بیچ میں جاری ہے ہزاروں حسن پیدا کرتا ہے۔ دریا نہیں بلکہ چوکھٹے میں آئینہ لگا ہوا ہے یا کسی کے حسین گلے میں موتیوں کا ہار پڑا ہوا ہے۔ یہ دریا اس شہر کو ترو تازہ رکھتا ہے۔ شہر میں سے دریا صاف آئینہ کی طرح نظر آتا ہے۔ اس کی آب وہوا سے نشاط پیدا ہوتی ہے۔''(۸۲)

یہ شہر دجلہ کے دونوں طرف شرقی اور غربی حصہ میں آباد ہے۔ غربی حصہ اکثر خراب اور بے رونق ہے۔ ویرانی نے اس پر دست تصرف دراز کیا ہے۔ اس سے پہلے بہت آباد تھا۔ شرقی حصہ کسی قدر بارونق اور جدید العمارت ہے۔ اس حصہ (شرقی) میں سترہ محلے آباد ہیں۔ اور ہر محلّہ بجائے خود ایک شہر ہے۔

(۸۳) سب سے بڑا محلّہ قرافہ ہے۔ دوسرا محلّہ کرخ ہے۔ شہر کی طرح اس محلّہ کی چار دیواری ہے۔ اس کے بعد باب البصرہ محلّہ ہے۔ اس کی چار دیواری بھی پختہ ہے۔ اور اسی محلّہ میں منصور کی جامع مسجد ہے۔ مسجد نہایت نفیس اور عالیشان ہے۔ چوتھا محلّہ شارع ہے۔ یہ بھی ایک شہر کی طرح آباد ہے۔ یہ چاروں محلے بہت بڑے آباد اور معمور ہیں۔ باب البصرہ اور شارع کے درمیان سوق المارستان ایک چھوٹا سا محلّہ ہے۔ اسی محلّہ میں بغداد کا مشہور شفا خانہ ہے۔ شفا خانے کی بہت عالی شان عمارت دجلہ کے کنارے ہے۔ اس کے اندر بہت خوبصورت مکانات کثرت سے ہیں۔ تمام شاہانہ آرائش کا سامان موجود ہے۔ اس میں دجلہ سے پانی آتا ہے۔ ہر جمعرات اور پیر کو طبیب بیماروں کی حالت ملاحظہ کرنے آتے ہیں۔ اور ہر شخص کے مناسب حال دوا اور غذا تجویز کرتے ہیں خدام کھانا پکانے اور دوا بنانے پر مامور ہیں۔ اور طبیب کی ہدایت کے موافق ہر شخص کو دوا اور غذا پہنچاتے ہیں۔ ان محلوں میں سے ایک کا نام وسط ہے۔ اور یہ محلّہ دجلہ اور فرات کی ایک شاخ کے درمیان میں واقع ہے۔ فرات کی شاخ دجلہ میں گرتی ہے۔ اور اس کے ذریعہ سے فرات کے اطراف کا تجارتی مال یہاں آتا ہے۔ فرات کی دوسری شاخ باب البصرہ میں گذرتی ہوئی دجلہ میں ملی ہے۔ ایک محلّہ کا نام عتابیہ ہے اس میں عتابیہ کپڑا جو ریشم اور مختلف الالوان سوت سے بنا جاتا ہے تیار ہوتا ہے۔ سب سے آخر میں حربیہ محلّہ ہے۔ اس کے آگے سوائے بغداد کے دیہات کے اور کوئی آبادی نہیں ہے۔ (۸۴) شہر کے غربی حصے میں نخلستان اور باغات ہیں ہر قسم کا میوہ یہاں سے شرقی حصے میں جاتا ہے۔ آج کل شرقی حصہ کو بڑا اشرف ہے کہ اس میں دار الخلافت اور خلیفہ (۸۵) کا محل ہے۔ (۸۶)

یہ شرقی حصہ نہایت آباد۔ خوش قطع اور بارونق ہے۔ بازار نہایت وسیع ہیں۔ بے شمار باشندے ہیں۔

اس حصہ میں تین جامع مسجدیں ہیں اور تینوں میں جمعہ کی نماز ہوتی ہے۔ خلیفہ کی جامع مسجد محل خلافت کے قریب ہے۔ یہ مسجد بہت عالیشان ہے۔ اور اس میں طہارت وغیرہ کا سامان افراط سے مہیا ہے۔ پانی کے حوض وغیرہ بہت وسیع ہیں۔ بیرون شہر ایک مسجد جامع سلطانی مشہور ہے۔ (۸۷)

تمام شہر میں گیارہ جامع مسجدیں ہیں۔ باقی مسجدیں شمار اور حساب سے باہر ہیں۔ اسی طرح شہر کے حماموں کی تعداد نہیں ہے۔ شہر کے ایک بزرگ کا بیان ہے کہ شرقی و غربی دونوں حصوں میں دو ہزار کے قریب حمام ہیں۔ (۸۸)

شہر کے حصہ شرقیہ کے چار دروازے ہیں۔ پہلا دروازہ دجلہ کے اوپر کے کنارے پر ہے اس کا نام باب السلطان ہے۔ دوسرے کا باب الصفریہ۔ تیسرے کا باب الحلیہ اور چوتھے کا باب البصلیہ نام ہے۔ یہ چاروں دروازے شہر کی چار دیواری میں نصب ہیں۔ چار دیواری دجلہ کے شرقی کنارے پر اوپر کے حصہ سے شروع ہو کر نیچے کے حصہ پر ختم ہوتی ہے اور نصف دائرے کی سی صورت پیدا کرتی ہے۔ شہر کے اندر بازاروں کے متعلق اور بہت سے دروازے ہیں۔ غرض کہ یہ شہر اس قدر وسیع اور معمور ہے کہ اس کی تعریف احاطۂ تحریر سے باہر ہے۔ حالانکہ پہلی سی اب رونق نہیں ہے۔ بلکہ اس وقت تو اس کا حال حبیب کے اس قول کے موافق ہے:

لا انت انت ولا الدیار دیار۔

(نہ تم تم ہو اور نہ مکان مکان ہیں) (۸۹)

ابن بطوطہ (۹۰) جس نے ۷۲۷ھ/۱۳۲۷ء میں بغداد کا سفر کیا وہ لکھتا ہے:

بغداد۔ دارالسلام پایہ تخت اسلام قدر شریف اور فضل منیف کا حامل۔ سلف کا مسکن اور علماء کا مرکز ہے۔(۹۱)

بغداد کی شرقی جہت میں بہت سے نہایت اچھی ترتیب کے بازار ہیں ان میں سب سے بڑے بازار کا نام سوق الثلا ثاء ہے۔ اس میں صناعہ علیحدہ علیحدہ ہے۔ اس بازار کے وسط میں مدرسۃ النظامیہ ہے۔ یہ ایسا عجیب ہے کہ اپنی خوبی کی وجہ سے ضرب المثل بن گیا ہے۔ (۹۲)

سلجوقی عہد میں عیاروں نے خاصی سرگرمیاں دکھائیں۔ انہوں نے دکانیں لوٹیں، گھر تاراج کیے اور بدامنی پھیلائی۔ (۹۳) ادھر عامہ (یعنی عوامی بلوائیوں) کے فسادات اور ان کی فرقہ وارانہ جنگ و جدال (حنبلی و شافعی، سنی اور شیعہ کے درمیان) جاری رہے، جن کی وجہ سے بہت خونریزیاں ہوئیں اور تباہیاں پھیلیں۔ ۵۰۲ھ/۱۱۰۸ء میں ان کے درمیان عارضی مفاہمت ہوگئی۔ (۹۴) یہ مصالحت تھوڑے ہی دن رہی۔ جھگڑے اور لڑائیاں چلتی رہیں۔ عباسی خلیفہ مستعصم باللہ کے زمانے میں انہوں نے خوفناک شکل اختیار کرلی۔ (۹۵) ۱۲۵۵ء کے قریب تک حالات بہت زیادہ دگرگوں ہو چکے تھے۔ حکومت اتنی کمزور ہو چکی تھی کہ نظم و ضبط قائم رکھنا اس کے بس کی بات نہ تھی۔ سیلاب بار بار آنے لگے جو حکومت کی بدانتظامی اور آب پاشی کے ذرائع کی طرف سے غفلت پر دلالت کرتے تھے (۹۶) اسی طرح گویا حوادث طبعیہ اور انسانی دونوں نے بغداد کی رونق کو مٹانے کے لئے ایکا کرلیا تھا۔

سقوط بغداد

۴رصفر ۶۵۶ھ/۱۰ فروری ۱۲۵۸ء بغداد پر ہلاکو خان کی سرکردگی میں تاتاریوں نے حملہ کیا (۹۷)

اور دنیائے اسلام کے دارالخلافت اور اپنے عہد کے سب سے بڑے علمی مرکز اور متمدن شہر اور مسلمانوں کی چھ سوسالہ سطوت کو پاؤں تلے روند کر رکھ دیا۔ عباسی خلیفہ المستعصم نے غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈال دیئے۔ بغداد کے باشندے ایک ہفتے سے زیادہ تک بے دریغ قتل کئے جاتے رہے۔ تاتاری شہر پر جھپٹ پڑے اور انہوں نے مردوں، عورتوں، بچوں، بوڑھوں، اڈھیر عمر لوگوں اور جوانوں میں سے جن پر بھی قابو پایا، ان سب کو قتل کر دیا۔ چالیس روز تک قتل عام ہوتا رہا۔ بہت سے لوگ کنوؤں اور کھوروں کے جھنڈوں اور گڑھوں میں داخل ہو گئے اور اس طرح کئی روز تک باہر نکلے بغیر چھپے رہے۔ (۹۸)

دیہات کے جو لوگ محاصرے سے پہلے بغداد میں ایک بڑی تعداد میں آکر اکٹھے ہو گئے تھے، ان کا بھی یہی المناک حشر ہوا۔ مقتولوں کا اندازہ بعض آٹھ لاکھ اور بعض ایک کروڑ آٹھ لاکھ تک بیان کرتے ہیں۔ (۹۹)

بہت سے محلے محاصرے، لوٹ مار یا آگ سے تباہ ہوئے۔ اور بغداد تمام شہروں سے قابل دید شہر ہونے کے بعد ویران ہو گیا اور اس میں سے صرف تھوڑے لوگ باقی رہ گئے اور وہ بھی خوف، بھوک، ذلت، اور قلت کی حالت میں تھے۔ (۱۰۰) بغداد کی تباہی اور مسلمانوں کے قتل عام کی تفصیل بہت طویل اور دردناک ہے۔ بغداد عالم اسلامی کا سب سے بڑا شہر، علوم وفنون کا مرکز، ہزار ہا علماء وصلحاء کا مسکن اور دارالخلافت ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کی آبرو تھا۔ اس کی بربادی نے تمام حساس مسلمانوں کو تڑپا دیا۔ شیخ سعدی نے جو نظامیہ بغداد کے طالب علم رہ چکے تھے اور اس کی رونقیں دیکھے ہوئے تھے، ایک دل دوز مرثیہ کہا، جس میں اس وقت کے مسلمانوں کے زخمی دلوں کی ترجمانی ہے۔ آخر میں اس کے چند اشعار نقل کیے

جاتے ہیں:

آسمان راحق بود گر خوں ببارد بر زمیں

بزوالِ ملک مستعصم امیر المومنین

اے محمد ﷺ گر قیامت می بر آری سر ز خاک

سر بر آوردین قیامت درمیان خلق بیں

نازنینانِ حرم راخون خلق نازنین

زاستان بگذشت ومارا خون دل آراستیں

زینہار ازدور گیتی و انقلاب روزگار

درخیال کس نگشتی کانچناں گردچنیں

دیدہ بردارائے کہ دیدی شوکت بیت الحرام

قیصراں روم سربرخاک و خاقاں برزمین

خون فرزندان عم مصطفیٰ ﷺ شد ریختہ

ہم برآں خاکے کہ سلطاناں نہادندے جبیں

دجلّہ خونابست زیں پس گرنہد سربرنشست

خاک نخلستان بطحا را کند باخون عجیں

روے دیار درہم آمد زیں حدیث ہولناک

می توان دانست بررویش زبرج افتادہ چیں

نوحہ لائق نیست برخاک شہیداں زانکہ ہست

کمتریں دولت مرایشاں رابہشت برترین

لیکن ازروے مسلمانی و راہِ رحمت

میہان رادل بسوزد در فراق نازنین (۱۰۱)

حواشی وحوالہ جات (باب دوم: فصل اول)

۱۔ حضرت عمرؓ بن خطاب کے دورِ خلافت میں عراق فتح ہوا۔ اس کے بعد یہاں دو اہم شہر بسائے گئے، پہلا بصرہ تھا، دوسرا شہر کوفہ تھا جس کی بنیاد حضرت عمرؓ کے حکم پر حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے ۱۷ھ/ ۶۳۸ء میں رکھی تھی۔ یہ شہر دریائے فرات کے مغربی کنارے پر آباد کیا گیا تھا تاکہ دارالخلافہ مدینہ منورہ تک نقل وحمل میں طبعی رکاوٹیں اثر انداز نہ ہو سکیں۔ اس شہر کو بسانے کا خاص مقصد یہ تھا کہ عربوں کو ایک مضبوط اور مستحکم چھاؤنی (جند) حاصل ہو سکے اور نئے مفتوحہ علاقوں کے لوگوں کو بآسانی قابو میں رکھا جا سکے۔ (''کوفہ'' کے بارے میں مزید تفصیلات کے لیے دیکھیے: نگار سجاد ظہیر، ''عرب اور موالی''، مطبوعہ قرطاس، کراچی، اشاعت اول، ۲۰۰۶ء، ص ۱۴۵ تا ۱۴۷)

۲۔ ساسانی بادشاہوں کے زمانے میں یہ جگہ اسباب کے گودام کے طور پر استعمال ہوتی تھی اسی لیے اس جگہ کا نام ''انبار'' پڑ گیا تھا۔

۳۔ الجومرد، ڈاکٹر عبدالجبار، ''ہارون الرشید''، مترجم: سید رئیس احمد جعفری، اردو سائنس بورڈ، لاہور، ۲۰۰۴ء، ص ۶۶

۴۔ ایضاً

۵۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانشگاہ پنجاب، لاہور، طبع اول، ۱۹۶۹ء، ج ۴، ص ۶۳۸

۶۔ سامرا: سُرَّ مَن رائی یعنی جس نے دیکھا خوش ہوا۔

۷۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۴، ص ۶۳۸

۸۔ ایضاً

۹۔ ایضاً، ص ۶۳۹

۱۰۔ ایضاً

۱۱۔ ایضاً

۱۲۔ ابو جعفر بن جریر طبری، تاریخ طبری، اردو ترجمہ: سید محمد ابراہیم ندوی، دارالاشاعت کراچی، ۲۰۰۳ء،

ص ۶۳۵

۱۳۔ P. K. Hitti, History of the Arabs, London,1970, p.292

۱۴۔ قرآن کریم میں جنت کے لیے دارالسلام کے الفاظ آئے ہیں۔ دیکھیے: الانعام: ۱۲۷، یونس: ۲۵

۱۵۔ یعقوبی، کتاب البلدان، مطبعۃ السعادۃ، قاہرہ، ۱۳۴۴ھ، ص ۵۴

۱۶۔ الطبری۔ ج ۵، ص ۶۳۷۔ ۶۳۶

۱۷۔ P. K. Hitti, History of the Arabs, p.301

۱۸۔ یعقوبی، کتاب البلدان،، ص ۲۳۸

۱۹۔ ایضاً، ص ۲۴۱

۲۰۔ الطبری، ج ۵، ص ۶۶۹

۲۱۔ ایضاً

۲۲۔ ایضاً ص ۶۹۰

۲۳۔ایضاً

۲۴۔ایضاً

۲۵۔الطبری، ج۳،ص۳۷۹

۲۶۔اس میں وہ لوگ قید رکھے جاتے تھے تو بارگاہ خلافت کے معتوب ہوتے تھے، لیکن معتوب ہونے سے پہلے ان کا شمار خلیفہ کے ندیموں اور حکومت کے کبار رجال میں ہوتا تھا۔

۲۷۔الیقوبی، کتاب البلدان، مطبعۃ السعادۃ، قاھرہ، ۱۳۴۴ھ، ص ۳۶

۲۸۔ابو بکر احمد بن علی خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، مکتبہ الخانجی بالقاہرہ، ۱۹۳۱ء، ج اول، ص۸۴۔۸۹

۲۹۔مثلاً میوے کا بازار، کپڑے کا بازار، کتب فروشوں کا بازار (جس میں سو سے زیادہ دکانیں تھیں) صرافہ اور کرخ میں دوا فروشوں (عطاریں) کی منڈی، غیر ملکی سوداگروں کے بازار باب الشام میں تھے۔ شہر کے مشرقی حصے میں بھی مختلف قسم کے بازار تھے۔ ان میں پھولوں کا بازار (سوق الطیب)، کھانے کا بازار، سناروں کا بازار، بکر منڈی، کتب فروشوں کا بازار اور چین سے درآمد شدہ اشیاء کا بازار شامل تھے۔ (الخطیب، ج۱،ص۲۲)

۳۰۔کتاب البلدان۔ص۲۸۲

۳۱۔الخطیب، ج۱، ذکر بغداد

۳۲۔ابوالحسن احمد بن یحییٰ بن جابر البلاذری، فتوح البلدان، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۰ھ/۲۰۰۰ء، ص ۱۷۸

یعقوبی
۳۳۔ الیقوبی: کتاب البلدان، ص ۲۵۱۔۲۵۳

۳۴۔ الخطیب، ج اول، ذکر بغداد

P. K. Hitti, History of the Arabs, P 413۔۳۵

Nicholson, A Literary History of the Arabs, Cambridge University ۔۳۶

Press, 1962. p.261

۳۷۔ مروج والذہب ومعادن الجواہر (حصہ سوم)، ابوالحسین بن حسین بن علی المسعودی، اردو ترجمہ: اختر فتح

پوری، نفیس اکیڈمی، کراچی، ۱۹۸۵ء، ص ۴۸۱

۳۸۔ طاہر بن حسین، المامون کا نامور سپہ سالار تھا، جس نے رے کے قریب پہلے ہی معرکے میں علی بن عیسیٰ

کو شکست دے کر قتل کر دیا تھا۔

۳۹۔ الطبری، ج ۴، ص ۲۰۱

۴۰۔ المسعودی، حصہ سوم، ص ۴۸۰

۴۱۔ الاغانی، ج ۸، ص ۱۱۹

۴۲۔ المسعودی، ج ۷، ص ۱۴۲

یعقوبی
۴۳۔ الیقوبی ج ۲، ص ۲۰۸

۴۴۔ قطیعہ: معافی کی زمین، وہ زمین جو حکومت کسی کو عطا کرے اور اس پر خراج اور غلہ کی قسم سے کچھ نہ لے،

وہ زمین جو معافی کی زمینوں میں سے ہو اور اسکی حد بندی کر دی جائے۔

۴۵۔الطبری، ج ٦، ص ۲۰۲

۴٦۔ایضاً

۴۷۔المخرم کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہاں مخرم بن شریح بن حزن المارقی، حضرت عمر بن خطابؓ کے دور میں اترا تھا۔(فتوح البلدان ص ۱۷۹)

۴۸۔المامون نے اپنا محل الحسن بن سہیل کو عطا کیا تھا جو آگے چل کر قصر الحسنی کے نام سے مشہور ہوا۔اس نے یہ محل بروئے وصیت اپنی دختر بودان کو دے دیا تھا۔

۴۹۔ الخطیب، ج ۱، ص ۹۹

۵۰۔ایضاً، ص ۵۲

۵۱۔ایضاً

۵۲۔ایضاً

۵۳۔ایضاً

۵۴۔تفصیلات کے لئے دیکھئے۔الخطیب، سال ۹۱۷۔۹۱۸ء کے واقعات

۵۵۔الاغانی، ج ۲، ص ۷۳

۵٦۔السبکی، طبقات الشافعیۃ الکبریٰ، ج ۲، ص ۱٦۸

۵۷۔اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۴، ص ٦۵۱۔٦۵۲

۵۸۔النظامیہ: نظام الملک طوسی نے ۴۵۷ھ/۱۰٦۷ء میں اس درسگاہ کی تعمیر کا آغاز کیا۔دو سال بعد جب

اس کی عمارت مکمل ہوئی تو بہت تزک واحتشام کے ساتھ اس کا افتتاح ہوا۔ یہ بغداد کی مرکزی درسگاہ تھی اسلامی درسگاہوں میں اسے شہرتِ دوام حاصل ہوئی۔

۵۹۔المستنصر یہ: عباسی خلیفہ مستنصر باللہ نے ۶۲۵ھ میں قصرِ خلافت کے متصل دریائے دجلہ کے مشرقی کنارے پر ایک عالیشان عمارت کی بنیاد رکھی۔ چھ سال کی مدت میں یہ عمارت تعمیر ہوئی اور ۶۳۱ھ میں اس کا افتتاح ہوا۔

۶۰۔اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۴، ص ۶۵۲

۶۱۔الاثیر، الکامل فی التاریخ، (جلد خامس)، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۶ء ص ۲۲۲۔ نیز ص ۲۳۲، ۲۴۰، ۲۴۷

۶۲۔ یہ لوگ تین بھائی تھے (۱) عماد الدولہ ابوالحسن علی (۲) رکن الدولہ ابوعلی الحسن (۳) معز الدولہ ابو الحسین احمد ان کے والد کا نام ابوشجاع بویہ بن قبا خسرو۔ ان لوگوں کو دیالمہ بھی کہا جاتا ہے کیونکہ انہوں نے دیلم کی مجاورت کی تھی۔ (البدایہ والنہایہ۔ ج ۱۱، ص ۴۱۸)

۶۳۔ابن الاثیر، ج ۵، ص ۴۳۷

۶۴۔آل بویہ نے ۱۰ محرم کو عام ماتم کا دن قرار دیا اور حکم دیا کہ اس روز بازار بند رہیں۔ لوگوں کو جلوس نکالنے کی ترغیب دی، جس میں عورتیں منہ پیٹتی جاتی تھیں۔ علاوہ ازیں ۱۸ رذی الحجہ (یوم غدیر) کو عید کا دن بنایا گیا۔ اس کے مقابلے میں سنیوں نے دو دن الگ مقرر کئے جو شیعوں کے مندرجہ بالا تہواروں کے علی الترتیب آٹھ آٹھ دن بعد منائے جاتے تھے۔ (ابن الاثیر، ۹: ۱۱۰)

۶۵۔ بغداد کے دو محاصروں کے زمانے میں ''عیاروں'' نے جو کام کیے اس کے لئے دیکھئے۔ الطبری، ۳:
۸۷۷

۶۶۔ عبدالرحمٰن ابن جوزی، تلبیس ابلیس، اردو ترجمہ: ابو محمد عبدالحق، نور محمد اصح المطابع، کراچی، ت ن، ص
۴۵۲۔۴۵۳

۶۷۔ عبدالرحمٰن ابن جوزی، المنتظم فی تاریخ الملوك و الامم، (الجزء الثامن)، مطبعۃ دائرۃ
المعارف العثمانیہ، حیدرآباد دکن المطبعۃ الاولی، ۱۳۵۹ھ۔ ص ۵۴

۶۸۔ ایضاً، ص ۵۵

۶۹۔ ایضاً ص ۶۲

۷۰۔ ایضاً، ص ۶۲

۷۱۔ خاندان سلجوقیہ کا بانی رکن الدین ابو طالب طغرل بن میکائیل بن سلجوق مستقلاً ۴۳۰ھ میں حکمران ہوا۔
چوبیس سال سے زائد حکومت کی۔ ۴۵۵ھ میں انتقال ہوا۔ مرو میں سپرد خاک ہوا۔ (صدر الدین الحسینی،
اخبار الدولۃ السلجوقیہ۔ مطبوعہ پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ۱۹۳۳ء، ص ۲۲۔۲۳)

۷۲۔ ابساسیری، بہاؤالدولہ کے غلاموں میں سے تھا۔ سب سے پہلے یہ بسا شہر کے ایک آدمی کا غلام تھا۔ اسی
کی طرف منسوب ہوا اور اسے بساسیری کہا جانے لگا۔ اس نے ملک مظفر کا لقب پایا۔ پھر یہ خلیفہ قائم
بامراللہ کے ہاں بڑا ذمہ دار آدمی بن گیا۔ پھر اس نے تمرد اور سرکشی اختیار کی اور مسلمانوں اور خلیفہ کے
خلاف بغاوت کردی اور فاطمیوں کی طرف دعوت دینے لگا۔ ۴۵۱ھ میں سلطان طغرل بیگ کے ہاتھوں اس

کا قتل ہوا۔ (البدایہ والنہایہ، ج ۱۱، ص ۱۸۹۔۱۸۸)

۷۳۔ ابوالفداء، ج ۲، ص ۱۸۶

۷۴۔ المنتظم، ج ۷، ص ۱۶۹

۷۵۔ ایضاً، ص ۷۷۸

۷۶۔ عضد الدولہ ملک شاہ سلجوقی اپنے والد سلطان الپ ارسلان کی وفات کے بعد ۴۵۲ھ میں مرو میں تخت نشین ہوا۔ سات سال سے کچھ زائد عرصہ حکومت کی۔ ۴۱ سال کی عمر میں وفات پائی اور ری میں دفن ہوا۔

(البدایہ والنہایہ، ج ۱۲، ص ۲۲۹)

۷۷۔ ابن الاثیر، ج ۶، ص ۴۰۳

۷۸۔ المنتظم، ج ۷، ص ۳۴

۷۹۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۴، ص ۶۵۷

۸۰۔ ابن جبیر کا نام محمد اور کنیت ابوالحسین ہے۔ مقریزی کے قول کے مطابق ابن جبیر کی ولادت ۱۰ ربیع الاول ۵۴۰ھ میں بمقام ہانسیہ ہوئی۔ ابن جبیر الکنانی نے غرناطہ اپنے وطن مالوف سے ۵۷۸ھ میں سفر کا آغاز کیا اور تیس دن میں اسکندریہ پہنچا۔ پھر شام، عراق اور جزائر کا سفر کرتے ہوئے ۵۸۱ھ میں واپس اندلس آیا۔ اس سفر میں اس نے تاریخ و آثار قدیمہ، جغرافیہ اور ممالک کی سیاست و تمدن کا تفصیلی جائزہ لیا اپنے مشاہدات اور مطالعے کا حال لکھا۔ مصر، مسجد اقصیٰ اور دوسرے مقامات کے عجائب و غرائب کی داستان بیان کی اور حالات پر تنقید کی۔ دوبارہ پھر ۵۸۵ھ میں سفر کیا اس وقت سلطان صلاح الدین ایوبی کے ہاتھ

سے بیت المقدس فتح ہو چکا تھا۔ یہ سفر ۵۸۷ھ تک جاری رہا۔ تیسری مرتبہ سبتہ سے مکہ معظمہ اور بیت المقدس کا پھر سفر کیا۔ ابن بطوطہ نے بھی اپنے سفر نامہ میں ابن جبیر کے اس سفر نامہ سے کئی ممالک کا حال حوالے کے ساتھ نقل کیا ہے۔ ۶۱۴ھ/۱۲۱۸ء میں ابن جبیر کا انتقال ہوا۔

۸۱۔ ابن جبیر، رحلۃ ابن جبیر، اردو ترجمہ: رئیس احمد جعفری، نفیس اکیڈمی، کراچی، طبع اول، ۱۹۶۱ء، ص ۱۴۶

۸۲۔ ایضاً ص ۱۴۲

۸۳۔ ایضاً ص ۱۵۲

۸۴۔ ایضاً ص ۱۵۳

۸۵۔ یہ عباسی خلیفہ ابوالعباس احمد الناصر الدین بن المستقی کا عہد تھا۔

۸۶۔ رحلۃ ابن جبیر، ص ۱۵۴

۸۷۔ ایضاً، ص ۱۵۵

۸۸۔ ایضاً، ص ۱۵۶

۸۹۔ ایضاً، ص ۱۵۶۔۱۵۷

۹۰۔ ابن بطوطہ مغرب اقصیٰ کا رہنے والا تھا۔ ۱۷ رجب ۷۰۳ھ کو طنجہ میں پیدا ہوا۔ علوم اسلامیہ کی اس نے باقاعدہ تعلیم حاصل کی تھی۔ خاص طور پر فقہ، تفسیر اور حدیث کے علوم میں اسے اچھی دستگاہ حاصل تھی۔ وہ امام مالک کی فقہ پر عامل تھا۔ تصوف آشنا بھی تھا، اہل اللہ کی محبت بھی اٹھائی تھی، دوران سیاحت کئی مقامات پر متعدد مرتبہ منصب قضا پر فائز ہوا اور جرأت و بیباکی کے ساتھ احکام شرعیہ کا نفاذ کیا۔ یہ سفر نامہ، ابن بطوطہ

نے اپنی مادری زبان یعنی عربی میں تحریر کیا، دوران سفر وہ یادداشتیں مرتب کرتا رہا، ۲۵ سال کے بعد وطن پہنچا اور پھر گوشہ عافیت میں بیٹھ کر ان یادداشتوں کی مدد سے سفر نامہ پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ وہ بادشاہوں سے بھی ملا، اور وزیروں سے بھی، خلیفۃ المسلمین سے بھی، اور امرائے عرب و عجم سے بھی، اہل علم سے بھی اور اصحاب سیف سے بھی۔

۹۱۔ ابن بطوطہ، سفر نامہ ابن بطوطہ، اردو ترجمہ: رئیس احمد جعفری، نفیس اکیڈمی، کراچی، طبع اول، ۱۹۶۱ء، ص ۲۸۴

۹۲۔ ایضاً، ص ۲۸۷

۹۳۔ ابن اثیر، ج ۶، ص ۴۴۱

۹۴۔ ایضاً، ص ۴۹۷

۹۵۔ ایضاً، ص ۴۹۸

۹۶۔ ۶۴۱ھ/۱۲۴۳ء میں سیلاب، النظامیہ اور اس کے قرب و جوار تک پہنچ گیا۔ ۶۴۶ھ/۱۲۴۸ء میں سیلاب نے مشرقی بغداد کو گھیر لیا۔ ۶۵۱ھ/۱۲۵۳ء اور ۶۵۳ھ/۱۲۵۵ء میں بھی بغداد سیلاب کا نشانہ بنا۔ بہت سے مکانات بیٹھ گئے۔ بدترین سیلاب ۶۵۴ھ/۱۲۵۶ء کا تھا۔ اس میں شہر کے دونوں حصوں کو پانی نے گھیر لیا اور مشرقی بغداد کے بازاروں، دارالخلافہ اور نظامیہ تک میں داخل ہو گیا۔ (ابن فوطی، ص ۱۸۷۔ ۱۸۶، بحوالہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۴ ص ۶۶۱)

۹۷۔ ابن اثیر، ج ۶، ص ۲۲۴

۹۸۔ابن کثیر،البدایہ والنہایہ،ج ۴،نفیس اکیڈمی،کراچی،طبع اول،۱۹۸۹ء،ص ۳۵۲

۹۹۔ایضاً،ص ۳۵۳

۱۰۰۔ایضاً،ص ۳۵۲

۱۰۱۔سعدی شیرازی،کلیات سعدی،تہران،۱۹۸۷ء،ص ۵۶

باب دوم:

فصل دوم

موسس مدارس نظامیہ۔ نظام الملک طوسی

الپ ارسلان اور ملک شاہ کے عہد ہائے حکومت کی بلند عمارت جس شخص کے حسن تدبیر سے تعمیر ہوئی اور جس شخص کے قلمدان وزارت نے عمارت کو مختلف النوع نقش و نگار سے آراستہ کیا وہ ان کا وزیر بزرگ نظام الملک طوسی تھا۔طوس کے اس دہقان زادہ کی قسمت میں کشور علم وفن کی سربراہی اور اہل علم وفن کی سرپرستی لکھی ہوئی تھی۔ اس موقع پر ہم اس نابغہء عصر اور یکتائے روزگار شخص کے حالات زندگی پر روشنی ڈالنا ضروری سمجھتے ہیں۔

خواجہ ابوعلی حسن بن علی بن اسحاق بن عباس طوسی، جو تاریخ میں اپنے لقب نظام الملک سے زیادہ معروف ہیں۔ رادکان (۱) کے مقام پر جو طوس (۲) کا ایک نواحی علاقہ ہے جمعہ کے دن ۲۱ ذیقعدہ ۴۰۸ھ / ۱۰ اپریل ۱۰۱۷ء میں پیدا ہوئے۔ (۳) خاندان کے بزرگ درمیانے درجہ کے زمیندار طبقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ (۴) ان کا دادا اسحاق ناحیہ بیہق کے ایک گاؤں کے دھقان تھے اور باپ علی سلطان چغر بیگ داؤد سلجوقی (۵) کی طرف سے مال گزاری وصول کرنے پر مامور تھے۔ (۶) خواجہ حسن کا شجرہ نسب یہ ہے۔ (۷)

عباس

اسحاق

عبداللہ (فقیہ)	علی
عبدالرزاق شہاب الاسلام	حسن (نظام الملک)
عبدالدوام (وزیر سنجر سلجوقی)	

والدہ کا نام زمرد خاتون (۸) تھا۔ جن کو خواب میں بشارت ہوئی تھی کہ ان کو اپنے بیٹے کا نام رسول اللہ ﷺ کے نواسے کے نام پر حسن رکھنا چاہیے۔ (۹) صبح کو انہوں نے یہ خواب حسن کے باپ خواجہ علی سے بیان کیا تو انہوں نے شکریہ میں بہت کچھ خیرات کی اور خواجہ کا نام ''حسن'' رکھا۔ (۱۰) حسن ابھی شیر خوار ہی تھے کہ والدہ کا انتقال ہو گیا (۱۱) اور اسی دوران ان کے والد مالی مشکلات میں مبتلا ہو گئے (۱۲) تاہم ان مشکلات کو خواجہ حسن کی تعلیم میں حارج نہیں ہونے دیا گیا۔

اگرچہ خواجہ حسن کی تعلیم وتربیت اور شیوخ واساتذہ کے بارے میں کچھ زیادہ تفصیلات مورخین نے

قلمبند نہیں کی ہیں لیکن واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ خواجہ اسحٰق کے خاندان میں علمی مذاق کافی طور سے موجود

تھا۔ جیسا کہ ابھی بیان کیا گیا ہے کہ خواجہ حسن کے والد سلطان چغر بیگ داؤد سلجوقی کی طرف سے طوس میں

مال گذاری کے مہتمم (صاحب الخراج) تھے۔ لہذا یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ خواجہ حسن کے والد ایک تعلیم یافتہ

شخص تھے۔ دوسرے خواجہ علی کے بھائی عبداللہ مشہور فقیہ (۱۳) تھے۔ یعنی خواجہ اسحٰق کے دونوں بیٹے علی اور

عبداللہ صاحب فضل وکمال تھے۔ اس لیے خواجہ حسن کو پہلے قرآن شریف یاد کرایا گیا۔ (۱۴) گیارہ سال کی

عمر میں خواجہ حسن نے حفظ قرآن مکمل کیا۔ (۱۵) خواجہ حسن کے پہلے استاد مشہور فقیہ عبدالصمد قندوجی تھے، جن

کا شمار اپنے زمانے کے صلحاء اور علماء میں ہوتا تھا خواجہ حسن نے ابتدائی تعلیم انہی کی نگرانی میں حاصل

کی (۱۶)۔ اس کے بعد تحصیل علم کے لیے وطن کو خیرآباد کہا اور نیشا پور کا سفر اختیار کیا۔ چنانچہ کتاب الوصایا

میں خواجہ نے اس سفر کا حال یوں لکھا ہے: ''علمائے خراسان میں امام موفق بڑے مقدس اور نامور عالم تھے۔

تمام اطراف میں ان کی شہرت تھی۔ فیض کا یہ عالم تھا کہ جس نے امام صاحب سے قرآن اور حدیث کا سبق لیا

وہ دنیاوی مراتب میں ضرور بڑے مقام پر پہنچ جاتا تھا اس لیئے والد بزرگوار نے مجھ کو فقیہ عبدالصمد کی اتالیقی

میں طوس سے نیشا پور روانہ کر دیا اور میں امام محترم کے حلقہ درس میں شریک ہوا۔ امام صاحب میرے حال پر

خاص طور سے توجہ فرماتے تھے اور مجھے بھی شاگردانہ خلوص تھا۔ چنانچہ چار برس تک امام موفق کے درس میں

شریک رہا اسی زمانہ میں عمر خیام (۱۷) اور حسن صباح (۱۸) بھی امام صاحب کی شاگردی میں داخل ہوئے۔

یہ دونوں نہایت فہیم اور زکی الطبع تھے اور چونکہ میرے ہم عمر تھے اس لیے میں ان کا ہم درس ہوا اور میرا رابطہ

وضبط ان سے بہت بڑھ گیا۔ حلقہ درس سے اٹھ کر میں ان ہی رفیقوں کے ساتھ سبق کی تکرار کیا کرتا تھا''۔(۱۹)

ان ہی دنوں کا تذکرہ ہے کہ ایک دن حسن (صباح) نے عمر (خیام) اور مجھ سے کہا: ''یہ مشہور بات ہے کہ امام موفق کے شاگرد بڑے رتبے پر پہنچے ہیں اور اس میں شک نہیں ہے کہ اگر ہم سب جاہ و دولت کے مرتبے پر نہ پہنچے تو کوئی ایک ضرور کامیاب ہوگا۔ اس لیے ہم تینوں معاہدہ کریں۔ میں نے کہا شرائط کی تکمیل کیونکر ہوگی۔ حسن نے کہا ہم میں سے خدا جس کو جاہ وحشم کے درجے پر پہنچائے اس پر فرض ہوگا کہ وہ باقی دونوں دوستوں کو بھی اپنی دولت میں برابر کا شریک کرے اور کسی کو یہ حق نہ ہوگا کہ وہ اپنی ذات کو کسی معاملہ میں ترجیح دے''۔ چنانچہ سب نے اس معاہدے کو تسلیم کر لیا اور معاہدہ تحریر ہو کر مہر و دستخط سے مزین ہوا اور درس کا سلسلہ بدستور جاری رہا۔(۲۰)

نیشاپور سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد نظام الملک واپس آئے تو دیکھا کہ گردش ایام کے نتیجے میں باپ کا کام درہم برہم ہو گیا ہے۔(۲۱) خواجہ نے باپ سے اجازت لے کر بخارا (۲۲) کے لئے رخت سفر باندھا۔ راستے میں اپنے زمانے کے نہایت مشہور صوفی شیخ ابوسعید ابوالخیر (۲۳) کی مجلس میں حاضر ہوئے۔ شیخ ابوسعید نے خواجہ پر اپنی شفقت کا اظہار فرمایا اور مژدہ سنایا کہ تم عنقریب بڑے مرتبے کو پہنچو گے۔ جب تک تمہاری دولت سے مستحقین فیضیاب ہوتے رہیں گے اس وقت تک تمہاری دولت اور امارت قائم رہے گی اور جب نیکی کے دروازے بند کر دو گے اور حق دار تمہاری مہربانی سے محروم ہو جائیں گے تو وہی زمانہ تمہاری امارت کے زوال کا ہوگا۔ اس بزرگانہ نصیحت کے بعد شیخ ابوسعید نے خواجہ کو رخصت کر دیا۔(۲۴)

شیخ سے رخصت ہوکر خواجہ نے بخارا کا رخ کیا اور منزل مقصود پر پہنچ کر خواجہ نے اکتساب فنون اور تکمیل علوم میں سخت محنت کی اور فضیلت کی سند حاصل کرنے بخارا سے مرو کا سفر اختیار کیا۔ (۲۵) مرو سے ماوراء النہر ہوتے ہوئے براہ غزنین پہنچے۔ (۲۶) یہ عبدالرشید ابن محمود غزنوی (۲۷) کی حکومت کا دور تھا۔ دارالسلطنت ہونے کی وجہ سے تمام بڑے دفاتر اور شاہی محکمے اسی شہر میں تھے اور دربار کی قدردانی سے اہل کمال غزنین میں جمع تھے۔ اس لیے خواجہ نے ایک عرصہ تک غزنین میں قیام کیا اور اہل کارانِ عدالت سے دفتر کا کام سیکھا۔ یہاں خواجہ نے کسی دفتر میں ملازمت اختیار کر لی تھی اور یہی ذریعہ تھا جس کی وجہ سے خواجہ کو علمِ حساب اور انشاء میں کامل مہارت حاصل ہوئی۔ (۲۸) پھر خواجہ نے غزنین سے خراسان کا سفر کیا اور یہاں بھی دفتر میں ملازمت اختیار کی۔ لیکن چند روز بعد خراسان کو خیرباد کہہ کر بلخ کا رخ کیا۔ (۲۹) اس زمانہ میں چغر بیگ داؤد سلجوقی کی جانب سے ابوعلی احمد بن شاذان (۳۰) بلخ کا گورنر تھا۔ یہاں خواجہ کو عمید بلخ کے میر منشی (کاتب) کا عہدہ مل گیا۔ خواجہ کو دنیاوی اشغال میں جو جاہ و منصب ملا اس کا پہلا زینہ یہی تھا۔ (۳۱)

ابوعلی احمد بن شاذان کے پاس خواجہ کو ملکی و مالی امور کا کافی تجربہ ہوا لیکن خواجہ، ابوعلی سے ناراض اور دل برداشتہ (۳۲) ہوکر بلخ سے فرار ہوکر سلطان چغر بیگ داؤد سلجوقی کے دربار میں بمقام مرو پہنچے۔ چغر بیگ نے خواجہ کو شہزادہ الپ ارسلان (۳۳) کے سپرد کر دیا اور یہ تحریر بھیجی کہ ''حسن تمہارا کاتب، مدبر، مشیر اور محاسب ہے تم اس کو اپنے باپ کے برابر سمجھنا''۔ (۳۴)

عمید بلخ نے خواجہ کی واپسی کے لئے دربار میں عریضہ بھیجا تو چغر بیگ نے جواباً لکھ بھیجا: ''میں نے

خواجہ کو الپ ارسلان کے سپرد کر دیا ہے لہذا شہزادے سے براہ راست درخواست کرنا چاہیے۔" (۳۵)

خواجہ حسن الپ ارسلان کی خدمت میں رہنے لگا۔ ابن سبکی کی روایت ہے کہ آخر عمر میں ابو علی احمد بن شاذان نے الپ ارسلان سے یہ سفارش کی تھی کہ خواجہ حسن کو وزارت کا عہدہ دیا جائے۔ چنانچہ الپ ارسلان نے مستقل حکمران ہونے کے بعد ہی خواجہ کو وزیر مقرر کر دیا تھا۔ (۳۶)

چغری بیگ کی وفات (۴۵۱ھ/۱۰۵۹ء) اور طغرل بیگ کی وفات (۴۵۵ھ/۱۰۶۳ء) کے درمیانی عرصے میں خراسان کا نظم ونسق نظام الملک کے ہاتھ میں رہا۔ (۳۷) خراسان میں نظام الملک کو کافی شہرت حاصل ہوئی اور الپ ارسلان اس کا گرویدہ ہوگیا۔ اسی بناء پر طغرل بیگ کے وزیر ابو نصر الکندری (۳۸) جو عمید الملک کے نام سے معروف تھا یہ جان لیا کہ سلطان بننے پر الپ ارسلان اس کے بجائے نظام الملک ہی کو اپنا وزیر بنائے گا۔ (۳۹)

طغرل بیگ کے انتقال پر الپ ارسلان (۴۵۵ھ/۱۰۶۳ء۱۰۷۲ء) اس کا جانشین ہوا تو عمید الملک الکندری نے غیر دانشمندانہ طور پر ارسلان کے بھائی سلیمان کو رے کے مقام پر سلطان ہونے کا اعلان کر دیا۔ لیکن جلد ہی الکندری کو الپ ارسلان کے مقابلے میں اپنی کمزوری کا احساس ہوگیا اور اسے اپنے عہدے پر قائم رہنے کی یہی صورت نظر آئی کہ الپ ارسلان کے دعویٰ وراثت کو تسلیم کرے (۴۰)۔ جب الپ ارسلان پہلی بار رے میں داخل ہوا تو اس نے الکندری کو منصب وزارت پر بحال رکھا۔ (۴۱) لیکن الپ ارسلان اس کے معاندانہ عمل کو بھلا نہ سکا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ایک ماہ بعد اسے اچانک معزول کر کے امور سلطنت کا انتظام والتزام نظام الملک کے حوالے کر دیا (۴۲) اور تھوڑے ہی عرصے بعد الکندری کو مرو

بھیج دیا۔ ایک سال قید کے بعد الپ ارسلان نے دو جلادوں کو بھیج کر اسے قتل کرا دیا۔ (۴۳) اس معاملے میں نظام الملک کا کوئی ہاتھ نہ تھا کیونکہ اس نے نہ الکندری کو سلیمان کی حمایت پر اکسایا تھا نہ الپ ارسلان کو الکندری کے قتل پر۔ نظام الملک کی بے گناہی یقینی ہے۔ (۴۴) رضوان علی رضوی کے مطابق، جن مصنفین نے نظام الملک کو قتل کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے انہیں غالباً اس پیغام سے غلط فہمی ہوئی ہے جو الکندوری نے نظام الملک کو بھیجا تھا اور جس میں یہ کہا گیا تھا کہ نظام الملک نے اپنے پیشرو کو قتل کرا کے ایک قبیح روایت قائم کی ہے۔ ''تم نے برطرف شدہ وزیر کو قتل کروا کے دنیا میں ایک شر انگیز اور قبیح دستور کا آغاز کیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ کاش تم کو بھی یہی تجربہ ہو۔'' (۴۵) لیکن الکندری کا یہ پیغام کسی جائز شک پر مبنی نہ تھا (۴۶) سلطان چغری بیگ نے خواجہ حسن کی قابلیت سے متاثر ہو کر اس کو شہزادہ الپ ارسلان کے پاس اتالیق اور معتمد بنا کر بھیجا تھا۔ وہ جلد ہی الپ ارسلان کا مشیر اور وزیر بن گیا اور پھر اپنے آقا کی تخت نشینی پر اس عظیم سلطنت کا وزیر اعظم ہو گیا۔ (۴۷)

براؤن کے الفاظ میں وہ:

"He was a most capable administrator, an acute statesman, a devout and orthodox Sunni, harsh towards heretics, especially the Shiites and Ismailis, a liberal patron of letters, a sincere friend to men of virtue and learning, and unremitting in his efforts to secure public

order and prosperity and to promote religion

(۴۸)and educa..ion."

''لائق ترین منتظم، زیرک سیاستدان، پارسا اور راسخ العقیدہ سنی، بدعتیوں اور خاص طور پر شیعوں اور اسماعیلیوں کے ساتھ سخت رویہ کا حامل، علوم وفنون کا روشن خیال مربی، نیکوکار اور عالم لوگوں کا مخلص دوست اور فلاح عامہ کی خاطر انتھک کوشش کرنے والا اور دین کے فروغ اور تعلیم کی افزائش اور آبیاری میں سخت کوش تھا۔''

وزیراعظم بننے کے بعد نظام الملک نے جو اولین کام کیے ان میں سے ایک مدرسہ نظامیہ (بغداد) کا قیام تھا۔ (۴۹) اس مدرسہ کی بنیاد جسے نظام الملک کے نام پر نظامیہ کہا گیا۔ ۴۵۷ھ/۱۰۶۵ء میں رکھی گئی اور اس کی تکمیل ۴۵۹ھ/۱۰۶۷ء میں ہوئی۔ تعلیم کے میدان میں مدرسہ نظامیہ کا قیام بڑا کارنامہ تھا۔ اس درسگاہ نے علمی کارناموں کی تاریخ پر اپنا دوام ثابت کر دیا ہے۔ نظامیہ بغداد پر مفصل گفتگو ہم اپنے مقام پر کریں گے۔

خانگی زندگی:

خواجہ نظام الملک نے دو شادیاں کیں۔ لیکن تاریخ اس باب میں خاموش ہے کہ ان کی پہلی شادی کب ہوئی، البتہ اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ جب وہ مرو کے مقام پر چغری بیگ داؤد کے پاس پہنچے تو ان کے دو بیٹے، مظفر (فخر الملک) اور عبید اللہ (موید الملک) تھے۔ (۵۰) ان کی دوسری شادی ۴۵۷ھ/۱۰۶۵ء میں گرجیہ سے ہوئی، جو ایک عیسائی حکمران کی بیٹی تھی۔ (۵۱)

مولف تاریخ بیہق نے خواجہ کے نو بیٹوں اور چار بیٹیوں کا ذکر کیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ:

''این فرزندان جملہ درصدر وزارت نفاذ امر ونہی یافتند''۔ (۵۲)

جبکہ راوندی نے خواجہ کے بیٹوں کی تعداد بارہ لکھی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ:

''دوازدہ تن بودہ کہ خواجہ بہ ھرکدام شغلی وولایتی دادہ بود''۔ (۵۳)

خواجہ کے بارہ بیٹے تھے اور ہر ایک ولایت رکھتا تھا۔

اس دور اندیش شخص نے وسیع سلجوقی سلطنت کے اہم اور حساس معاملات ان کے سپرد کر رکھے تھے۔ خواجہ کے متعدد بیٹے اور پوتے شاہان سلاجقہ اور خلفائے عباسیہ کے وزیر ہوئے اور خاندان میں بانوے برس تک وزارت کا سلسلہ قائم رہا۔ (۵۴) بعض بیٹے صوبوں کے عامل اور بعض دوسرے ذمہ دار عہدوں پر فائز تھے۔ (۵۵) ان کی سیاسی واجتماعی اہمیت کے پیش نظر ہم ان میں سے بعض کا مختصر احوال ذکر کرتے ہیں۔

ا۔ فخر الملک ابوالفتح مظفر بن نظام الملک

فخر الملک ابوالفتح مظفر، نظام الملک کا سب سے بڑا بیٹا تھا۔ ۴۸۵ھ/۱۰۹۲ء میں سلطان ملک شاہ کی وفات پر اگرچہ اس کے بیٹے برکیاروق کی بادشاہت کا اعلان کر دیا گیا تھا۔ مگر اسے تاج وتخت کے لیے اپنے باغی چچاؤں کا مقابلہ کرنا پڑا۔ فخر الملک ان دنوں خراسان میں تھا۔ (۵۶) جب اس نے اپنی خدمات پیش کرنے کے لیے برکیاروق کے پاس پہنچنے کی کوشش کی تو ایک اور مدعی تخت وتاج، یعنی برکیاروق کے چھوٹے بھائی محمود بن ملک شاہ کے حامیوں نے حملہ کیا۔ فخر الملک کو ہمدان کی طرف بھاگنا پڑا جس پر اس اثناء میں برکیاروق کے چچا تتش کا قبضہ ہو چکا تھا۔ قریب تھا کہ تتش اس کے قتل کا حکم صادر کر دے، لیکن باغی سیان کی

سفارش پر اس کی جان نہ صرف بخش دی گئی، بلکہ تتش نے اسے اپنا وزیر بھی بنالیا۔(۵۷) کچھ عرصے بعد فخر الملک قید خانے میں ڈال دیا گیا اور جب ۴۸۸ھ/۱۰۹۵ء میں برکیاروق کو فتح ہوئی اور تتش مارا گیا تو اسے رہائی نصیب ہوئی۔(۵۸) اسی سال برکیاروق نے فخر الملک کے بھائی موید الملک کو برطرف کر کے فخر الملک کو اپنا وزیر بنالیا۔۴۹۰ھ میں برکیاروق نے اسے معزول کر دیا تو وہ اس کے بھائی سنجر کے ہاں چلا گیا، جس کا قیام خراسان کے والی کی حیثیت سے نیشاپور میں تھا۔ دس سال تک سنجر کے ہاں وزارت کی ذمہ داری بخوبی انجام دی۔محرم ۵۰۰ھ/۱۱۰۶ء میں ۶۶ برس کی عمر میں اسے ایک فدائی نے قتل کر دیا۔(۵۹)

۲۔موید الملک ابو بکر عبید اللہ بن نظام الملک:

موید الملک نظام الملک کا دوسرا بیٹا تھا۔ نظام الملک کے بعد موید الملک کا شمار آل سلجوق کے بڑے وزراء میں ہوتا ہے۔نظم ونثر اور بلاغت میں یگانہ تھا۔ نظام الملک کی زندگی میں ہی اس کے نمائندے کے طور پر بغداد گیا۔آخر میں دیوانِ طغرا کی خدمت سپرد ہوئی۔(۶۰) اپنے بھائی عز الملک کے معزول ہونے کے بعد برکیاروق کی وزارت حاصل کی۔(۶۱) ۴۸۸ھ/۱۰۹۵ء میں برکیاروق نے اسے معزول کر کے اسکے بھائی فخر الملک کو وزارت عطا کر دی۔(۶۲)

۳۔جمال الملک، منصور بن نظام الملک

جمال الملک کو بلخ اور اس کے نواح کی حکومت ملی۔رجب ۴۸۵ھ میں اسے ملک شاہ کے اشارہ پر نیشاپور میں قتل کر دیا گیا۔(۶۳) جمال الملک کا قتل ملک شاہ سے نظام الملک کی آزردگی کا سبب بنا۔(۶۴)

۴۔عزالملک، ابوعبداللہ حسین بن نظام الملک

عزالملک، فخرالملک اور موید الملک سے چھوٹا تھا۔ خواجہ کی حیات میں دولت خوارزم کے تمام امور اس کے سپرد تھے۔ خواجہ کے قتل اور ملک شاہ کی وفات سے کچھ عرصہ قبل اصفہان آیا۔ برکیاروق اور ترکان خاتون کی کشمکش کے سبب غلامان نظامیہ اس کے ہمراہ تھے۔ ۴۸۶ھ میں برکیاروق نے اسے وزارت تفویض کی لیکن اہلیت وصلاحیت نہ ہونے کی وجہ سے اسے تھوڑے ہی عرصے بعد معزول کر دیا۔(۶۵) یاتتش بن الپ ارسلان کے ساتھ برکیاروق کی جنگ میں برکیاروق کے ساتھ موصل کا سفر کیا جہاں اس کا انتقال ہوا۔ اس کا جنازہ بغداد لایا گیا اور مدرسہ نظامیہ میں سپرد خاک کیا گیا۔(۶۶)

۵۔عمادالملک، ابوالقاسم بن نظام الملک

برکیاروق کے چچا کا وزیر رہا ارسلان ارغون کے ہاتھوں شکست کھائی، گرفتا ہوا اور ۴۹۰ھ میں قتل کیا گیا۔(۶۷)

۶۔شمس الملک، عثمان بن نظام الملک

اپنے والد کے آخری دور میں مرو پر حکومت کی اور ایک عرصہ تک سلطان سنجر کا وزیر رہا۔ ۵۱۷ھ میں قتل ہوا۔(۶۸)

۷۔ضیاءالملک، قوام الدین ابونصر احمد بن نظام الملک:

معروف بہ نظام الملک ثانی، حالات سے دل گرفتہ ہو کر ہمدان میں گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی۔ یہاں تک ۵۰۰ھ میں سلطان محمد سلجوقی نے سعد الملک ابوالمحاسن کو معزول کر کے ابونصر کو وزارت پہ فائز کیا اور

قوام الدین، نظام الملک اور صدر السلام کے القاب سے نوازا۔ (۶۹)

محرم ۵۰۳ھ/۱۱۰۹ء میں ضیاء الملک بغداد میں اسماعیلیوں کے ہاتھوں زخمی ہوا، لیکن کچھ عرصے بعد صحتیاب ہوگیا۔ (۷۰) ۵۰۴ھ میں اسے وزارت سے معزول کر دیا گیا۔ (۷۱) ابن اثیر نے ۵۱۶ھ کے واقعات کے ذیل میں لکھا ہے کہ چونکہ سلطان محمود سلجوقی خلیفہ مسترشد عباسی (۵۱۲ھ/۱۱۱۸ء۔۵۲۹ھ/۱۱۳۴ء) کے وزیر جلال الدین بن صدقہ (۷۲) کی معزول سے آگاہ تھا اس لیے خلیفہ سے درخواست کی کہ ابونصر احمد بن نظام الملک کو وزارت تفویض کی جائے۔ خلیفہ نے درخواست قبول کی اور اسی سال شعبان میں وزارت تفویض کر دی۔ (۷۳) یہاں تک کہ ۵۱۷ھ میں سلطان محمود نے احمد بن نظام الملک کے بھائی شمس الملک عثمان بن نظام الملک کو قتل کر دیا۔ (۷۴) اور خلیفہ نے اسے وزارت سے معزول کر دیا۔ ابونصر احمد بن نظام الملک مدرسہ نظامیہ بغداد میں اقامت گزیں ہوگیا۔ ۵۴۴ھ میں ابونصر احمد بن نظام الملک کا انتقال ہوا۔ (۷۵)

۸۔ بہاء الملک ابوالفتح عبدالرحیم بن نظام الملک

ابوالفتح عبدالرحیم نے اپنے بھائی عز الملک کی دور وزارت میں دیوان طغرا میں خدمات انجام دیں۔ ۴۸۷ھ میں عباسی خلیفہ مقتدی کے انتقال پر مستظہر عباسی کی مراسم بیعت میں شریک ہوا۔ (۷۶)

۹۔ امیر منصور بن نظام الملک

مولف تاریخ بیہق، منصور بن نظام الملک کو خواجہ کا نواں اور آخری بیٹا شمار کرتا ہے۔ اس نے ری میں اقامت اختیار کی۔ (۷۷)

۱۰۔ابوالبرکات عماد الدین (۷۸)

۱۱۔علی بن نظام الملک: (۷۹)

بیٹیاں:

خواجہ نظام الملک کی چار بیٹیاں تھیں۔ جن کے بارے میں مولف تاریخ بیہق نے لکھا ہے کہ: ایک بیٹی امیر محمد فرانی کے نکاح میں تھی، ایک سید اجل رے کے نکاح میں، ایک امیر ابوالحسن کے نکاح میں اور ایک پسر عزیز جوین کے نکاح میں۔ (۸۰)

دامادانِ خواجہ:

۱۔عمید الدولہ بن فخر الدولہ بن جہیر:

خلفائے عباسی کا وزیر تھا۔ خواجہ نظام الملک ہمیشہ عظیم اوصاف سے اسکی صفت بیان کرتا تھا اور اسے کفایت کرنے والے تیز فہم کی نظر سے دیکھتا تھا اور اہم امور میں اس کی رائے لیتا تھا۔ (۸۱) خواجہ نظام الملک نے ۴۶۲ھ میں اپنی بیٹی زبیدہ کی اس سے شادی کی۔ وزارت سے معزول ہو گیا تھا، دامادی کے باعث دوبارہ وزارت ملی (۸۲)۔ ۴۹۳ھ میں اسکا انتقال ہوا۔ (۸۳)

۲۔ثقۃ الاسلام ابومسلم سروشیاری:

ابومسلم سروشیاری رے کا رئیس تھا۔ ۴۸۵ھ میں ابومسلم نے برکیارق کو پناہ دی اور خود اپنے ہاتھ سے برکیارق کے سر پر تاج رکھا۔ ۴۹۴ھ میں ابومسلم ایک فدائی کے ہاتھوں قتل ہوا۔ (۸۴)

۳۔سید الروسا ابوالمحاسن:

ابوالمحاسن ملک شاہ کا ندیم خاص، راز دار، اور تمام امراء سے زیادہ مقرب تھا۔ خواجہ نظام الملک سے حسد کرتا تھا۔ خواجہ نے ابوالمحاسن کی کدورت دور کرنے کے لیے اپنی ایک بیٹی کی شادی اس سے کر دی تھی۔ لیکن ابوالمحاسن برابر نظام الملک کو نقصان پہنچانے اور ملک شاہ کی نظروں سے گرانے کی کوشش کرتا رہا۔(۸۵)

۴۔ابوالھیجاء مقاتل بن عطیہ البکری الحجازی:

لقب شبل الدولۃ، یہ امرائے عرب کی اولاد سے تھا۔ بھائیوں سے اختلاف ہونے پر انہیں چھوڑ کر بغداد پہنچا پھر خراسان چلا گیا وہاں سے غزنی پہنچا اور پھر خراسان واپس آ گیا۔ خواجہ نظام الملک کے خواص میں شامل ہوا اور اس کا داماد بن گیا۔(۸۶) ۵۰۵ھ/۱۲۱۱ء میں مرو میں اس کا انتقال ہوا۔(۸۷)

اوصاف وکمالات:

بحیثیت فقیہہ:

نظام الملک کو مدبر وزیر ہونے کی حیثیت سے ناموری حاصل ہوئی لیکن اسے دین میں فقاہت بھی حاصل تھی۔ طبقہ علماء میں وہ وزارت سے زیادہ فقاہت کے لیے مشہور تھا۔ اس کے عدالتی فیصلوں میں فقہ کی روشنی پائی جاتی تھی۔(۸۸)

ابن اثیر کے بیان کے مطابق:

''کان مجلسہ عامراً بالقراء، والفقھاء، وائمۃ

المسلمين، واهل الخير والصلاح (۸۹)

یعنی خواجہ کی مجلس قراء، فقہاء، آئمۃ المسلمین اور اہل خیر وصلاح سے سے بھری رہتی تھی۔

بحثیت محدث:

فقہ کی طرح حدیث میں بھی اگرچہ نظام الملک محدث مشہور نہیں ہوا۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ حدیث میں خواجہ محدثانہ درجہ رکھتا تھا۔ (۹۰) ابن خلکان نے خواجہ کے حالات لکھتے ہوئے علم حدیث کے متعلق حسب ذیل فقرے لکھے ہیں:

وسمع نظام الملک الحدیث واسمعه وكان يقول انى لااعلم انى لست اهلا لذلك ولكنى اريد اربط نفسى فى قطار النقلة الحديث رسول الله ﷺ ۔(۹۱)

ابن خلکان کی یہ شہادت خواجہ کے محدث ہونے کی دلیل ہے۔ اور چونکہ خواجہ رسول کریم ﷺ سے دلی عقیدت رکھتا تھا اس لیے بمقتضائے ادب کہتا ہے کہ ''بھلا میں اس قابل کب ہوں کہ حدیث کی روایت کروں لیکن میرے لیے یہی فخر کیا کم ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے راویان حدیث کے زمرے میں داخل ہو جاؤں۔''

طبقات الکبری کی روایت کے مطابق خواجہ نظام الملک نے حسب ذیل مقامات پر مشہور محدثین سے حدیثیں سیکھیں۔

اصفہان: محمد بن علی میریز دالاریب۔ ابومنصور شجاع بن علی بن شجاع

نیشا پور: استاذ ابو القاسم قیشری

بغداد: ابو الخطاب بن البطر وغیرہ

مذکورہ بالا شیوخ حدیث کے علاوہ خواجہ نظام الملک نے خاص دار الخلافت بغداد میں مجالس حدیث سے فائدہ اٹھایا (۹۲)

بحیثیت ادیب:

خواجہ نظام الملک کے متفرق مضامین یا کوئی مستقل تصنیف نثر عربی میں موجود نہیں ہے۔ البتہ فارسی میں ایک بڑا ذخیرہ نثر موجود ہے۔ جو خواجہ کے فضل و کمال کی یادگار ہے۔ (۹۳) عبد الرزاق کانپوری نے خواجہ کے دو خط نقل کیے ہیں جو خواجہ نے اپنے بیٹوں موید الملک اور فخر الملک کو لکھے تھے۔ یہ خط نہ صرف خواجہ کے انشا کا نمونہ ہیں بلکہ اس کے دین داری اور اخلاق و عادات کا بھی آئینہ ہیں کہ جس سے ہر خال و خط نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ (۹۴)

شاعری:

خواجہ نظام الملک کا اپنا دربار بھی لگتا تھا دربار شاہی میں جو شعراء قصیدہ خوانی کرتے تھے وہ نظام الملک کے دربار سے بھی وابستہ تھے۔ (۹۵) امیر معزی (۹۶) نظام الملک کی مدح میں چند قصائد کہے (جو مجمع الفصحاء ج ۱، ص ۵۷ بعد میں درج ہیں) حکیم لامعی (۹۷) ملقب بہ بصر المعانی نے متعدد قصیدے خواجہ کی مدح میں کہے۔ (۹۸) البتہ نظام الملک کی مجلس میں جس قدر انعام و اکرام صوفیہ اور علماء کے حصہ میں آیا اس کے مقابلے میں شعراء منزلوں سے دور رہے۔ (۹۹)

صاحب چہار مقالہ، نظام عروضی سمرقندی نے لکھا ہے کہ نظام الملک شاعروں کو پسند نہیں کرتا تھا۔ کیونکہ وہ خود شعری ذوق نہیں رکھتا تھا۔ بلکہ علماء اور مشائخ سے قریبی تعلقات استوار رکھتا تھا۔ (۱۰۰) شعروشاعری سے نظام الملک کی زیادہ دلچسپی کا نہ ہونے کا ایک سبب تو یہی ہے کہ طبعی مذاق نہ تھا دوسرے بچپن سے فقہ اور حدیث کی تعلیم دی گئی تھی جس نے طبیعت کو شعروسخن کی جانب متوجہ نہ ہونے دیا۔ (۱۰۱) تاہم مثل دیگر فنون کے شاعری سے نابلد نہ تھا۔ کثیر تعداد میں شعراء جو نظامیہ بغداد میں مختلف خدمات پر مامور تھے، اوقات فرصت میں دربار خواجہ میں حاضر ہوتے تھے۔ (۱۰۲) معین الدین طُمطرانی، جو مدرسہ نظامیہ میں عرصہ دراز تک درس دیتے رہے تھے، خواجہ کی مدح میں قصیدہ ''ذوقــــافیتیــن'' بزبان عربی لکھا جو صنائع بدائع کا مجموعہ ہے۔ (۱۰۳)

تصانیف:

مشہور زمانہ کتاب ''سیاست نامہ'' (یا سیر الملوک) اور ''کتاب الوصایا'' (یا دستورالوزراء) نظام الملک کی علمی یادگار ہیں۔ ایک سفرنامہ بھی خواجہ نے لکھا تھا، جس میں اس سفر کے حالات تحریر تھے جو خراسان سے براستہ ماوراءالنہر کابل تک کیا گیا۔ یہ اب ناپید ہے۔ (۱۰۴)

(الف) سیاست نامہ؛ سیاست نامہ تاریخ اور فن حکومت اور فن نظمیات پر ایک بسیط عالمانہ مقالہ ہے۔ یہ کتاب خواجہ نے اپنی وزارت کے آخر زمانہ میں یعنی انتقال سے ایک سال قبل ۴۸۵ھ/۱۰۹۲ء میں مکمل کی۔ (۱۰۵) وجہ تصنیف دیباچہ میں یوں بیان کی ہے کہ: ''۴۸۴ھ میں سلطان سعید ابوالفتح ملک شاہ نے دربار کے چند دیرینہ سال ارکان سلطنت کو مخاطب کر کے فرمایا کہ مابدولت کے عہد سلطنت پر غور کریں

اور سوچیں کہ ہمارے زمانہ میں کس صیغہ کا انتظام اعلیٰ کا درجہ نہیں ہے۔ اور وہ کون سے آداب ہیں جو ہماری مجلس اور دیوان میں نافذ نہیں اور وہ کیا حالات ہیں کہ مجھ پر مخفی ہیں اور سلاطین سابق کے جو اصول ہمارے زمانہ میں چھوڑ دیئے گئے ہیں وہ کیا تھے؟ غرضیکہ شاہان سلجوق کے تمام رسوم ورواج اور آئین قلمبند ہو کر حضور میں پیش ہوں تاکہ بعد غور کامل ان قوانین کے اجراء کا حکم دیا جائے جس سے دین و دنیا کے سب کام درست ہو جائیں اور ساری خرابیاں دور ہوں۔ جب کہ خدائے برتر نے مجھ کو عظیم الشان سلطنت مرحمت فرمائی ہے اور تمام نعمتیں بخشی ہیں۔ اور میرے دشمنوں کو پامال کر دیا ہے تو پھر کوئی انتظام مابدولت کا ناقص نہ ہونا چاہیے اور نہ مجھ سے کچھ چھپایا جائے۔" (۱۰۶)

سلطان کا روئے سخن نظام الملک، شرف الملک، مجد الملک وغیرہ کی طرف تھا۔ چنانچہ ان امراء میں سے ہر ایک نے اپنی استعداد اور خیالات کے مطابق ایک ایک دستور العمل لکھ کر ملک شاہ کے حضور پیش کیا۔ مگر ملک شاہ کو صرف نظام الملک کا مسودہ پسند آیا۔ جس کی نسبت سلطان نے فرمایا کہ:

"یہ کتاب نہایت جامع ہے اور آئندہ یہی میرا دستور العمل ہوگا۔" (۱۰۷)

سیاست نامہ پچاس فصلوں پر مشتمل ہے۔ اور ہر فصل میں ایک جداگانہ مضمون ہے شروع میں اس کتاب کی انتالیس فصلیں تھیں۔ بعد میں پیروان مزدک، فرقہ باطنیہ، قرامطہ، ملاحدہ کی طرف سے خلاف اسلام اور تفریق پسندی کے خطرات متوقع ہوئے تو نظام الملک نے ان کے سدباب کے لیے گیارہ فصلیں اور لکھ کر کتاب میں اضافہ کر دیا۔ چنانچہ سیاست نامہ پچاس ابواب پر مشتمل ہے جن میں شاہی اختیارات اور فرائض کے ساتھ ساتھ سلطنت کے تمام سرکاری شعبوں کے انتظام و انصرام سے بحث کی گئی ہے۔

سیاست نامہ کے ہر مضمون میں قرآن، حدیث اور فقہ سے استدلال کیا گیا ہے۔ مشاہیر اسلام کے ذکر اور حوالوں کے ساتھ ساتھ ساسانی بادشاہوں وزیروں اور اصحاب الرائے کا بھی تذکرہ چلتا رہتا ہے۔ اہم نکات کی وضاحت کے لیے تاریخی قصے اور لطائف کی کثیر تعداد ہے۔ سیاست نامہ میں نظام الملک نے یہ جاننے کی کوشش کی ہے کہ سیاسی کامیابی کے عوامل کیا ہوتے ہیں، ریاست کس طرح استوار ہو سکتی ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ سلطنت سلجوقیہ کی اہم اور خاص ضروریات کیا ہیں۔ نظام الملک کی سیاسی فکر کو سمجھنے کے لئے سیاست نامہ کا مطالعہ ناگزیر ہے۔(۱۰۸) اس نے سیاست نامہ ''اللہ'' کے نام سے شروع کر کے ''واللہ اعلم بالصواب'' پر ختم کیا ہے۔ وجودِ باری کا یہ احساس نظام الملک کی تمام فکر میں سرایت کیے ہوئے ہے۔ عدل، فیاضی اور اخلاق کے تمام تصورات کا ماخذ یہی ہے۔(۱۰۹)

رضوان علی رضوی کے مطابق ''سیاست نامہ دنیا کی پہلی کتاب ہے جس میں سفیر کے خفیہ کاموں سے مکمل اور کھلی بحث کی گئی ہے۔ سلجوقی سفارتی پالیسی اور دستور وضع کرنے میں جن پیچیدہ مخفی عوامل کا لحاظ رکھنا پڑتا تھا، ان کو سمجھنے میں اس کتاب سے بہت مدد ملتی ہے۔ نظام الملک سفارت کو بین المملکتی تعلقات میں مصلحت جوئی اور صلح پسندی اور ترغیب و تحریص کا فن گردانتا ہے۔ اس میں شاہی رسوم اور بادشاہ کے ذاتی اخلاق سے پیدا ہونے والے تاثر سے بڑی مدد ملتی ہے۔(۱۱۰)

آگے چل کر وہ مزید لکھتے ہیں کہ: سیاست نامہ ہر معیار پر اعلیٰ ترین تصنیف کا درجہ رکھتا ہے۔ یہ بالغ نظری اور وسیع تجربہ کا مرقع اور مصنف کی شخصیت کا پرتو ہے، اداروں، سیاسی اخلاقیات، تاریخی لطائف اور معاشرہ اور مملکت کے معاملات پر اسلامی تعلیمات کے اطلاق کے فہم کے اعتبار سے ایک دائرۃ المعارف

ہے۔مزید برآں اس کی نثر ماہرانہ ہے۔ لہجہ خاصا سخت ہے جس میں تصنع یا عدم خلوص نہیں جھلکتا بلکہ سادہ اور راست ہونے کے باوجود اپنے آہنگ اور گونج کی وجہ سے خوبصورت معلوم ہوتا ہے۔ یہ ایک ایسا فن پارہ ہے جو غیر محسوس طور پر سبک اور لطیف ہونے کے باوجود قوی اور پر کشش ہے۔''(۱۱۱)

سیاست نامہ میں مختصر سے ابتدایئے اور دیباچے کے بعد قانون سلطنت کے حسب ذیل موضوع آتے ہیں: بادشاہ اور رعایا کے فرائض، بادشاہ کا رعایا سے سلوک، بادشاہوں کے لیے نعمت خداوندی کی قدر شناسی، عدل وانصاف وزراء، ورعمال کی نگرانی، تاجر اور کاشت کاروں کے تعلقات، قاضی اور خطیب اور محتسب کے فرائض، عالمانہ عہدیداروں کی نگرانی، شریعت کی پیروی، نظارت، محکمہ وقائع نگاری، محکمہ جاسوسی، ہرکاروں کی تقرری، وکیل خاص، ندیم ومصاحب، فوج خاصہ، فرامین واحکام شاہی کی عظمت، عقلاء وحکماء سے مشاورت، سفارت، قاعدہ تقسیم تنخواہ افواج، دربار خاص وعام، صاحبان جاگیر ومنصب، خدمت گاروں کا سلوک، عمال کی شکایت کی خفیہ تحقیقات، خطاب والقاب، بیگمات شاہی کے اختیارات، لکل عمل رجال، خزانہ، فیصلہ مقدمات، مداخل ومخارج وغیرہ۔ غرض یہ کہ حکومت اور عوام کے بعد جو حقوق ایک دوسرے کے ساتھ ہیں، ان کی صحیح تفسیر ان اوراق میں موجود ہے۔ (۱۱۲)

کتاب الوصایاء:

کتاب الوصایا جسے ''دستور الوزراء'' بھی کہا جاتا ہے۔ کثیر الفوائد مضامین کا مجموعہ ہے اس کا سنہ تصنیف معلوم نہیں ہے مگر مضامین سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ کتاب بھی وزارت کے آخر زمانہ میں لکھی گئی ہے۔ (۱۱۳) اس میں روئے سخن فخر الملک کی طرف ہے جو خواجہ کا عزیز ترین فرزند تھا۔ جس کی نسبت خواجہ یہ

چاہتا تھا کہ فخر الملک وزارت کا منصب منظور نہ کرے۔ وصایا ایک ابتدائیہ، ایک مقدمہ اور دو فصلوں پر مشتمل ہے۔ مقدمہ میں خواجہ نے اپنے بچپن کے بعض حالات لکھے ہیں۔ پہلی فصل میں خواجہ نے ان خطرات کا ذکر کیا ہے جو وزیر سلطنت کو پیش آسکتے ہیں اور جن کے سبب وزارت کا قبول نہ کرنا ہی بہتر ہے۔ (۱۱۴) لیکن نظام الملک کو یہ خیال بھی تھا کہ ممکن ہے کہ فخر الملک وزارت کا منصب قبول کر لے (جیسا کہ بعد میں ہوا بھی) اس لیے دوسری فصل میں وزارت کی ذمہ داریوں اور وزیر کے فرائض منصبی سے آگاہ کرتے ہوئے اس کی شرائط بیان کی ہیں، جن میں مندرجہ ذیل امور شامل ہیں۔ مقدمات میں عدل، بادشاہ کی رضامندی، ولی عہد اور دوسرے شہزادوں کی رضامندی، عمال دفتر سے تعلقات اور خطرات، اسباب و فرائض وزارت، احکام الٰہی کی تعمیل، اتفاقات حسنہ، بادشاہ کی اطاعت، رعایت بیگمات، رعایت ملازمان شاہی، رعایت اہل سیف و علم، خلائق عامہ کی نگہداشت وغیرہ (۱۱۵) دستور الوزراء میں نظام الملک نے موقع ومحل کی مناسبت سے جا بجا تاریخی حکایات بھی بیان کی ہیں۔ جو اس کی بات کو مستحکم کرتی ہیں۔ (۱۱۶)

اخلاق وعادات:

خواجہ نظام الملک سیاست، دانائی، رائے، تدبیر، عدل و انصاف، بے تعصبی (۱۱۷) فیاضی، شجاعت، رحم، علم وعفو میں اپنی مثال آپ تھا۔ نظام الملک کے اپنے ذاتی ملازمین اکثر غلطیاں کیا کرتے تھے اور وہ بالعموم ان کو معاف کر دیتا تھا۔ خواجہ کا یہ برتاؤ عام تھا۔ چنانچہ ابن اثیر نے لکھا ہے:

"کان عالماً دیناً جواد أعادلاً حلیماً کثیراً الصفح عن المذنبین." (۱۱۸)

جب نظام الملک اور تاج الملک ابو الغنائم ابن دارست کے درمیان نفرت اور حسد کی دیوار حائل ہوئی، تو تاج الملک نے ابن الھباریہ (۱۱۹) سے وعدہ کیا کہ اگر وہ نظام الملک کی ہجو کہے گا تو اسے اس پر نظر عنایت کے ساتھ ساتھ معقول نیز انعام بھی دیا جائے گا۔ ابن الھباریہ نے جواب دیا کہ ''میں ایسے شخص کی ہجو کس طرح کرسکتا ہوں، میرے گھر کی ہر چیز جس کی رہین منت ہے''۔ تاج الملک نے کہا: میں تعمیل چاہتا ہوں۔ اس پر ابن الھباریہ نے یہ اشعار کہے:

لا غرو ان ملک ابن اسحاق و ساعده القدر

وصفت لہ الدنیا وخص ابو الغنائم بالکدر

فالدھر کالدولاب لیس یدور الا بالبقر (۱۲۰)

''اس پر تعجب نہ کرو کہ ابن اسحاق حکومت کرتا ہے اور تقدیر اس کا ساتھ دیتی ہے۔ مرفع الحالی اس کے لیے مصفا اور ابوالغنائم کے لیے گدلی ہے، تقدیر تو ریت کی طرح ہے جو صرف بیل ہی گھما سکتے ہیں۔''

جب یہ اشعار نظام الملک کو سنائے گئے تو اس نے محض اتنا کہا کہ ان اشعار میں ایک عام ضرب المثل کی طرف اشارہ ہے کہ طوس کے لوگ بیل جیسے ہوتے ہیں۔ خواجہ نے نہ صرف یہ کہ اس گستاخی پر شاعر کو کوئی سزا نہ دی بلکہ اور زیادہ مہربانی سے پیش آیا۔

نظام الملک کا یہ روز کا معمول تھا کہ ہر صبح فقراء اور ضرورتمندوں میں سو دینار تقسیم کیا کرتا تھا۔ (۱۲۱)

نظام الملک کے دستر خوان پر ہمیشہ گداگر اور مفلس ہوتے تھے جو نظام الملک کے نزدیک بیٹھتے تھے۔ (۱۲۲)

فقیہ ابوالقاسم کا بیان ہے کہ ایک رات وہ نظام الملک کا مہمان تھا۔ جب دستر خوان چنا گیا تو وہ بھی

شریک طعام ہوا۔ نشستوں کی ترتیب کچھ ایسی تھی کہ ایک طرف نظام الملک بیٹھا تھا اور دوسری طرف عمید نامی ایک صاحب حیثیت شخص تھا۔ اور عمید کے برابر ایک مفلوک الحال گداگر بیٹھا تھا جس کا داہنا ہاتھ کاٹ دیا گیا تھا۔ جب گداگر نے بائیں ہاتھ سے کھانا شروع کیا تو عمید کو ناگوار گزرا۔ جب نظام الملک نے عمید کے چہرہ پر ناگواری کے آثار دیکھے تو اس نے گداگر کو بلا کر اپنے پہلو میں جگہ دی اور اس گداگر کے ساتھ شریک طعام ہوا۔ (۱۲۳)

خواجہ نظام الملک کو صوفیائے کرام سے خاص عقیدت اور ارادت تھی اور اس کی مجلس ہمیشہ صوفیوں سے بھری رہتی تھی۔ (۱۲۴) امام الحرمین الجوینی (م ۴۷۸ھ/۱۰۸۵ء) اور ابوالقاسم قشیری جب خواجہ کے دربار میں تشریف لاتے تو وہ ان کی تعظیم میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھتا اور اپنی مسند پر بٹھاتا تھا۔ (۱۲۵) اسی طرح جب شیخ ابوعلی فارمذی خواجہ نظام الملک کے دربار میں تشریف لاتے تو خواجہ اپنی جگہ سے اٹھ کر شیخ کا استقبال کرتا۔ پھر اپنی مسند پر بٹھا کر خود الگ ہو جاتا اور شیخ کے سامنے بیٹھ کر ادب سے گفتگو کرتا تھا۔ (۱۲۶) نظام الملک کے دربار میں شیخ ابو اسحٰق فیروز آبادی کو خاص مقام حاصل تھا۔ اہم معاملات میں خواجہ نظام الملک اکثر شیخ ابواسحٰق فیروز آبادی سے مشورہ کیا کرتا تھا۔ (۱۲۷)

اگرچہ خواجہ نظام الملک کے دروازے پر معمولاً حاجب و دربان بھی مقرر تھے مگر ان کو یہ ہدایت تھی کہ کسی وقت کوئی آنے والا نہ روکا جائے اور نہ کوئی خالی ہاتھ واپس جائے۔ (۱۲۸)

خواجہ نظام الملک نے اپنے انتیس سالہ دور وزارت میں رفاہِ عامہ کے کاموں کو بہت ترقی دی، حکومت کی طرف سے بھی ہمیشہ بڑے پیمانے پر کام جاری رہتا تھا، لیکن بحیثیت وزیر اعظم، نظام الملک نے

اپنی جاگیر سے بھی اس مد میں لاکھوں دینار صرف کیے۔

ممالک محروسہ کے بڑے بڑے شہروں اور قصبوں میں مساجد اور شفا خانے بنوائے۔ (۱۲۹) اس کی تعمیر کردہ سرائے بغداد اور شفا خانہ نیشاپور کی بڑی شہرت تھی۔ یہی حال مدارس کا تھا۔ اس نے تمام بڑے شہروں میں مدارس کی بنیاد رکھی۔ (۱۳۰) نظام الملک نے مکہ معظمہ کے راستوں میں جو خطرات اور دشواریاں تھیں انہیں دور کر کے پر امن بنا دیا۔ حجاج اور زائرین کی سہولت کے لیے متعدد انتظامات کیے۔ ان کے قیام کے لیے مکانات تعمیر کرائے اور مصارف کے لیے اوقاف جاری کیے۔ (۱۳۱)

یہاں ہم امام الحرمین جوینی کا وہ بلیغ خطبہ نقل کرتے ہیں جو نظام الملک کے اوصاف و کمالات پر دلیل ہے اور اس امر کی پوری شہادت ہے کہ امام الحرمین کے نزدیک نظام الملک کا کیا مقام تھا:

"سید الوری و مؤید الدین و الدنیا. ملاذالامم. متخدم للسیف والقلم. ومن ظل ظل الملک بیمن مساعیه ممدودا. ولواء النصر معقودا. فکم باشراوزار الحرب. وادار وحی الطعن والغرب . فلایده ارتدت . ولا طلعته البهیة اربدت. ولا غرمة انثنی. ولا حده فنی. قدسدت مسالت المهالک صوارمه. وحصنت الممالک صرائمه. وحلت شکائم العری عزائم. وتحصنت المملکة بنصله. وتحسنت الدنیا بافضاله

وفضله. وعم بر. آفاق البلاد. ونفى الغى عنها بالرشاد.

وجلى ظلام الظلم عدله. وكسر قفار الفقر بذله.

وكانت خطة الاسلام شاغرة و أفواه الخطوب اليها

فاغرة. فجمع الله برأيه الثاقب شملها. ووصل بيمن

هيبة حيلها. و أصبحت الرعايا فى رعايته والسيف

يفخر فى يمينه يرجوه الابس البائس فى ادراج أيته.

ويركع له تاج كل شامخ بعرينه. ويهابه الليث المرتجن

فى عرينه. (۱۳۲)

''سردارِ خلق و بشر، دین و دنیا کا حامی و موید، قوموں کی پناہ گاہ، صاحبِ سیف و قلم، اس نے اپنی کوششوں سے بادشاہ کے سائے کو خوب پھیلا دیا اور فتح و نصرت کا پرچم لہرا دیا۔ اس نے بارہا جنگوں کے بوجھوں کو براہِ راست برداشت کیا۔ اس نے نیزہ و شمشیر زنی کی چکی کو گھمایا تو نہ تو اس کا ہاتھ کانپا اور نہ ہی اس کی روشن جبین شکن آلود ہوئی، نہ اس کے عزمِ راسخ میں کوئی کمی آئی۔ ارادوں کی پختگی نے ملکوں کی حفاظت کی۔ اس کے عزائم (پختہ ارادوں) نے رکاوٹوں کے بند کھول دیے، اس کے نیزے کی انّی نے مملکت کو تحفظ فراہم کیا۔ دنیا اس کے فضل و کرم سے خوب تر ہوگئی۔ اس کی نیکی ملک کی سرحدوں تک عام ہوگئی۔ اس نے اپنی ہدایت و راہنمائی سے سرکشی کو دیس نکالا۔ اس کے عدل نے ظلم کی تاریکی کو کافور کر دیا۔ اس کی سخاوت نے غربت و افلاس کی ریڑھ کی ہڈی توڑ دی۔ سرزمین اسلام بلا محافظ تھی اور مصائب و حوادث نے اس کی

طرف اپنے منہ کھول رکھے تھے، پس اللہ تعالیٰ نے اس (نظام الملک) کی عمدہ رائے کی بدولت اس کا شیرازہ مجتمع کر دیا۔ اس نے اپنی ہیبت کی برکت سے سرزمین اسلام کو متحد کر ڈالا۔ رعایا اس کے زیر سایہ امن و اطمینان سے رہنے لگی۔ حادثات کی آنکھیں مملکتِ اسلامیہ کے بارے میں سوگئیں۔ دین اس کے چہرے کی لکیروں اور اس کی درخشاں جبین پر اتراتا ہے۔ تلوار اس کے داہنے ہاتھ پر فخر کرتی ہے۔ مایوس و غمزدہ شخص اپنی آہوں اور سسکیوں میں اس سے امید رکھتا ہے۔ اپنی اونچی ناک پر ہر فخر کرنے والے کا تاج اس کے حضور جھک جاتا ہے۔ اپنی کچھار میں بپھرا ہوا شیر بھی اس سے ڈرتا ہے۔''

سبکی یہ خطبہ نقل کرنے کے بعد لکھتا ہے: ''اگرچہ اس تعریف میں کسی قدر مبالغہ پایا جاتا ہے۔ تاہم اس امام جلیل کی جانب سے نظام الملک کی یہ تعریف وتوصیف اور مدح وستائش اس بات کا پختہ ثبوت ہے کہ اس عظیم عالم دین کی نظر میں نظام الملک کا مقام و مرتبہ کتنا بلند تھا۔ یاد رہے کہ امام الحرمین کی تحریرات وکلمات سے متقدمین و متاخرین دلائل اخذ کرتے ہیں اور ان کے کلام کو حجت سمجھتے ہیں۔ آپ ہی سے اصول وفروع میں شریعت الٰہیہ کو فروغ ملا۔'' (۱۳۳)

اسباب قتل خواجہ نظام الملک:

خواجہ نظام الملک کے قتل کے حوالے سے یہ بات بالاتفاق ثابت ہے کہ خواجہ کا قاتل فرقہ باطنیہ کا ایک فدائی تھا۔ تاہم اس امر میں اختلاف ہے کہ فدائی نے کس کے حکم سے خواجہ پر حملہ کیا؟

مورخین میں ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ ''خود ملک شاہ کے حکم سے خواجہ قتل ہوا۔'' دوسرا اس کا قائل ہے کہ ''تاج الملک ابوالغنائم کی سازش کا یہ نتیجہ ہے۔'' تیسرا راوی ہے کہ ''حسن بن صباح کے اشارے سے

خواجہ کا کام تمام ہوا۔'' (۱۳۴)

طبقات الکبریٰ کی روایت ہے کہ سب سے پہلے ۴۷۶ھ/۱۰۸۳ء میں ملک شاہ سے، خواجہ نظام الملک کی شکایت ہوئی۔ ملک شاہ کے ایک ندیم خاص اور نظام الملک کے داماد سید الرؤسا ابوالمحاسن محمد نے شکایت کی کہ نظام الملک نے سلطنت میں بڑے بڑے غبن کیے ہیں اور مال و دولت سے اپنا گھر بھر لیا ہے۔ (۱۳۵) اور یہ پیشکش کی کہ اگر نظام الملک کو اس کے حوالے کر دیا جائے تو وہ شاہی خزانے میں دس لاکھ دینار جمع کر دے گا۔ ملک شاہ نے اس الزام پر کوئی توجہ نہ دی، تاہم نظام الملک کو جب کسی ذریعہ سے اس کی اطلاع ملی تو اس نے پہلے اپنے کئی ہزار ترک غلاموں کو ہتھیار اور گھوڑے دے کر مسلح کیا۔ جب یہ ترک سوار فوج تیار ہوگئی تو نظام الملک نے ملک شاہ کی ضیافت کی۔ ضیافت کے بعد جب ملک شاہ رخصت ہونے لگا تو رسم کے مطابق نظام الملک نے بیش بہا تحائف نذر کیے اور اس کے بعد سلطان کو تازہ تیار کی جانے والی سپاہ غلاماں کا معائنہ کرنے کی درخواست کی۔ جب سلطان نے معائنہ کے بعد پسندیدگی کا اظہار کیا تو وزیر نے کہا: ''اے سلطان! میں نے آپ کی اور آپ کے والد کی خدمت کی ہے۔ میرے آپ پر بہت سے حقوق ہیں۔ آپ سے کہا گیا ہے کہ میں نے آپ کی دولت سے اپنا خزانہ بھر لیا ہے۔ میں اس کا اعتراف کرتا ہوں کہ یہ بات بالکل صحیح ہے لیکن اس دولت سے میں نے یہ فوج تیار کی ہے اور علاوہ اس کے بڑی رقوم خیرات بھی کی ہیں۔ ان اخراجات کا مقصد یہ تھا کہ آپ کی شہرت اور شان و شوکت میں اضافہ ہو اور آپ کو آخرت میں خیرات کا ثواب بھی ملے۔ اس وقت میری تمام دولت اور جاگیر آپ کے سامنے ہے۔'' (۱۳۶)

اس کے بعد نظام الملک نے اپنے معتمد کو حکم دیا کہ ''ان غلاموں کے ناموں کا سلطان کے سپاہیوں

کی فہرست میں اندراج کیا جائے۔ مجھے اوڑھنے کو ایک گدڑی اور پڑے رہنے کو ایک گوشہ کافی ہے۔'' (۱۳۷) نظام الملک کی اس گفتگو سے سلطان کے ذہن میں جو شبہات بھی تھے دور ہو گئے اور اس نے حکم دیا کہ ''ابوالمحاسن کو اندھا کر کے قلعہ سادہ میں قید کر دیا جائے۔'' (۱۳۸)

اگرچہ ابوالمحاسن کی شکایت پر ملک شاہ نے نظام الملک سے باز پرس نہیں کی تھی لیکن یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ سلطان کے دل پر بدگمانی کا ایک ہلکا سا غبار ضرور چھا گیا تھا۔ (۱۳۹)

مؤید الملک کی معزولی:

جب نظام الملک کے بیٹے مؤید الملک کو دیوان الانشاء (۱۴۰) کی خدمت سپرد ہوئی تو اس نے اپنے نائب ابوالمختار زوزنی کو موقوف کر کے اوستاد اسمٰعیل اصبہانی کو مقرر کیا۔ ابوالمختار ملک شاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ چونکہ ابوالمختار دفتر انشاء کا قدیم اہلکار تھا اور سلطان اس کے فضل وکمال سے خود بھی واقف تھا۔ لہذا سلطان نے قاضی مظفر کے ساتھ ابوالمختار کو مؤید الملک کے پاس بھیجا اور حکم دیا کہ اس کو کسی خدمت پر مامور کر دو مگر مؤید الملک نے پروا نہ کی۔ ملک شاہ نے اس گستاخی پر مؤید الملک کو معزول کر کے ابوالمختار کو دیوان الانشاء کا افسر مقرر کر دیا اور کمال الملک کا خطاب بھی مرحمت فرمایا۔ (۱۴۱) یہ پہلا موقع تھا کہ خواجہ کے ماتحت عملہ میں ملک شاہ نے دست اندازی کی تھی۔

نظام الملک کو اپنے دور وزارت میں بہت سی سیاسی جنگیں لڑنی پڑیں۔ اس کے اقتدار پر نہ صرف حسن بن صباح نے متصرف ہونے کی کوشش کی، بلکہ بعد میں تاج الملک، شرف الملک، مجد الملک اور سلطان ملک شاہ کی پہلی اور محبوب بیوی ترکن خاتون (۱۴۲) نے بھی اس کے اقتدار کو چیلنج کیا۔ یہی وجہ ہے کہ نظام

الملک کی زندگی کے آخری سال پر از ملال تھے۔ یہ بالکل ظاہر ہے کہ یہ تینوں اشخاص شرف الملک، تاج الملک اور مجد الملک، ترکن خاتون کو پسند تھے۔ ابو الغنائم ابن دارست جو پہلے ترکن خاتون کا محض ایک پرائیویٹ سیکریٹری تھا، تاج الملک کے خطاب سے سرفراز ہوکر اب وزارت عظمٰی کے خواب دیکھنے لگا تھا۔ ان سب نے نظام الملک کے خلاف شکایات سلطان کی خدمت میں پہنچانی شروع کر دیں۔ بالاخران تینوں کو سلطان اور نظام الملک کے درمیان مغائرت پیدا کرنے میں کامیابی ہوئی اور معاملات بحران کی حد تک پہنچ گئے۔ (۱۴۳) ان سب سے زیادہ ترکن خاتون کی مخالفت کارگر ثابت ہوئی۔

ترکن خاتون کا سب سے بڑا مقصد یہ تھا کہ اس کا بیٹا محمود (۱۴۴) ولی عہد قرار دیا جائے۔ بغیر اعانت خواجہ کے یہ امر محال تھا۔ جبکہ نظام الملک بڑے لڑکے برکیارق (۱۴۵) کا حامی تھا کیونکہ وہ سمجھتا تھا کہ برکیارق میں علاوہ اولاد اکبر ہونے کے عقل و دانش کی علامتیں اور جہاں داری کے آثار موجود ہیں۔ لہذا خواجہ نے ملک شاہ سے محمود کی ولی عہدی کی سفارش کرنے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ ترکن خاتون، خواجہ سے سخت ناراض ہوگئی اور ہر وقت خواجہ کی فکر میں رہنے لگی۔ (۱۴۶) مگر جب اسے برائی کا کوئی پہلو نہیں ملا تو اس نے سلطان سے کہا: ''نظام الملک نے اپنے بارہ بیٹوں کو آئمہ اثنا عشریہ کی طرح تمام ملک پر حکمران کر دیا ہے اور وہی تمام سلطنت کے مالک ہیں'' (۱۴۷) ملکہ کا یہ فقرہ کارگر ہوگیا اور یہی خواجہ کے زوال کا سبب بنا۔ خواجہ نظام الملک بھی یہ جانتا تھا کہ صرف یہی ایک سبب اس کے زوال حکومت کا باعث ہوگا۔ جس سے انجام بخیر ہونے کی اس نے خدا سے دعا مانگی تھی:

''ایں سخن در باطن سلطان تاثیر کردہ انشاء اللہ تعالٰی محمود العاقبۃ باشد و بخیر بگذرد۔''

جس کی تصدیق کتاب الوصایا سے ہوتی ہے۔

سلطان کی کدورت کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ خواجہ نظام الملک خلفائے عباسیہ کا بڑا حامی تھا۔ خلفاء بھی خواجہ کے فضل وکمال اور اقتدار وزارت کی وجہ سے اس کی غایت درجہ عزت کرتے تھے۔ چنانچہ رمضان ۴۸۴ھ/۱۰۹۱ء میں جب خواجہ ملک شاہ کے ہمراہ بغداد گیا تو عباسی خلیفہ مقتدی بامراللہ (۴۶۷ھ/ ۱۰۷۴ء۔۴۸۷ھ/۱۰۹۴ء) نے خواجہ کو تخت خلافت کے سامنے بیٹھنے کا حکم دیا اور کہا کہ:

''یاحسن بن علی رضی اللہ عنک برضا امیرالمومنین عنک''

''اے حسن! تجھ سے خدا بہت خوش ہوگا، کیونکہ امیرالمومنین تجھ سے رضامند ہیں۔'' خواجہ نے یہ مژدہ سن کر عرض کیا کہ ''خداوند تعالیٰ امیرالمومنین کی دعا کو مستجاب فرمائے۔'' (۱۴۸)

جب ملک شاہ کو اس قرب واختصاص کی اطلاع ملی تو اس کو بہت ناگوار گزرا کیونکہ ملک شاہ مقتدی کو معزول کرنا چاہتا تھا اور اس فکر میں چند سال سے تھا مگر خواجہ ملک شاہ کو ہمیشہ اس بات سے روک دیا کرتا تھا۔ (۱۴۹)

ملک شاہ اور نظام الملک کے درمیان، ترکن خاتون اور تاج الملک کے اکسانے کی وجہ سے تعلقات خراب تر ہوتے جارہے تھے۔ تاج الملک نے سلطان کے سامنے نظام الملک پر اقربا پروری کا الزام لگایا اور کہا کہ وہ فوج پر فضول روپیہ خرچ کررہا ہے۔ (۱۵۰)

۴۸۵ھ میں خواجہ نے اپنے پوتے عثمان بن جمال الملک کو مرو کا والی مقرر کیا۔ عثمان بن جمال الملک، سلطان ملک شاہ کے ایک منظور نظر قمودن کے ساتھ سختی سے پیش آیا تو سلطان کا غصہ اور بڑھا۔ (۱۵۱)

سلطان نے بے حد اسراف اور اقربا پروری کی کارروائیوں کا باضابطہ جواب نظام الملک سے طلب کیا اور طنزاً دریافت کیا کہ آیا وہ بادشاہت میں شریک ہے یا وزیر ہے؟ اور شکایت کی کہ اس کے رشتہ دار نہ صرف حکومت کے امیر ترین عہدوں پر فائز ہیں بلکہ اس پر اکتفا نہ کرتے ہوئے نا قابل برداشت تکبر برتتے ہیں۔(۱۵۲)

بوڑھے وزیر کو ایسے شخص کی طرف سے، جس پر اس کے بہت احسانات تھے، سخت تکلیف پہنچی اور اس نے جلد بازی میں یہ کہا کہ: ''جس نے آپ کے سر پر تاج رکھا، اسی نے میرے سر پر دستارِ وزارت رکھی اور یہ دونوں ایکدوسرے سے کبھی علیحدہ اور جدا نہ ہونے کے لیے منسلک ہیں۔''

''آں کہ ترا تاج داد، دستار بر سر من نہاد، ھر دو درھم بستہ و باھم پیوست۔''(۱۵۳)

ان الفاظ کا یہ مطلب لیا گیا کہ بادشاہت اس کے سہارے کے بغیر قائم نہیں رہ سکے گی۔ نظام الملک ٹھنڈے دل سے کہتا تو یہ الفاظ کبھی نہ کہتا، مگر ظاہر ہے وہ مخالفین کی ریشہ دوانیوں سے تنگ آ چکا تھا۔ بعد میں جب خواجہ کا غصہ دھیما ہوا تو اسے اپنے جواب کا افسوس بھی ہوا۔(۱۵۴) بہر حال، اس کے الفاظ خاصے بڑھا چڑھا کر سلطان کے کانوں تک پہنچائے گئے۔(۱۵۵) کہا جاتا ہے کہ سلطان نے طیش میں آ کر خواجہ کو معزول کر دیا اور تاج الملک کو اس کی جگہ وزیر بنا دیا۔(۱۵۶) تاہم اغلب یہ ہے کہ اگر چہ سلطان کی نظام الملک کی طرف سے بے اطمینانی ایک حقیقت تھی، لیکن بات معزولی تک نہیں پہنچ سکی تھی۔(۱۵۷)

دی کیمبرج ہسٹری آف ایران کا یہ فیصلہ درست معلوم ہوتا ہے کہ:

''تاج الملک ابو الغنائم کو بطور ملک شاہ کے وزیر، اس (نظام الملک) کا جانشین مقرر کیا گیا تھا، لیکن

وہ (تاج الملک) ملک شاہ کی وفات سے پہلے عہدہ سنبھال نہیں سکا تھا۔'' (۱۵۸)

ابن خلکان نے بھی لکھا ہے کہ نظام الملک کی موت کے بعد تاج الملک ابو الغنائم کو وزارت ملی ۔(۱۵۹) قدیم ترین ماخذ میں سے ایک انوشیروان بن خالد نے نظام الملک کی منصب وزارت سے معزولی کے بارے میں کچھ نہیں کہا ہے۔ (۱۶۰)

حقیقت یہ ہے کہ نظام الملک اپنی شہادت تک اپنے منصب، پر قائم رہا۔ اگر تاج الملک وزیر اعظم کا عہدہ سنبھال چکا ہوتا تو وہ حسن بن صباح کے ساتھ مل کر نظام الملک کے قتل کی سازش نہ کرتا۔ تاج الملک پر نظام الملک کے قتل کا محرک ہونے کا شبہ عام تھا۔ (۱۶۱) کیونکہ بقول بوائل:

''وزیر (نظام الملک) کے درباری دشمنوں نے حشیشین کے ساتھ مل کر قتل کی سازش تیار کی''۔ (۱۶۲)

یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ اگر نظام الملک کو اس کی زندگی میں ہی معزول کر دیا گیا ہوتا تو اس کا ملک شاہ کی ہمرکابی میں بغداد کا سفر بے معنی ہوتا۔

قتل خواجہ نظام الملک:

رمضان ۴۵۸ھ/۱۰۹۲ء میں ملک شاہ نے اصفہان سے بغداد کا سفر کیا تو خواجہ نظام الملک بھی ہمراہ تھا۔ جب نصف مسافت طے ہو گئی تو چند روز کے لیے ملک شاہ نے نہاوند (۱۶۳) میں قیام کیا۔

طبقات الشافعیہ الکبریٰ کی روایت ہے کہ ۱۰ رمضان المبارک (بمطابق ۱۴ اکتوبر ۱۰۹۲ء) پنجشنبہ کے دن خواجہ نے روزہ افطار کر کے مغرب کی نماز پڑھی بعد نماز دستر خوان پر بیٹھا۔ اس کے قریب فقہاء، قراء، صوفیاء اور اہل حوائج کثیر تعداد میں موجود تھے۔ (۱۶۴) اس کے بعد خواجہ نے تراویح پڑھی اور حرم سرا

کو روانہ ہوا۔ جب قیام گاہ کو پہنچا تو کہا: یہی وہ مقام ہے جہاں ایک کثیر جماعت مسلمانوں کی شہید ہوئی۔

طوبیٰ لمن یلحق بھم (۱۶۵)

(وہ لوگ بڑے خوش نصیب ہیں جو ان سے ملیں)

اسی اثناء میں ایک دیلمی نوجوان جو ایک صوفی کا بھیس بدل کر بظاہر ایک مستغیث کی حیثیت سے آیا تھا، خواجہ کے قلب میں چھری گھونپ کر قتل کر دیا۔ (۱۶۶) یہ نوجوان ایک اسماعیلی فدائی تھا، جس کا نام ابوطاہر حارث (بوطاھیہ ارانی) تھا، (۱۶۷) جسے خواجہ کے غلاموں نے گرفتار کر کے قتل کر دیا، اگرچہ کہ خواجہ نے مرنے سے پہلے قاتل کو معاف کر دیا تھا اور اسے قتل کرنے سے منع کیا تھا۔ (۱۶۸)

باور کیا جاتا ہے کہ یہ قتل راسخ العقیدہ اسلام پر حسن بن صباح کے حشیشین کا پہلا کھلا وار تھا۔ (۱۶۹) خواجہ پر حملہ ہوتے ہی لشکر میں کہرام مچ گیا اور جب یہ خبر ملک شاہ تک پہنچی تو وہ بھی غمزدہ اور روتا ہوا آیا اور خواجہ کے سرہانے آن کر بیٹھ گیا۔ (۱۷۰) اہل اصفہان نے محلّہ کران (۱۷۱) کے قبرستان میں دفن کیا۔ اور زمانہ دراز تک یہ مقام ''تربت نظام'' کے نام سے مشہور رہا۔

وہ شان و شوکت جو پہلے تین سلجوقی سلاطین کی حکمرانی سے وابستہ تھی، ۴۸۵ھ/۱۰۹۲ء میں نظام الملک کے ساتھ ہی ختم ہو گئی۔ خواجہ کے قتل کے ایک ماہ بعد ۱۵ شوال ۴۸۵ھ/۱۸ نومبر ۱۰۹۲ء کو بمقام بغداد ملک شاہ کا بھی انتقال ہو گیا (۱۷۲) اور خواجہ کا یہ قول صادق آیا کہ:

''جب میرے سامنے سے دوات اٹھالی جائے گی تو ملک شاہ

کے سر سے تاج بھی اٹھ جائے گا۔''

حواشی وحوالہ جات (باب دوم: فصل دوم)

ا۔ ابو العباس شمس الدین احمد بن محمد بن ابی بکر بن خلکان، ''وفیات الاعیان و انباء ابناء الزمان''، تحقیق: ڈاکٹر احسان عباس، منشورات الرضی قم، ۱۳۶۴ء، ج ۲، ص ۱۲۸۔ ابن خلکان نے عبدالکریم بن محمد السمعانی کی ''کتاب الانساب'' کے حوالے سے لکھا ہے کہ خواجہ حسن کا وطن رادکان ہے، یہ طوس کے نواح میں ایک چھوٹا سا شہر ہے۔ اس نے نظام الملک کے مولد کی حیثیت سے شہرت پائی۔

۲۔ طبقہ پیش دادیاں کے چوتھے تاجدار شہنشاہ جمشید پیش دادی نے شہر طوس کی بنیاد ڈالی۔ کیانیوں کے عہد حکومت تک یہ شہر برباد ہو چکا تھا۔ جب ایران کی حکومت کیخسرو کے ہاتھ میں آئی تو کیخسرو کے سپہ سالار طوس ابن نوذر ابن منوچہر نے از سر نو اس شہر کو آباد کیا اور طوس نام رکھا۔ اپنے عروج کے زمانے میں طوس دو حصوں میں تقسیم تھا۔ ایک حصہ کا نام طابران اور دوسرے کا نام نوقان تھا۔ ابو عبداللہ یاقوت الحموی کے مطابق طوس چار شہروں کے مجموعہ کا نام ہے۔ جن میں دو شہر بڑے تھے اور دو چھوٹے۔ (مگر اس نے مذکورہ بالا کے علاوہ دو حصوں کے نام نہیں لکھے) تفصیلات کے لیے دیکھیے: نظام الملک طوسی از عبدالرزاق کانپوری، حصہ اول ''طوس کی مختصر تاریخ''۔

۳۔ تاج الدین ابی النصر عبدالوھاب ابن تقی الدین السبکی، ''طبقات الشافعیۃ الکبریٰ''، طبع اول، مطبعہ حسینیہ مصر، ت ن، ج ۳، ص ۱۳۶

۴۔ ابن خلکان، ج ۲، ص ۱۳۰

۵۔ سلطان چغر بیگ داؤد بن میکائل بن سلجوق، طغرل بیگ کا بھائی اور خاندان سلجوق کی بنیاد رکھنے میں اس کا

شریک تھا۔۱۰۶۰ء میں چغری بیگ کا انتقال ہوا۔(اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۷، ص ۲۶۷)

۶۔عبدالرزاق کانپوری، ''نظام الملک طوسی''، نفیس اکیڈمی، کراچی، طبع دوم، ۱۹۶۰ء، ص ۵۱۔بحوالہ: دستور الوزراء، نسخہ قلمی، ص ۷

۷۔عبدالرزاق کانپوری، نظام الملک طوسی، ص ۴۷

۸۔ایضاً، ص ۴۵

۹۔عبدالرزاق کانپوری، نظام الملک طوسی، ص ۴۸۔بحوالہ: دستور الوزراء، نسخہ قلمی، ص ۷

۱۰۔ایضاً

۱۱۔ ابی (ابو) الحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی المعروف بابن اثیر، ''الکامل فی التاریخ''، دارالاحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۹۹۶ء، ج ۶، ص ۳۳۶

۱۲۔ Edward G. Browne, A Literary History of Persia, Vol II, Cambridge, 1964, p . 175

۱۳۔سبکی، طبقات الشافعیہ الکبریٰ، ج ۳، ص ۱۶۱

۱۴۔ایضاً، ص ۱۳۶

۱۵۔عماد الدین ابی الفداء اسماعیل ابن عمر بن کثیر، ''البدایۃ والنہایۃ فی التاریخ''، مطبعۃ السعادۃ مصر، ت ن، ج ۱۲، ص ۲۸۲

۱۶۔ عبدالرزاق کانپوری، نظام الملک طوسی، ص ۵۱۔بحوالہ: دستور الوزراء، نسخہ قلمی، ص ۷

۱۷۔ نام عمر، غیاث الدین لقب، ابوالفتح کنیت، اور خیام تخلص ہے۔ ایران کا نامور حکیم، مہندس اور فلسفی شاعر ہے۔ عمر خیام ۴۴۰ھ یا ۴۴۱ھ میں اپنے وطن نیشاپور میں پیدا ہوا۔ حکیم بوعلی سینا کے بعد فلسفہ وحکمت میں اسی کا درجہ ہے اور ریاضیات میں تو کوئی حکیم اس کا ہمسر نہیں ہے۔ علم طب میں بھی وہ کمال کا درجہ رکھتا تھا۔ علم لغت، فقہ، تاریخ، قرات وتفسیر سے بھی اچھی طرح واقف تھا۔ خیام کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں ابتدا سے مذاق شاعری تھا۔ لیکن علمی تحقیقات کے شوق نے اس مادہ کو عالم شباب میں ابھرنے نہیں دیا۔ لیکن عمر کے اخیر حصہ میں جب گوشہ نشین ہو کر بیٹھا تو شاعری کی طرف متوجہ ہوا۔ اپنے مفید خیالات کے اظہار کے لیے اصناف شعر میں سے صرف رباعی کو انتخاب کیا۔ اور شہرت دوام پائی۔ خیام کے سال وفات میں بہت زیادہ اختلافات ہیں لیکن صحیح یہ ہے کہ اس نے ۵۲۶ھ میں وفات پائی ہے۔ (مولانا عبدالسلام ندوی، ''حکمائے اسلام''، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، طبع اول، ۱۹۸۹ء، ج ۲، ص ۱۔۲)

۱۸۔ حسن بن صباح، فرقہ حشیشین کا بانی، اس کی تاریخ پیدائش معلوم نہیں، لیکن جب اسے فاطمی دعوت کی تبلیغ میں سعی کرنے پر مائل کیا گیا تو وہ نوجوان تھا۔ اس وقت ایران میں داعی اعظم عبدالملک ابن عطاش تھا جو سلجوق صوبوں میں سب سے بڑا داعی تھا۔ ابن عطاش نے اسے ۴۶۴ھ/۱۰۷۱ء۔۱۰۷۲ء میں اپنا نائب مقرر کیا۔ ۴۶۹ھ/۱۰۷۶ء۔۱۰۷۷ء میں اسے مصر بھیجا گیا تربیت کے لیے، جہاں وہ تقریباً تین سال رہا۔ ایران واپس آتے ہوئے اس نے اسمٰعیلی مفاد کے لیے وسیع وعریض علاقے کا سفر کیا۔ ۴۸۳ھ/ ۱۰۹۰ء۔۱۰۹۱ء میں اس نے دیلمان میں رودبار میں الموت کے چٹانی قلعے پر، وہاں پر متعین محافظ دستے میں سے اسمٰعیلیوں کی مدد سے قبضہ کرلیا۔ سلجوقی حکومت کے خلاف اسمٰعیلیوں کی عام بغاوت میں یہ پہلی شورش

تھی، جس میں قلعوں پر قبضہ کرنے اور اہم دشمنوں کو قتل کرنے پر زور دیا گیا۔ جن لوگوں کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا گیا اس فہرست میں نظام الملک کا نام سرفہرست تھا۔ چنانچہ ۴۸۵ھ/۱۰۹۲ء میں اسے قتل کر دیا گیا۔ اسمٰعیلیوں نے جس طرح منظم طور پر ان وارداتوں کا آغاز کیا اس سے لوگوں میں ایک خاص قسم کی دہشت پھیل گئی۔ ابتدائی دور میں اسمٰعیلی خصوصاً حسن بن صباح کے پیروکار اسمٰعیلی عام آبادی کے ساتھ ملے جلے رہتے تھے، اور اصولِ تقیہ پر عمل کرتے ہوئے اپنے باطنی معتقدات کو لوگوں سے چھپائے رکھتے تھے۔ کسی مستبد قاضی یا امیر سے نجات حاصل کرنے کے لیے جن اسمٰعیلیوں کو نامزد کیا جاتا تھا وہ انتہائی فداکاری کے ساتھ اپنے شکار کا پیچھا کرتے اور انجام کار اسے برملا قتل کر ڈالتے۔ ملک شاہ کی وفات (۴۸۵ھ/۱۰۹۲ء) کے بعد انھیں خاصی کامیابی حاصل ہوئی۔ حسن بن صباح رودبار میں ایک قائد کی حیثیت سے، وہاں متعدد قلعوں پر قبضہ کر رہا تھا۔ ۴۹۸ھ/۱۱۰۴ء کے بعد محمد بن ملک شاہ کے عہد میں، سلجوقی فوجوں نے اصفہان کے نزدیک ابن عطاش کے بیٹے کے صدر دفاتر سمیت بہت سے قلعے واپس لے لیے لیکن الموت میں حسن کا مورچہ بہت مضبوط قلعہ ثابت ہوا، جو مسلسل سلجوقی حملوں کا مقابلہ کر رہا تھا۔ ۵۱۱ھ/۱۱۱۸ء میں الموت کا بڑا محاصرہ محمد بن ملک شاہ کی وفات پر ٹوٹ گیا۔ اس وقت تک حسن بن صباح کو ابن عطاش کی موت کے بعد حشیشین کا داعی اعظم تسلیم کر لیا گیا تھا۔ ۵۱۸ھ/۱۱۲۴ء میں حسن بن صباح، کیا بزرگ رودباری کو اپنا جانشین بنانے کے بعد فوت ہو گیا۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج۸، ص۲۴۶ تا ۶۴۸، نیز دیکھیے: ج۳،ص ۱۹۶)

۱۹۔ عبدالرزاق کانپوری، نظام الملک طوسی، ص۵۳

۲۰۔رشید الدین فضل اللہ، جامع التواریخ ،لندن، ۱۹۱۰ء، ص ۶۷

۲۱۔عبدالرزاق کانپوری، نظام الملک طوسی، ص ۵۴

۲۲۔ بخارا عالم اسلام اور وسط ایشیا میں بالخصوص اسلامی تہذیب وتمدن کا عظیم الشان مرکز جو دریائے زرافشان کی زیریں گزرگاہ پر ایک بڑے نخلستان میں واقع تھا، آجکل ازبکستان میں شامل ہے، اس عہد میں دارالعلوم تھا اور کمالات علمیہ کے شائق اطراف عالم سے بخارا آیا کرتے تھے۔ (دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۴، ص ۱۱۰)

۲۳۔فضل اللہ نام اور ابوسعید کنیت ہے۔آپ کے والد کا نام ابوالخیر محمد تھا۔ پانچویں صدی ہجری کے مشاہیر صوفیہ سے ہیں۔شیخ کے والد ابوالخیر علم نباتات میں کامل مہارت رکھتے تھے اور جنگل سے بوٹیاں لاکر فروخت کیا کرتے تھے۔مگر ایک زمانہ وہ آیا کہ سلطان محمود غزنوی کے مصاحبوں میں داخل ہوئے۔شیخ ابوسعید علوم ظاہری میں کامل اور حدیث، فقہ، تفسیر میں بے مثل تھے، اکثر اوقات کتب تصوف کے مطالعہ میں مشغول رہا کرتے تھے، ۸۳ برس کی عمر میں بمقام نیشا پور ۴۴۱ھ رجنوری ۱۰۴۹ء میں انتقال ہوا۔ (عبدالرزاق کانپوری، ص ۵۴۔۵۵)

۲۴۔عبدالرزاق کانپوری، نظا الملک طوسی، ص ۵۵۔۵۶

۲۵۔ایضاً، ص ۵۶

۲۶۔ایضاً، ص ۵۸

۲۷۔عبدالرشید ابن محمود غزنوی، غزنوی خاندان کا نواں حکمران تھا، جس کا مؤسس سبکتگین تھا، جوسامانیوں کا

جرنیل اور صوبہ دار تھا۔ علی مسعود کی معزولی کے بعد مئی ۱۰۴۹ء میں عبدالرشید بن محمود غزنوی تخت نشین ہوا۔ ۱۰ شوال ۴۴۳ھ/۱۴/۱۴ فروری ۱۰۵۳ء کو قتل کیا گیا۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۲/۱۴، ص ۵۱۷)

۲۸۔ سبکی، ج ۳، ص ۱۳۷

۲۹۔ عبدالرزاق کانپوری، ص ۵۸

۳۰۔ نامور مدبر خواجہ ابوعلی احمد بن شاذان طغرل بیگ سلجوقی کا ملازم تھا، ایک عرصے تک بلخ میں گورنر رہا۔ اخیر عمر میں طغرل بیگ کا وزیر بھی ہوگیا تھا۔ لیکن کبرسنی کے باعث وزارت سے استعفیٰ دے دیا۔ اور طغرل بیگ سے خواجہ حسن کے واسطے سفارش کی کہ یہ الپ ارسلان کا وزیر کہا جائے۔ چنانچہ خواجہ عبدالملک ابونصر کندوری کے بعد الپ ارسلان نے خواجہ کو وزیر مقرر کردیا تھا اور یہی سبب ہے کہ جب الپ ارسلان خواجہ کی کارگزاری سے خوش ہوتا تھا تو خواجہ ابوعلی کو دعائے خیر سے یاد کرتا تھا۔ (عبدالرزاق کانپوری، ص ۵۸)

۳۱۔ عبدالرزاق کانپوری، ص ۵۹

۳۲۔ خواجہ کی روایت ہے کہ جب میرے پاس کچھ سرمایہ جمع ہوجاتا تو ابن شاذان مجھ پر جرمانہ کرکے وصول کرلیتا تھا، اور یہ تو اس کا ایک معمولی فقرہ تھا کہ ''حسن اب تو تم خوب فربہ ہوگئے ہو'' غرض کہ ہر سال یونہی تمام نقدی چھین لی جاتی تھی اور عذر کرنے پر جواب ملتا تھا کہ '' کاتب کو صرف قلم کافی ہے''۔ عبدالرزاق کانپوری، نظام الملک طوسی، ص ۵۹۔ بحوالہ: گنج دانش، ص ۳۵۰

۳۳۔ الپ ارسلان عضدالدولہ محمد بن داؤد چغری بیگ، مشہور سلجوقی سلطان اپنے خاندان کا دوسرا فرمانروا تھا۔ ۱۰۷۲ء میں اس کا انتقال ہوا۔

۳۴۔ابن اثیر، ج ۶، ص ۳۳۷

۳۵۔عبدالرزاق کانپوری، ص ۵۹

۳۶۔سبکی، ج ۳، ص ۳۶۔

۳۷۔اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۲۲، ص ۳۶۵

۳۸۔ابونصر محمد بن منصور بن محمد، الملقب عمید الملک الکندری، جود وسخاوت اور کتابت وشہامت میں مردِ زمانہ تھا۔ سلطان طغرل بیگ نے اسے اپنا وزیر بنایا۔ اس نے اس کے ہاں بلند مرتبہ اور جلیل القدر مقام حاصل کرلیا۔ یہ اس حکومت کا پہلا وزیر تھا۔ طغرل بیگ کے بعد الپ ارسلان نے حکومت سنبھالی اور اسے اس کے منصب پر قائم رکھا۔ ابونصر الکندری، شوافع سے بہت تعصب رکھتا تھا۔ اپنے تعصب میں وہ یہاں تک پہنچ گیا کہ اس نے خراسان کے منابر پر روافض پر لعنت کرنے کے بارے میں الپ ارسلان سے گفتگو کی اس نے اس کے بارے میں اجازت دے دی، سو اس نے ان پر لعنت کی اور ان کے ساتھ اشعریہ کو بھی ملایا۔ جس کی بناء پر ابوالقاسم قشیری اور امام الحرمین جوینی وغیرہ نے خراسان چھوڑ دیا۔ محرم ۴۵۶ھ میں الپ ارسلان نے اسے معزول کر دیا۔ ۱۶ ذی الحجہ ۴۵۶ھ کو اس کا قتل ہوا۔ (دیکھیے: ابن خلکان، ج ۵، ص ۱۳۸۔۱۴۲)

۳۹۔اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۲۲، ص ۳۶۵

۴۰۔ایضاً

۴۱۔ایضاً

۴۲۔ابن اثیر، ج ۶، ص ۲۲۲

۴۳۔ A Literary History of Persia , p. 174

۴۴۔رضوان علی رضوی، نظام الملک طوسی،شعبہ تصنیف وتالیف وترجمہ، جامعہ کراچی،۱۹۹۵ء،ص۲۲

۴۵۔ابن اثیر،ج۶،ص۲۲۶

۴۶۔رضوان علی رضوی،ص۲۲

۴۷۔ A Literary Historyof Persia, p. 175

۴۸۔ایضاً

۴۹۔ایضاً،ص۱۷۶

۵۰۔ابن اثیر،ج۱۰،ص۷۲

۵۱۔عبدالرزاق کانپوری۔ص۱۴۳

۵۲۔بیہقی،ابوالحسن علی بن زید،تاریخ بیہقی،انتشارات فروغی،تہران،طبع دوم،ص۱۷۴

۵۳۔راوندی،محمد بن علی بن سلیمان،راحۃ الصدوروآیۃ السرور،لائیڈن،۱۹۲۱ء،ص۱۳۲

۵۴۔عبدالرزاق کانپوری،ص۱۴۴

۵۵۔بعض مخلص دوستوں نے نظام الملک سے کہا کہ ممکن ہے کبھی اختیارات کی ایسی تقسیم سلطان کو ناگوار گزرے۔لیکن نظام الملک نے جواب میں کہا کہ اگر ایسے بااختیار عہدوں پر غیر لوگ مسلط کردیے جائیں تو جونتیجہ ہوگا،وہ میں جانتا ہوں۔(اردو دائرہ معارف اسلامیہ،ج۲۲،س۳۷۶)

۵۶۔اردو دائرہ معارف اسلامیہ،ج۱۵،س۲۰۳

۵۷۔ایضاً

۵۸۔ابن اثیر، ج ۶،ص ۳۶۰

۵۹۔ایضاً،ص ۴۶۵

۶۰۔ایضاً،ص ۴۷۷

۶۱۔ایضاً،ص ۳۵۴

۶۲۔ایضاً،ص ۳۷۱

۶۳۔ایضاً،ص ۴۸۴

۶۴۔ایضاً،ص ۲۸۵

۶۵۔ایضاً،ص ۳۴۴

۶۶۔ایضاً،ص ۳۵۴

۶۷۔ایضاً،ص ۳۷۱

۶۸۔ایضاً،ص ۵۸۹

۶۹۔ایضاً،ص ۴۷۷

۷۰۔ایضاً،ص ۵۰۲

۷۱۔ایضاً،ص ۵۰۶

۷۲۔جلال الدین عمید الدولہ ابی علی الحسن بن ابی العزعلی بن صدقہ ،عباسی خلیفہ مسترشد باللہ کا وزیر تھا۔ وزیر

مذکور نے رجب ۵۲۲ھ میں وفات پائی۔ (ابن خلکان، ج ۴، ص ۶۴)

۷۳۔ ابن اثیر، ج ۶، ص ۸۸۲

۷۴۔ ایضاً، ص ۵۸۹

۷۵۔ ایضاً، ص ۵۹۰

۷۶۔ ایضاً، ص ۳۵۲

۷۷۔ ابوالحسن علی بن زید، ''تاریخ بیہق''، تصحیح: احمد بہمیار، انتشارات فروغی، طبع دوم، تہران، ص ۷۴

۷۸۔ عبدالرزاق کانپوری، نظام الملک طوسی، ص ۱۴۵

۷۹۔ ایضاً

۸۰۔ تاریخ بیہق، ص ۷۴

۸۱۔ ابن خلکان، ج ۵، ص ۱۳۰

۸۲۔ اس بارے میں مشہور شاعر شریف ابویعلی ابن الھباریۃ کہتا ہے:

قل للوزیر ولا تفزعک هیبته

وان تعاظم واستولی لمنصبه

لولا ابنة الشیخ مااستوزرت ثانیة

فاشکر حراً صرت مولانا الوزیر به

وزیر سے کہہ اسکی ہیبت تجھے خوفزدہ نہ کرے، اگر چہ وہ بڑا ہو گیا ہے اور اپنے منصب پر قابض ہو گیا

ہے۔ اگر شیخ کی بیٹی نہ ہوتی تو تو دوسری بار وزارت حاصل نہ کرتا، پس تو شریف آدمی کا شکر ادا کر جس کے باعث تو ہمارا آقا وزیر بن گیا ہے۔ (ابن خلکان، ج ۵، ص ۱۳۲)

۸۳۔ ابن خلکان، ج ۵، ص ۱۳۴

۸۴۔ اقبال آشتیانی، ''وزارت در عہد سلاطین بزرگ سلجوقی، انتشارات دانشگاہ تہران، ۱۳۳۸ء، ص ۸۱

۸۵۔ عبدالرزاق کانپوری، نظام الملک طوسی، ص ۱۴۷

۸۶۔ ابن خلکان، ج ۵، ص ۲۵۷

۸۷۔ ایضاً، ص ۲۵۸

۸۸۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۲۲، ص ۳۷۵

۸۹۔ ابن اثیر، ج ۶، ص ۳۳۷

۹۰۔ عبدالرزاق کانپوری، ص ۶۸

۹۱۔ ابن خلکان، ج ۲، ص ۱۲۹

۹۲۔ سبکی، ج ۳، ص ۱۴۰

۹۳۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۲۲، ص ۳۷۶

۹۴۔ امیر معزی نامور شاعر عبدالملک سمرقندی کا بیٹا تھا۔ اصلی نام محمد تھا۔ عبدالملک چونکہ خود صاحب فضل و کمال تھا۔ اس لیے ابتدائی تعلیم کے بعد محمد کو سمرقند سے تکمیل علوم وفنون کے لیے خراسان بھیج دیا۔ یہاں کی درسگاہوں سے بحیثیت طالب علم محمد نے استفادہ کیا۔ عبدالملک ابتداً سلطان ابراہیم غزنوی کے دربار سے

متعلق تھا۔ لیکن سلطنت غزنویہ کی بربادی کے بعد ملک شاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ملازم ہو گیا۔ جب عبدالملک سمرقندی کا انتقال ہوا تو سلطان نے اس کا وظیفہ محمد کے نام منتقل کر دیا۔ جلد ہی ملک شاہ کی قدردانی سے محمد امیر معزی کے خطاب، سے ممتاز ہو کر درجہ اعلیٰ پر پہنچ گیا امیر معزی نے ۵۴۲ھ/۱۱۴۷ء میں بمقام مرو انتقال کیا۔ (عبدالرزاق کانپوری، ص ۳۴۹۔۳۵۰)

۹۵۔ حکیم لامعی جرجان کا باشندہ تھا۔ ابتدائے حال میں وطن سے خراسان آیا اور امام غزالی سے کسب فیض کیا۔ سلطان سنجر کے زمانے میں بمقام سمرقند انتقال ہوا اور وہیں دفن ہوا۔ (محولا بالا، ص ۳۶۰۔۳۶۱)

۹۶۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۲۲، ص ۳۷۵

۹۷۔ عبدالرزاق کانپوری، ص ۱۷

۹۸۔ نظامی عروضی، چہار مقالہ، طہران، ۱۳۰۵ھ/۱۸۸۷ء، ص ۸۹

۹۹۔ عبدالرزاق کانپوری، ص ۷۰

۱۰۰۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۲۲، ص ۳۷۵

۱۰۱۔ دولت شاہ سمرقندی، ''تذکرۃ الشعراء''، تحقیق: محمد عباسی، انتشارات بارانی، تہران، ۱۳۳۷ء، ص ۲۷

۱۰۲۔ عبدالرزاق کانپوری، ص ۲۷

۱۰۳۔ ایضاً، ملاحظہ ہو ص ۲۷ تا ۵۷

۱۰۴۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۲۲، ص ۳۷۳

۱۰۵۔ عبدالرزاق کانپوری، ص ۷۶

۱۰۶۔ نظام الملک، سیاست نامہ، مترجمہ: محمد منور، لاہور، ۱۹۶۱ء، ص ۵۲

۱۰۷۔ ایضاً

۱۰۸۔ رضوان علی رضوی، نظام الملک طوسی، ص ۳۹

۱۰۹۔ ایضاً، ص ۴۳

۱۱۰۔ ایضاً، ص ۱۱۲۔۱۱۳

۱۱۱۔ ایضاً، ص ۱۳۹۔۱۴۰

۱۱۲۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۲۲، ص ۴۷۴

۱۱۳۔ عبدالرزاق کانپوری، ص ۷۶

۱۱۴۔ ایضاً

۱۱۵۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۲۲، ص ۴۷۴

۱۱۶۔ تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: ''دستور الوزراء'' مترجمہ: عبدالرزاق کانپوری، مشمولہ ''نظام الملک طوسی''

ص ۲۹۳ تا ۳۷۴

۱۱۷۔ نظام الملک شافعی المذہب تھا اور سخت متعصب مگر اس تعصب سے وہ بغض و عداوت اور نفرت مراد نہیں ہے جو دوسرے مذہب والے کے ساتھ برتی جائے۔ بلکہ شدۃ فی المذہب مقصود ہے۔ طغرل بیگ کے وزیر عمید الملک کندری نے اپنے عہد وزارت میں سلطان کی اجازت سے یہ حکم جاری کیا کہ ''روافض پر لعنت کی جائے''۔ اور جب تمام ملک میں اس پر عمل درآمد ہو گیا تو ''اشاعرہ'' کی نسبت بھی یہی حکم دیا۔ عمید الملک کی

اس متعصبانہ کاروائی سے ملک کے نامور آئمہ امام الحرمین، ابوالقاسم قشیری اور حافظ ابوبکر بیہقی وغیرہ ناراض ہوکر ملک چھوڑ کر چلے گئے۔ طغرل بیگ کے انتقال پر جب الپ ارسلان تخت نشین ہوا اور خواجہ نظام الملک مستقل وزیر تو خواجہ نے سب سے پہلے یہ فرمان جاری کیا کہ ''اشاعرہ اور روافض پر جو لعن کی جاتی ہے وہ نہ کی جائے''، جس کے بعد یہ علماء اپنے وطن واپس لوٹے۔ (ابن اثیر، ج ٦، ص ٢٣٧)

١١٨۔ ابن اثیر، ج ٦، ص ٣٣٧

١١٩۔ الشریف ابو یعلی محمد بن محمد بن صالح، المعروف بابن الهباریہ، الملقب نظام الدین بغدادی، مشہور شاعر تھا۔ عمدہ شعر کہتا تھا لیکن بہت ہجو گو اور لوگوں کی عیب گیری کرنے والا تھا، کوئی شخص اس کی زبان سے محفوظ نہ رہ سکتا تھا۔ نظام الملک کے دربار سے وابستہ تھا۔ نظام الملک نے اس پر مسلسل نوازشات وانعامات کیے۔ ایک مدت تک اصبہان میں قیام کرنے کے بعد یہ کرمان چلا گیا اور وہیں ٥٠٤ھ میں اس کا انتقال ہوا۔

(ابن خلکان، ج ٤، ص ٤٥٣۔ ٤٥٧)

١٢٠۔ ابن خلکان، ج ٤، ص ٤٥٣۔ ٤٥٤

١٢١۔ سبکی، ج ٣، ص ١٦١

١٢٢۔ ابن اثیر، ج ٦، ص ٢٣٨

١٢٣۔ ایضاً

١٢٤۔ ابن خلکان، ج ٢، ص ١٢٨

١٢٥۔ ابن اثیر، ج ٦، ص ٣٣٧

۱۲۶۔ایضاً

۱۲۷۔عبدالرزاق کانپوری،ص ۱۱۸

۱۲۸۔آثارالوزراء، سیف الدین بحوالہ عبدالرزاق کانپوری،ص ۱۳۶

۱۲۹۔سبکی، ج ۳، ص ۱۳۶

۱۳۰۔ابن اثیر، ج ۶، ص ۲۳۷

۱۳۱۔سبکی، ج ۳، ص ۱۴۰

۱۳۲۔ایضاً، ص ۱۳۷۔۱۳۸

۱۳۳۔ایضاً، ص ۱۳۸

۱۳۴۔عبدالرزاق کانپوری،ص ۱۴۶

۱۳۵۔سبکی، ج ۳، ص ۱۴۲

۱۳۶۔سبکی، ج ۳، ص ۱۴۴

۱۳۷۔ایضاً

۱۳۸۔ایضاً

۱۳۹۔عبدالرزاق کانپوری،ص ۱۴۸

۱۴۰۔دیوان الانشاء والطغرا سلجوقی عہد کے ایک بڑے دفتر کا نام ہے جو وزیر کے ماتحت ہوتا تھا۔

۱۴۱۔عبدالرزاق کانپوری، ص ۱۴۸۔۱۴۹

۱۴۲۔ترکن خاتون جو حرم بزرگ اور خاتون جلالیہ کے نام سے مشہور ہے۔عمادالدولہ طفقاج خان ابوالمظفر ابراہیم ابن نصر ایلک کی بیٹی تھی۔ ۱۷۴ھ میں ملک شاہ نے اس سے عقد کیا۔ ملک شاہ اس کی کسی بات کو رد نہیں کرتا تھا۔ ملکی مشورہ میں بھی شریک رہتی تھی۔ ۴۸۷ھ/۱۰۹۶ء میں بمقام اصفہان انتقال کیا۔ (عبدالرزاق کانپوری، ص۱۴۹)

۱۴۳۔رضوان علی رضوی، ص ۱۶۵

۱۴۴۔محمود تمام ممکنہ امیدواروں میں سب سے کمسن تھا۔

۱۴۵۔برکیارق سلجوقی شہزادی زبیدہ خاتون کا بیٹا تھا جو یاقوتی بن چغری بیگ کی بیٹی تھی۔

۱۴۶۔عبدالرزاق کانپوری، ص۱۵۰۔۱۵۱

۱۴۷۔نظام الملک کے بارہ بیٹے تھے جنہیں اس نے متعدد کلیدی عہدوں پر فائز کیا تھا تا کہ پوری سلطنت پر گرفت مضبوط رہے۔

۱۴۸۔سبکی، ج ۳، ص۱۴۲

۱۴۹۔ایضاً

۱۵۰۔اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۲۲، ص ۳۷۰

۱۵۱۔سبکی، ج ۳، ص۱۴۳

۱۵۲۔ابن اثیر، ج ۶، ص ۳۳۵

۱۵۳۔راوندی، محمد بن علی بن سلیمان، ’’راحۃ الصدور وآیۃ الصدور‘‘، لیدن، ۱۹۲۱ء، ص۱۳۴

۱۵۴۔ میر خواند، میر محمد بن سید برھان الدین، ''تاریخ روضۃ الصفا''، چاپ پیروز، تہران، ۱۳۳۸ء،

ص ۷۷

۱۵۵۔ A Literary History of Persia, P 185

۱۵۶۔ تاریخ روضۃ الصفاء، ص

۱۵۷۔ رضوان علی رضوی، ص ۳۰

۱۵۸۔ The Cambridge History of Iran, P, 263

۱۵۹۔ ابن خلکان، ج ۵، ص ۹

۱۶۰۔ The Cambridge History of Iran, P, 102

۱۶۱۔ ایضاً، ص ۷۰

۱۶۲۔ ایضاً، ص ۱۰۲

۱۶۳۔ نہاوند ۲۰ھ/۶۴۲ء میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں فتح ہوا تھا۔ اور اس فتح سے پورے عراق عجم پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا تھا۔ چنانچہ تاریخ میں اس فتح کا نام ''فتح الفتوح'' ہے۔ اس فوج کے سردار حذیفہ بن یمان تھے۔ اس جنگ میں تقریباً ۳۰ ہزار عجمی مارے گئے تھے۔ (فتوح البلدان، ''فتح نہاوند'' ص ۵۲۳)

۱۶۴۔ سبکی، ج ۳، ص ۱۴۲

۱۶۵۔ ایضاً

۱۶۶۔ایضاً

۱۶۷۔A Literary History of Persia, P 185

۱۶۸۔سبکی، ج۳، ص۱۴۲

۱۶۹۔ایضاً

۱۷۰۔ایضاً

۱۷۱۔گنج دانش، ص۳۵۰ بحوالہ عبدالرزاق کانپوری، ص۱۶۴

۱۷۲۔ابن اثیر، ج۶، ص۳۳۸

باب سوم

نظامیہ بغداد

(آغاز وانجام۔ درس وتدریس۔ انتظام وانصرام)

۴۵۹ھ (۶۷۔۱۰۶۶ء) کی تاریخی اہمیت اس بنا پر ہمیشہ برقرار رہے گی کہ اس سال مسلمانوں کی تعلیم کے ایک دور کا آغاز ہوا اور اسی سال عالمِ اسلام میں مدرسوں کی بنیاد پڑی۔ (۱)

خواجہ نظام الملک کی نسبت مشہور ہے کہ وہ پہلا شخص ہے، جس نے اسلامی دنیا میں سب سے اول مدرسہ قائم کیا۔ ابن خلکان لکھتا ہے:

هو اول من انشاء المدارس فاقتدیٰ به الناس (۲)

یعنی وہ پہلا شخص ہے جس نے مدارس قائم کیے پھر لوگوں نے اس کی تقلید کی۔

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ مدرسہ نظامیہ بغداد سے پہلے بھی کئی مدرسے موجود تھے۔ سبکی نے طبقات الشافعیہ میں خواجہ نظام الملک کے حالات کے ضمن میں اس بات پر حیرت کا اظہار کیا ہے کہ نیشاپور میں پرانے مدرسوں کے ہوتے ہوئے بھی نظام الملک کو اس باب میں پہلا موسس کیوں مانا جاتا ہے؟ اس پر بحث کرتے ہوئے اس نے جو کچھ لکھا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نظام الملک وہ پہلا شخص ہے جس نے مدارس کو ترتیب خاص کے ساتھ قائم کیا، نہ یہ کہ وہ اولین موسس مدارس اسلامی تھا۔ (۳)

نظام الملک سے قبل مدراس کا قیام خواہ علمائے اسلام کے ذریعہ سے ہوا ہو یا بادشاہوں، خلفاء اور ارکانِ سلطنت کی جانب سے ہوا ہو، یہ سب ایک پرائیویٹ اور قومی پہلو سے ہوا ہے نہ کہ سرکاری اور مملکتی سطح پر۔ پھر ان مدارس کی تعداد محدود رہی اور ایک عالم یا ایک فقیہ کی تدریس اور طلبہ کی ایک محدود تعداد تک منحصر رہے۔ پھر اگر اساتذہ اور طلبہ کے لیے تنخواہیں اور ماہانہ وظائف تھے بھی تو تقریباً نادر اور استثنائی تھے۔ یہ تنخواہیں اور وظائف بھی شخصی مال اور افراد کے ذاتی سرمایہ سے دیے جاتے تھے۔ مگر خواجہ نظام الملک وہ پہلا شخص تھا جس نے بادشاہِ وقت کی رضامندی سے اپنے زیرِ اقتدار تمام اسلامی شہروں اور علاقوں میں مدرسے تعمیر کیے اور انہیں ایک نظم (بورڈ یا وفاق) کے ماتحت کیا۔ ملکی سطح پر اور مملکت کے خرچ پر سلسلہء مدارس کا قیام اور انہیں ایک نظم کے تحت لانا ایک نئی بات تھی جس کی پہلے کوئی مثال نہیں ملتی۔ (۴)

اس کارِ خیر کی ابتدا کے بارے میں ''زبدۃ التواریخ'' کے مولف حافظ ابرو نے لکھا ہے:

''ایک دن سلطان الپ ارسلان نیشاپور گیا، فقہاء کی ایک جماعت مسجد کے دروازے پر کھڑی تھی،

سلطان نے دریافت کیا: یہ کون لوگ ہیں؟ نظام الملک نے کہا: یہ علماء ہیں اور یہ بہترین انسان ہیں اس لیے کہ انہوں نے فانی دنیا کی لذتوں کو چھوڑا ہوا ہے اور نفس کے فضائل و کمال پر متوجہ ہیں۔ سلطان کے دل میں ان کا احترام پیدا ہوا۔ نظام الملک نے عرض کی کہ اگر اجازت ہو تو ہر شہر میں ایک ایسی جگہ تعمیر کی جائے کہ یہ حضرات وہاں تشریف رکھیں، ان کے لیے وظیفہ مقرر کر دیا جائے تا کہ یہ حضرات فراغت و آرام کے ساتھ خدمتِ علم میں مشغول رہیں اور سلطان کی مملکت کے دوام کی دعا کرتے رہیں۔ سلطان نے اجازت دے دی تو نظام الملک نے ملک کے تمام علاقوں میں مدارس کی بنیاد رکھنے کا حکم بھیجا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس سال سلطان کے سرمایہ سے ستر مدرسے بنائے گئے اور یہ نظام الملک وہ پہلا شخص ہے جس نے یہ عمدہ طریقہ اختیار کیا۔ (۵)

عبدالرزاق کانپوری کے مطابق نظامیہ بغداد کے قیام کی تحریک یوں ہوئی کہ ایک دن شیخ الشیوخ ابو سعد صوفی نیشاپوری خواجہ سے ملنے آئے اور کہا کہ آپ کے نام سے مدینۃ السلام (بغداد) میں ایک مدرسہ تعمیر کرنا چاہتا ہوں، جس کے ذریعہ سے آپ کا نام قیامت تک زندہ رہے گا۔ خواجہ نے کہا: بہت خوب! ضرور بنایئے۔ چنانچہ خواجہ نے فراہمی سامان کے لیے اپنے وکلاء کو اسی وقت حکم دے دیا اور شیخ نے دجلہ کے کنارے ایک خوبصورت قطعہ اراضی خرید کر مدرسہ کا سنگ بنیاد رکھا۔ (۶)

عماد الدین الاصفہانی کے مطابق ''نظام الملک کو جس شہر میں بھی کوئی عالم فاضل نظر آ جاتا وہیں فوراً ایک مدرسہ تعمیر ہو جاتا ہے اور اس شخص کو درس و تدریس کا کام سپرد کر دیا جاتا ہے۔ نظام الملک کی طرف سے وقف کی امداد کے علاوہ کتب خانہ بھی مہیا کیا جاتا ہے۔'' (۷)

خواجہ نظام الملک نے بغداد، بلخ، نیشاپور، ہرات، اصفہان، بصرہ، مرو، آمل طبرستان، موصل اور عراق وخراسان کے ہر شہر میں مدرسے تعمیر کرائے اور یہ سب مدرسہ نظامیہ کے نام سے مشہور ہوئے۔ (۸)

نظامیہ بغداد ان مدارس میں سے سب سے بڑا اور مشہور مدرسہ تھا جو خواجہ نظام الملک طوسی کے حکم سے پانچویں صدی ہجری کے نصف دوم کے اوائل میں عباسی دارالخلافہ مدینۃ السلام بغداد میں تعمیر ہوا۔ بغداد جو اس زمانے میں دنیائے اسلام کا ایک اہم ترین سیاسی و علمی اور ادبی مرکز تھا۔ یہ مدرسہ وسیع انتظامات اور باشکوہ پروگراموں (جن کی ماضی میں مثال نہیں ملتی) کے ساتھ قائم ہوا۔ خواجہ نے اہل علم اساتذہ کا انتخاب کیا، مدرسین اور طلبہ کے لیے تنخواہیں اور وظائف مقرر کیے اور نظامیہ بغداد میں ایسے نئے پروگرام بنائے کہ مدرسہ نظامیہ عالم اسلام کے مشرقی حصہ میں مذاہب اہل سنت کا سب سے بڑا مذہبی اور تبلیغی مرکز بن جائے۔ تاکہ وہ اس مدرسہ کے ذریعہ سے اسماعیلیوں کی مؤثر تبلیغ اور پروپیگنڈہ کا مقابلہ کر سکے جو فاطمی خلفاء کے مرکز میں واقع جامع الازہر قاہرہ (۹) کی طرف سے نہایت تیزی سے عباسی خلافت اور مذاہب اہلسنت کے خلاف جاری تھا۔ (۱۰) اس مقصد کی خاطر اس نے اپنے سیاسی اثر ورسوخ اور تمام مادی امکانات کو اس مدرسہ کو عظیم تر بنانے میں لگا دیا۔ جس کی بدولت نظامیہ بغداد بہت ہی جلد ایک بڑے اسلامی دارالعلوم کی صورت میں ظاہر ہوا اور اس نے دور دراز اسلامی علاقوں کے طلبہ کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ نظامیہ بغداد تین صدیوں تک عملاً قائم رہا اور اسلامی ممالک کے ارباب دانش کا قبلہ بنا رہا۔

نظامیہ کی عمارت کا آغاز

نظامیہ بغداد کی تعمیر کا آغاز بروز سہ شنبہ یکم ذی القعدہ ۴۵۷ھ مطابق ۱۴/۱ اکتوبر ۱۰۶۵ء کو شہر بغداد

کے مشرقی حصے میں دریائے دجلہ کے کنارے ایک وسیع و عریض قطعہ زمین پر مدرسہ کی تعمیر کا آغاز ہوا۔ تعمیر کے نگران شیخ الشیوخ ابو سعد صوفی نیشاپوری تھے۔ دو سال تک تعمیر کا کام جاری رہا اور یکم ذی القعدہ ۴۵۹ھ مطابق ۱۳/ ستمبر ۱۰۶۷ء کو عمارت کی تعمیر مکمل ہوئی۔ (۱۱) عمارت کے صدر دروازے پر نظام الملک کا نام نقش کیا گیا۔ مدرسہ کے چاروں طرف بازار بنائے گئے اور حمام تعمیر کرائے گے۔ جس سے ایک طرف تو عمارت کے حسن میں اضافہ ہوا اور دوسری طرف مدرسہ کے لیے مادی آمدنی کا بھی بندوبست ہوگیا۔ مدرسہ کی لاگت تعمیر ساٹھ ہزار دینار ہوئی۔ خواجہ نے اس صرفہ کو منظور کیا اور رقم شیخ ابو سعد کو ادا کردی گئی۔ (۱۲) اتنی خطیر رقم خرچ کر کے جو عمارت بنائی گئی ہو اس کی وسعت کا اندازہ لگانا آسان نہیں۔ خصوصاً اس لیے بھی کہ اس زمانے میں تعمیری سامان کی قیمت اور معماروں کی اجرت نسبتاً بہت کم تھی۔ (۱۳)

نظامیہ کا محل وقوع

یہ مدرسہ بغداد کے مشرقی حصہ میں دجلہ کے ساحل پر واقع تھا اور ''سوق الثلاثا'' (۱۴) کے نام سے مشہور بازار کے وسط میں باب الازج کے نزدیک اور بغداد کے معروف عمارات میں سے ایک مدرسہ فرجان سے متصل واقع تھا۔ اس کے اردگرد مدرسہ کے لیے وقف بازار تعمیر کیے گئے۔ (۱۵) موقعہ کے لحاظ سے اس سے بہتر دوسری جگہ نہ تھی۔ شاہی محلات اور آباد بازار سب نظامیہ سے ملحق تھے۔ خود خواجہ نے ایک بڑا بازار بنوایا تھا جس کی وجہ سے نظامیہ کی شان و شوکت بہت بڑھ گئی تھی۔ (۱۶)

تعمیری خصوصیات اور نظامیہ کی وسعت

نظامیہ بغداد اپنی خوبصورتی، کاشیکاری اور عمارتی ترتیب کے لحاظ سے بھی اپنی نوعیت کا ایک منفرد،

بے مثال اور ضرب المثل مدرسہ تھا اور یوں دنیا کے بہت بڑے مدرسوں میں سے ایک تھا۔ (۱۷)

جیسا کہ آج کل کی ترقی یافتہ جامعات میں دستور ہے، مدارس نظامیہ کے ساتھ اساتذہ اور طلبہ کے مخصوص سکونتی مکانات اور کتب خانے ہوتے تھے۔ عماد الدین الاصفہانی کے مطابق نظامیہ میں کئی اقامت گاہیں تھیں جن میں معلمین اور متعلمین رہا کرتے تھے۔ (۱۸) ان مدارس کی عمارت زیادہ تر ایک چار گوشہ پر مشتمل ہوتی تھی۔ جس میں چار ایوان طولاً و عرضاً محوروں میں ہوتے تھے۔ رہائشی کمرے، انتظامی دفاتر اور کتاب خانے عمارے کے کونوں میں بنائے جاتے تھے۔ مدارس نظامیہ قدیم ترین چہار ایوانی مدارس ہیں جو سب سے پہلے مشرقی ایران اور خراسان کے شہروں میں بنائے گئے۔ بعد میں چھٹی اور ساتویں صدی میں شام، مصر اور عالم اسلام کے مغربی علاقوں میں چہار ایوانی مدارس تعمیر کیے گئے۔ (۱۹)

اس عالیشان اور باشکوہ عمارت نے عالم اسلام کے مغرب سے بغداد آنے والے اور اسے دیکھنے والوں کے تعجب کو زیادہ کیا ہے۔ چنانچہ ابن جبیر اندلسی جس نے ۵۸۰ھ/۱۱۸۴ء میں اس مدرسہ کو دیکھا لکھتا ہے: ''بغداد کے تیس مدرسوں میں سے نظامیہ بغداد سب سے بڑا اور مشہور مدرسہ ہے۔ (۲۰) مدرسہ کی بناوٹ اور خوبصورتی اتنی اعلیٰ اور خیرہ کن تھی کہ جلیل القدر مدرسہ مستنصریہ (۲۱) جو ۶۳۱ھ میں تعمیر ہوا، کی تاسیس کے بعد اور ۶۵۶ھ/۱۲۵۸ء میں سقوط بغداد کے بعد بھی ۷۲۸ھ/۱۳۲۶ء کے سال تک، جب ابن بطوطہ نے اسے دیکھا تو اس کی نظر میں یہ مدرسہ مکمل طور پر بے مثال تھا۔ (۲۲) نظامیہ بغداد میں ایک وسیع صحن تھا۔ فقہاء اور مدرسوں کے قیام کے لیے بڑے بڑے کمرے تھے، مسجد تھی، مؤذن اور دربان کا خصوصی کمرہ تھا۔ لائبریری تھی۔ ایندھن، روشنی اور دیگر ضروری ساز و سامان کے لیے گودام تھے۔ مدرسہ کی تعمیر کی وجہ سے مشرقی بغداد کے علاقے کی بہت سی

رہائشی اراضی اور گھر اور دجلہ کے کنارے واقع محلے جو ''مشرعة الزوایا'' ''باب الشعیر'' اور ''درب الزعفرانی'' کے نام سے مشہور تھے، کام میں آ گئے۔ (۲۳)

عمارت پر مشتمل رقبہ اور مدرسہ کا وسیع و عریض صحن اردشیر عبادی مروزی، واعظ نظامیہ کی پر جوش مجلس و وعظ کے دوران حاضرین سے بھر جاتا تھا۔ اردشیر عبادی نے شوال ۴۸۶ھ نظامیہ بغداد میں وعظ شروع کیا۔ مدرس نظامیہ بغداد، امام محمد غزالی نے اس مجلسِ وعظ میں شرکت فرمائی تو مدرسہ کا صحن، اس کے برآمدے، کمرے، اردگرد کے گھر اور گھروں کی چھتیں سامعین سے اٹی پڑی تھیں۔ حاضرین کی تعداد کا اندازہ تیس ہزار لگایا گیا اور جہاں پر لوگ بیٹھے تھے اس جگہ کے طول و عرض کی پیمائش کی گئی تو ۱۲۰×۱۷۰ میٹر نکلی۔ البتہ اس جگہ میں نظامیہ کے اطراف کی زمین بھی شامل تھی۔ (۲۴)

تعمیر کا منتظم

مدرسہ سے وابستہ اوقاف کی تعمیر و خرید اور مدرسہ کی عمارت کی تعمیر میں خواجہ کا نمائندہ ان کا ایک رشتہ دار ابوسعید احمد بن محمد صوفی نیشاپوری (م ۴۷۹ھ) تھا۔ (۲۵)

مالی سرمایہ

خواجہ نظام الملک نے سالانہ چھ لاکھ دینار مدارس کی عمارت کی تعمیرات پر خرچ کرنے اور اہل علم کی مدد کرنے کے لیے مختص کر رکھے تھے۔ (۲۶) ابن بطوطہ اپنے سفر نامہ میں لکھتا ہے:

''نظام الملک نے ۲ لاکھ دینار اس کی تعمیر پر صرف کیے اور ہر سال پچاس ہزار دینار طالب علموں کے نفقے اور ذرتے پر صرف کرتا تھا۔ یہاں چھ ہزار طالب علم، علوم فقہ، تفسیر، حدیث اور ادب کی تحصیل میں

مشغول تھے۔ مدرسہ کے جملہ مصارف برداشت کرتا تھا۔ وقف نامہ کی رو سے خازن دارالکتب کو ہر ماہ دس دینار ملتے تھے۔'' (۲۷)

ابن بطوطہ کے اس بیان سے دوسرے مصارف کا اندازہ بھی کیا جا سکتا ہے۔

اوقاف

اوقاف (جنہیں احباس بھی کہا جاتا ہے) بحیثیت مجموعی، اسلامی تعلیم کے لیے مستقل اور دائمی آمدن کا بہترین ذریعہ رہا ہے۔ اسلام میں تعلیم کا تسلسل واستحکام نیز مدارس اور جامعات میں علمی کارکردگی اور نظم و تربیت کا کام جو طویل صدیوں تک پھیلا ہوا ہے۔ اوقاف کے مالی ذریعہ سے ہی وابستہ رہا ہے۔ (۲۸)

نظامیہ کے مصارف کے لیے سرکاری امداد یا ارباب خیر کی فیاضیوں اور چندوں پر اعتماد نہیں کیا گیا تھا بلکہ متعدد بازار، حمام اور زرعی جاگیریں اس کے لیے وقف تھیں۔ اس مقصد کے لیے خواجہ نظام الملک نے ابو سعید صوفی کو حکم دیا کہ مدرسہ کے اردگرد کے بازار مدرسہ کے لیے وقف کر دے۔ (۲۹) اس نے حمام، املاک، دکانیں اور کارواں سرائیں خریدیں اور سب کو نظامیہ کے وقف کر دیا تاکہ ان کی آمدنی مدرسہ کے انتظام وانصرام پر خرچ ہو۔ (۳۰) یہ گویا مستقل آمدنی تھی۔

اس کے علاوہ خواجہ نظام الملک کی ذاتی املاک کی آمدنی سے دس فیصد اور سلاجقہ کے خزانے سے دو لاکھ دینار سالانہ کی رقم جو تعلیمی اخراجات کے لیے وقف تھی، ان میں سے بھی نظامیہ کو حصہ رسدی ملتا تھا۔ (۳۱) زکوٰۃ وخیرات کا روپیہ اس کے علاوہ تھا۔ (۳۲) رؤسا وامراء اپنی جائیدادیں نظامیہ میں وقف کر دیا کرتے تھے۔ چنانچہ ابو سعد صوفی نے انتقال کے وقت ۴۷۹ھ میں تمام جائداد وقف کر دی

تھی۔(۳۳)

خواجہ کے حکم سے اوقاف اور مدرسہ کے اموال کی کیفیت رجسٹروں میں ریکارڈ رکھی جاتی تھی۔اس کے لیے خواجہ نے شرائط اور قواعد وضوابط با قاعدگی اور تاکید سے تحریر کیے اور مدرسہ کے متولیوں اور ذمہ داروں کو ان پر عمل کا پابند بنایا۔ مدرسہ کے وقف نامہ کا ایک حصہ جسے جوزی نے محفوظ کیا ہے۔اس میں یوں لکھا گیا ہے:

''وفی کتاب شرطهاانها وقف علی اصحاب الشافعی اصلا و فرعا و کذلك الاملاك الموقوفة عليها شرط فيها ان يكون علی اصحاب الشافعی اصلا و فرعا و کذلك شرط فی المدرس الذی بها و الواعظ الذی يعظ بها و متولی الکتب و شرط ان يكون فيها مقری ء يقری ء القرآن ونحوی يدرس العربية وفرض لکل قسطا من الوقف و کان يطلق ببغداد کل سنة من الصلات مائتی کر و ثمانية عشر الف دينار''(۳۴)

''وقف کرنے والے نے وقف نامہ میں یہ شرط عائد کی تھی کہ مدرسہ نظامیہ اور اس کے اوقاف اصول وفروع میں مذہب شافعی کے پیروکاروں کے لیے وقف ہوں۔ نیز مدرس، واعظ، لائبریرین، قرآن خواں اور عربی ونحو کے مدرس تمام حضرات اصول وفروع میں شافعی المذہب ہوں۔ان میں سے ہر ایک کے

لیے اوقاف میں حصہ مقرر تھا۔ سالانہ عطیات وانعامات میں سے ۲۰۰ کر (ایک پیمانہ) اور پھر اٹھارہ ہزار دینار نظامیہ کے اخراجات کی خاطر بغداد بھیجے جاتے تھے۔''

اس وقف نامے کو امیر عمید ابونصر نے جوان اوقاف کا منتظم یا اس وقف نامہ کا مرتب تھا، بروز سوموار ۲۶ جمادی الاخر ۴۶۲ھ میں عمائدین شہر کے سامنے پڑھا۔ ابوالقاسم بن فخر الدولۃ وزیر اور شافعی وحنفی مذاہب کے سربراہوں، قاضی القضاۃ اور چند بزرگ اشخاص کو وقف نامہ کی عبارت سننے کے لیے نظامیہ میں بلایا گیا تھا۔ یہ وقف نامہ وقف کردہ کتابوں، جاگیروں، املاک اور نظامیہ کے اردگرد کے بازاروں کی کیفیت کے بارے میں تھا۔ اس میں وہ شرائط بھی مذکور تھیں جن کی نظام الملک کی اولاد نے پابندی کرنا تھی۔ (۳۵)

ابوشامہ نے اپنی کتاب ''الروضتین'' میں لکھا ہے کہ نظام الملک نے جب اپنے نام پر مشہور ادارے تعمیر کیے تو ان کے اخراجات کے لیے اس نے کافی املاک وقف کیں۔ (۳۶)

درج بالا اقتباسات سے یہ بات مستنبط ہوتی ہے کہ مدرسہ کے اخراجات، خواجہ کی وفات کے بعد، مختلف ادوار میں، انہی اوقاف کی آمدنی سے پورے ہوتے تھے۔ ابن جبیر لکھتا ہے: ''مدرسین کے لیے جاگیریں اور اوقاف مقرر ہیں۔ ان کا کل اہتمام مدرسین کے سپرد ہے۔ جو طلباء مدارس میں رہتے ہیں، انھیں معقول وظیفے ملتے ہیں۔'' (۳۷)

نظام الملک نے جب امام الحرمین جوینی کے لیے مدرسہ نظامیہ نیشاپور تعمیر کیا تو خطابت، تدریس، مدرسہ کے اوقاف کے معاملات کی نگرانی اور ان سے وابستہ کام، ان کو تفویض کر دیے۔ (۳۸) زیادہ احتمال یہی ہے کہ نظام الملک نے نظامیہ بغداد میں بھی ایسے ہی کیا۔ یوں تعلیمی سرپرستی اور مدرسہ کے مالی امور کا انتظا

م یہ دونوں کام یکجا کر کے ان حضرات کے ذمہ کیے گئے جو مدارس نظامیہ میں تدریس کی ذمہ داریاں سنبھالتے تھے۔

بہر حال یہ ایک مسلّم حقیقت ہے کہ آمدنی کی یہ رقوم ہمیشہ یکساں نہیں رہتی تھیں اور سیاسی حالات ان پر براہ راست اثر انداز ہوتے تھے۔ انہی عوامل کے نتیجے میں کبھی مدرسہ کے اوقاف اور آمدنی مفاد پرست افراد کے غاصبانہ تجاوز کا نشانہ بن جاتی تھی۔ ابن جوزی نے ۵۱۷ھ کے واقعات میں لکھا ہے:

''اسعد میہنی اس سال شعبان کے آخر میں مدرسہ کی سرپرستی اور اوقاف کے انتظام و انصرام کے لیے ابن الباقرحی کا جانشین مقرر ہوا۔ بغداد آنے کے بعد اس نے وزیر احمد علی سے اس بات پر اتفاق کیا کہ فقہاء کی ایک تعداد کے حقوق و تنخواہیں بند کر دی جائیں۔ اس کے نتیجے میں تدریس کے معاملے میں خلل پیدا ہو گیا اور فقہاء نے مجالس درس میں شرکت سے اجتناب کیا۔ (۳۹)

۶۵۶ھ/۱۲۵۸ء میں ہلاکو کے ہاتھوں سقوط بغداد کے نتیجے میں نظامیہ کے اوقاف کی آمدنی اور مدرسین اور خادموں کے حقوق اور تنخواہوں کے ملنے میں خلل واقع ہوا جو ۶۷۲ھ/۱۲۷۴ء تک جاری رہا۔ اس سال خواجہ نصیر الدین طوسی نے بغداد میں اپنے قیام کے دوران حکم دیا کہ اوقاف کو بحال کیا جائے اور تنخواہیں پہلے کی طرح ادا کی جائیں۔ (۴۰) مدرسہ کا بازار جو ۶۷۰ھ/۱۲۷۱ء کی آتش زدگی میں مکمل طور پر تباہ ہو گیا تھا عطا ملک جوینی کے حکم سے اوقاف کی آمدنی سے از سر نو تعمیر ہوا۔ (۴۱)

بہت سے علماء تعلیم کا معاوضہ لینا جائز نہیں سمجھتے تھے اور اس اصول پر سختی سے قائم تھے۔ چنانچہ جب نظام الملک نے مدارس نظامیہ قائم کیے اور ان کے مصارف کے لیے جائدادیں وقف کیں تو اس زمانے کے

علماء وفضلاء کا ایک اجتماع ہوا اور انھوں نے اس انتظام کی سخت مذمت کی اور کہا کہ لوگ اب علم کی خاطر علم حاصل نہیں کریں گے۔ (۴۲)

سالہا سال بلکہ صدیوں تک ان تعلیمی اداروں کے دوام و استمرار کا ایک سبب یہی اوقاف تھے۔ لیکن واضح رہے کہ قدیم دور کی اسلامی حکومتوں کے رفاہ عامہ کے اداروں میں اور دور حاضر کی حکومتوں کے نو قائم کردہ اداروں میں کسی قسم کی مشابہت نہیں ہے۔ اس لیے کہ موجودہ زمانہ کے ادارے ہر لحاظ سے حکومت کے محتاج ہوتے ہیں۔ وہ حکومت کے مقرر کردہ قواعد و ضوابط کے مطابق چلائے جاتے ہیں۔ حکومت ہی ان کی مالی کفالت کرتی ہے اور ان کے اخراجات کی ذمہ دار ہوتی ہے۔ مگر قدیم دور کے علمی اور خیراتی اداروں کی پائیداری کا رمز اسلام کا نظام اوقاف تھا۔ یعنی وہ قابل تعریف اوقاف جو ان میں سے ہر ادارہ کی ضرورت و گنجائش کے مطابق مقرر کیے جاتے تھے۔ اور یہی وہ مالی پشت پناہی تھی جس نے ان اداروں کی زندگی کو دوام بخشا۔ حالانکہ حکومتیں تبدیل ہو جاتی تھیں۔ حکمران بدل جاتے تھے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کئی حالات و واقعات رونما ہوتے تھے۔ مگر یہ ادارے قائم رہتے تھے۔ (۴۳)

رسم افتتاح

بروز شنبہ ۱۰ ذی القعدہ ۴۵۹ھ مطابق ۲۳ ستمبر ۱۰۶۷ء کو نظامیہ بغداد کی رسم افتتاح انجام پائی۔ اس موقع پر پورا شہر نئی عمارت میں امنڈ آیا۔ تقریب کا آغاز شیخ ابو اسحاق شیرازی کو کرنا تھا جو اپنے عہد کے شیخ الشیوخ اور استاد کل تھے۔ مگر وہ بعض شکوک کی بناء پر اس میں شریک نہ ہوئے (۴۴) تو شیخ عبدالملک ابومنصور بن یوسف نے جو اعیان بغداد میں نہایت عالی منزلت تھے، حاضرین جلسہ سے خطاب کیا کہ طلبہ اور

شائقین کا ہجوم ہے اور درس کا ہونا لازم ہے لہٰذا مناسب ہے کہ ابونصر بن صباغ جو مدرسہ میں تشریف رکھتے ہیں وہ درس دیں۔ (۴۵) چنانچہ حاضرین جلسہ کی عام رائے سے شیخ ابونصر بن صباغ نے مسند درس کو رونق بخشی اور یوں نظامیہ میں تدریس کا آغاز ہوا۔ (۴۶)

نظامیہ کا انتظامی اور تعلیمی عملہ

نظامیہ کی انتظامی ساخت نہایت منظم اور باقاعدہ تھی۔ مستشرق لیوی نے ''اے بغداد کرانیکل'' میں اس بات کا کھلے دل سے اعتراف کیا ہے کہ اس نظام کو بعد میں یورپ کی جامعات نے اختیار کیا اور مغربی جامعات کی انتظامی ہیئت اسی کی نقل تھی۔ (۴۷)

عبدالرزاق کانپوری کے مطابق مدرسہ نظامیہ بغداد کے عام انتظامات اور نگرانی کاروبار کے لیے اسی قدر عملہ کی ضرورت تھی جس قدر ایک چھوٹی سی ریاست کے لیے ہوا کرتی ہے۔ (۴۸) ادنیٰ درجہ کے کس قدر ملازم تھے اس کی تفصیل معلوم ہونا مشکل ہے البتہ وہ افراد جو نظامیہ بغداد کے مختلف شعبوں میں اپنی ذمہ داریاں ادا کرتے تھے اور مدرسہ کے اوقاف کی آمدنی سے تنخواہیں پاتے تھے وہ یہ تھے۔

متولی:

نظامیہ کے عہدہ داروں میں سب سے بڑا عہدہ دار متولی کہلاتا تھا۔ جیسے جدید جامعات میں شیخ الجامعہ (Vice Chancellor) کا منصب۔ دفتری نظام کا سربراہ بھی یہی تھا۔ اس کے لیے ضروری تھا کہ وہ نظامیہ کے حدود میں قیام کرے۔ دفتری اور انتظامی امور کی انجام دہی اسی سے وابستہ تھی۔ (۴۹) یہ خدمت مستقل تھی مگر بعض اوقات مدرس اعظم کے بھی سپرد ہو جایا کرتی تھی جو تمام شیوخ میں صدر اعظم کا درجہ

رکھتا تھا۔(۵۰)

اپنے وقت کے بڑے بڑے علماء نے نظامیہ بغداد میں متولی کے فرائض انجام دیے۔ جن میں ابو سعد عبدالرحمٰن بن محمد المامون المعری (م۴۷۸ھ)، ابوالفتح بن باقرحی (م۵۳۳ھ)، یوسف بن عبداللہ دمشقی (م۵۶۳ھ) اور دیگر شامل تھے۔(۵۱)

ناظر:

دوسرا انتظامی افسر ناظر تھا۔ یہ نظامیہ سے متعلق جائیدادوں اور اوقاف کا نگران تھا۔ گویا ناظر، افسر مالیات (Director Finance) تھا۔ یہ بہت اہم عہدہ تھا اور اس پر بڑے اعتماد کے لوگوں کو مقرر کیا جاتا تھا۔ ناظر، وقف سے متعلق تمام اختیارات کا حامل ہوتا تھا۔(۵۲)

نظارت نظامیہ، نظام الملک اور اسکی اولاد کے لیے مخصوص تھی۔ ناظر کے عہدے کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ بعد میں خود نظام الملک کا پڑپوتا خواجہ ابونصر (م۵۶۱ھ) اس عہدہ پر فائز ہوا تھا۔(۵۳)

بعض مدرسین نظامیہ بغداد نے بھی نظامیہ بغداد میں ناظر کے فرائض انجام دیے، جن میں ابوعلی یحییٰ بن الربیع (م۶۰۶ھ)، عبدالقادر بن داؤد (۶۱۹ھ)، رضی الدین ابوداؤد سلیمان (م۶۳۱ھ) اور محمد بن یحییٰ بن فضلان (۶۳۱ھ) وغیرہ شامل ہیں۔(۵۴)

سلاطین سلاجقہ، خلفائے عباسی اور وزراء و حکام بھی نظامیہ کے وقف سے متعلق رہے۔ عطا ملک جوینی (م۶۸۱ھ) نے حکومت بغداد کے زمانہ قیام میں بہ ضمن اصلاحات مدرسہ نظامیہ کی طرف غیر معمولی

توجہ کی۔ ۶۷۰ھ میں بازار نظامیہ میں آگ لگی تو سارا بازار جل گیا اور بے اندازہ سامان تجارت برباد ہو گیا اور بہت سے لوگ ہلاک ہو گئے۔ عطا ملک جوینی نے اوقاف مدرسہ کے حاصلات سے تجدید عمارات مدرسہ کا حکم دیا۔ (۵۵)

مفتی:

غیر تدریسی عملے میں مفتی (Jurisconsult) کو اہمیت حاصل تھی جو دارالافتاء کا سربراہ ہوتا تھا۔ دارالافتاء سے عوام الناس کو مسائل شرعیہ کے متعلق معلومات فراہم کی جاتی تھیں۔ جیسا کہ آج کل بھی یہ دستور ہے کہ عوام الناس اپنے مسائل کے شرعی حل کے لیے مفتیان کرام سے رجوع کرتے ہیں۔ فتویٰ نویسی کے لیے نظامیہ میں جداگانہ عملہ تھا۔ بعض صورتوں میں شیخ الفقہ اور شیخ الفرائض کو فتویٰ نویسی کی خدمت سپرد کی جاتی تھی۔ (۵۶)

مدرسین نظامیہ بغداد میں سے رضی الدین ابوداؤد سلیمان (م ۶۳۱ھ) اور صائن الدین ابو محمد عبدالعزیز الجبلی (م ۶۳۲ھ) نے مفتی نظامیہ کے فرائض انجام دیے۔ (۵۷)

واعظ:

دوسرا عہدہ دار جو غیر تدریسی ذمہ داریوں کو انجام دیتا تھا واعظ تھا۔ کبھی نظامیہ کے شیوخ خود وعظ دیتے اور کبھی بغداد میں باہر سے آنے والے علماء یہ خدمت یہ خدمات انجام دیتے۔ انہیں آج کل کے اعتبار سے Visiting Scholars کہا جا سکتا ہے۔ ان مواعظ کی محفلوں میں طلبہ و اساتذہ کے علاوہ امراء، علماء وعوام بھی شریک ہوتے تھے۔ یہ بالکل آزاد طریقہ تعلیم تھا۔ تلاوت قرآن، تفسیر، حدیث، فقہ، انبیاء کرام کے

حالات اور وعظ ونصیحت پر گفتگو ہوتی تھی۔(۵۸)

مدرسین نظامیہ بغداد میں سے محمد بن احمد بن عثمان دیباجی (۵۲۷ھ)، احمد بن محمد بن ثاقب خجندی (م۵۳۱ھ)، یوسف بن ایوب ہمدانی (م۵۳۵ھ)، ابوبکر صدر الدین خجندی (م۵۵۲ھ) اور یوسف بن عبداللہ دمشقی (م۵۶۳ھ) نظامیہ میں وعظ کیا کرتے تھے۔(۵۹)

خازن

کتب خانہ کے مہتمم (Librarian) کو خازن کہا جاتا تھا۔ خازن کا کام مدرسہ کے طلبہ اور اساتذہ کو کتابیں فراہم کرنا، کتابوں کی خریداری اور انہیں نقل کروانا تھا۔ خازن کا انتخاب بلند پایہ علماء وادباء میں سے کیا جاتا تھا۔ مثلاً القاضی ابو یوسف الاسفرائنی (م۴۹۸ھ)، (۶۰) الاسفرائنی کے انتقال کے بعد مشہور عالم اور ادیب محمد بن احمد الابیوردی (م۵۰۸ھ) مدرسہ نظامیہ کے مہتمم کتب خانہ بنے۔(۶۱)

مدرسہ نظامیہ میں تاحیات مدرس مضامین ادب ابوزکریا یحییٰ بن علی التبریزی (م۵۰۲ھ) متولی خزانۃ الکتب بھی رہے۔(۶۲)

علی بن احمد بن باقری (م۵۷۵ھ) نامور مصنف اور خوشنویس بھی نظامیہ میں خازن کے عہدہ پر فائز ہوئے۔(۶۳)

خادم

مدرسہ نظامیہ کے اساتذہ کو خادم (Servitor) کی سہولت حاصل تھی۔ مدرس نظامیہ بغداد، شیخ ابو اسحاق شیرازی کے خادم کا نام ابو طاہر بن شعبان تھا۔ اسی طرح نظامیہ کے دیگر اساتذہ کے بھی خادم

تھے۔(۶۴) خدمت گزاروں کا فرض تھا کہ وہ روشنائی کا اور روشنی کا انتظام کریں۔ مدرسہ میں صفائی کا خیال رکھیں اور مدرسہ میں مقیم اساتذہ اور طلبہ کی ضروریات پوری کرنے کا اہتمام کریں۔

دربان

افراد کی آمدورفت اور مدرسہ کے انتظامی امور کا خیال رکھنا دربانوں (Watchmen) کی ذمہ داری تھی۔ انہیں یہ بھی حکم تھا کہ وہ اہم واقعات اور مشکوک افراد کی حدود مدرسہ میں آمد کی اطلاع مدرسہ کے ذمہ داروں کو کریں۔ نظامیہ میں ادب کے مدرس اور لائبریرین ابوزکریا خطیب تبریزی نے جب نامناسب کاموں کا ارتکاب کیا تو ایک دربان نے جیسا کہ دستور ہے، یہ بات خواجہ کو لکھ بھیجی اور زکریا کا حال واضح کیا''۔(۶۵) ابن جوزی نے بھی ۵۴۷ھ کے واقعات میں لکھا ہے۔اس سال نظامیہ کے مجرد طلباء میں سے ایک یعقوب خطاط نے وفات پائی۔ترکہ کے ذمہ داروں نے نظامیہ میں اس کا حجرہ بند کر دیا اور اسے سر بہ مہر کر دیا۔طلباء نے مخالفت میں شورش کی تو نظامیہ کے دربانوں نے ان میں سے دو کر پکڑ لیا اور جیل میں ڈال دیا۔(۶۶)

نظامیہ کا تدریسی عملہ

تدریسی عملے میں جو ترتیب قائم کی گئی تھی وہ آج کل کی جامعات سے کچھ مختلف نہ تھی۔ نظامیہ کے تدریسی عملے میں اپنے عہد کے جید علماء و فضلاء شامل تھے۔ اساتذہ کے تقرر میں بڑا اہتمام کیا جاتا تھا اور نامور علماء کو درس وتدریس کا منصب تفویض کیا جاتا تھا۔ان کی تقرری اس وقت تک مکمل نہ ہوتی تھی جب تک خلیفہ اس کی منظوری نہ دیتا۔(۶۷)

مدرس:

تدریسی عملے میں سب سے اعلیٰ مقام مدرس یا شیخ کو حاصل تھا۔(۶۸) جیسے موجودہ جامعات میں پروفیسر(Professor)۔ ہر فن کے شیوخ الگ الگ تھے۔ فقہ، حدیث، تفسیر، صرف، نحو، ادب، علم الکلام وغیرہ کے مدرس جداگانہ تھے۔ ہر مدرس ''شیخ'' کے خطاب سے ممتاز تھا۔(۶۹) ہر مضمون کے لیے بہ ترتیب ماہر علمی و ادبی شخصیتوں سے استفادہ کیا جاتا تھا۔(۷۰)

نائب مدرس:

تدریسی عملے میں دوسرا عہدہ نائب مدرس کا تھا۔ جیسے موجودہ جامعات میں اسسٹنٹ پروفیسر (Assistant Professor)۔ نائب بھی اپنے عہد کے نامور علماء میں سے منتخب کیے جاتے تھے۔ انتخاب کا قاعدہ جس طرح مدرسوں کے لیے جاری تھا۔ ویسی ہی سختی سے نائب مدرسین کا بھی انتخاب کیا جاتا تھا۔ ہر نائب اپنے شیخ سے فضل و کمال میں درسرے درجے کا مانا جاتا تھا۔(۷۱)

نائب مدرس کا کام مدرس کی غیر موجودگی میں اس کی جگہ مدرس کے فرائض انجام دینا تھا۔ جب امام محمد غزالی بغداد سے دمشق چلے گئے تو ان کے بھائی احمد الغزالی نے ان کی موجودگی میں نظامیہ میں نائب مدرس کے فرائض انجام دیے۔(۷۲) مدرس نظامیہ بغداد، یوسف دمشقی (۵۶۳ھ) کی موت پر ابوجعفر بن احمد بن صباغ (م ۵۸۵ھ) نے نائب مدرس کے فرائض انجام دیے۔(۷۳)

معید:

تیسرا تدریسی عہدہ معید کا تھا۔ جسے ہم کوآپریٹو ٹیچر (Cooperative Teacher) یا دہرائی

کرنے والا (Repetitor) کہہ سکتے ہیں۔قلقشندی نے معید کے فرائض کو یوں بیان کیا ہے:

''اذا القی المدرس الدرس وانصرف ، اعاد للطلبة ما

القاه المدرس لیفھموہ ویحسنوہ۔''(۷۴)

''مدرس اپنا درس دینے کے بعد چلا جاتا تو معید استاد کی گفتار طلبہ کے لیے از سرِ نو بیان کرتا تاکہ وہ

اسے سمجھ جائیں اور سبق ان کو خوب ذہن نشین ہو جائے۔''

ہر شیخ یا نائب شیخ کے ساتھ ایسے دو یا دو سے زائد معید ہوتے تھے۔(۷۵) مدرسین اور طالب علموں

کے درمیان معید کا منصب ہوتا تھا۔ وہ حاضرین کے ساتھ بیٹھتا اور لیکچر سنتا تھا۔ جب درس ختم ہو جاتا تو معید

کا کام شروع ہو جاتا۔ مختلف درسگاہوں کے علمی معیار میں فرق ہونے کی وجہ سے کبھی کبھی ایک ہی شخص ایک

مدرسے میں معلم اور دوسرے میں معید کے فرائض انجام دیتا تھا۔(۷۶)

اکثر اوقات یہ خدمت قابل ترین طلبہ کو سپرد کی جاتی تھی۔جن کا انتخاب حلقہ درس سے ہوتا

تھا۔(۷۷) بعض اوقات جداگانہ علماء بھی مقرر ہوتے تھے۔جیسے سدید بن محمد بن ھبۃ اللہ بن عبداللہ

السلماسی (م۵۰۷ھ)، آپ اپنے زمانے کے امام تھے۔کئی علمی مضامین میں مہارت رکھتے تھے۔نظامیہ

بغداد میں معید کے فرائض انجام دیتے تھے۔(۷۸)

طلباء اور مدرسین نظامیہ بغداد کے ساتھ معیدین کا اکثر ذکر آتا ہے۔نظامیہ میں استاد کی نگرانی میں

تربیت کے مراحل طے کرنے اور مدرس کے اعلیٰ منصب پر پہنچنے والے علماء کی ایک بڑی تعداد ہے۔(۷۹)

محققین:

یہ بات بھی نظامیہ کی خصوصیات میں ہے کہ دنیا کے دور دراز حصوں سے علماء آتے تھے اور مدرسہ کے مہمان رہ کر علمی تحقیقات میں مصروف رہتے تھے۔(۸۰) جنہیں ہم Research Scholars کہہ سکتے ہیں۔

وہ علماء جو نظامیہ میں ہی مقیم تھے ان میں ابوزکریا یحییٰ بن علی التبریزی (م۵۰۲)، بہاء الدین المعروف بابن شداد (م۶۳۲ھ)، مجدالدین یحییٰ ابن الربیع (م۶۰۶ھ)، ابوالعباس بن عون (۸۱)، اور مشہور شاعر ابواسحٰق ابراہیم بن یحییٰ کلبی غزی (م۵۲۴ھ) (۸۲) معروف ہیں۔

مدرس کے تقرر کی شرائط

نظامیہ بغداد میں منصب تدریس کے لیے ایسی حدود و قیود اور ضابطے وضع کیے گئے جن کا علمی مراکز میں اس سے پہلے چلن نہ تھا۔ یہ اصول وضوابط مدرسین کے علمی، اخلاقی اور مذہبی پہلوؤں سے متعلق تھے۔ یہ قواعد وضوابط ابتداء میں تو خود نظام الملک کی طرف سے مکمل باریک بینی اور نگرانی کے ساتھ زیر عمل لائے گئے پھر مدرسہ کے دیگر ذمہ داروں کی یہ بھرپور کوشش رہی کہ وہ اسی طریقہ کو مدرسہ کے بانی اداروں اور وقف نامہ کے متن کے مطابق چلائیں۔ انہی اسباب کی بناء پر یہ ضروری ٹھہرا کہ مدرس کے منصب اور تدریس کے معاملات کو اس بے نظمی، بے ترتیبی اور عدم استقرار کی حالت سے نکال کر، جو اس وقت مدراس میں ہوتی تھی۔ اپنے خصوصی نظم ونسق کے ماتحت لائیں۔(۸۳)

مدارس نظامیہ کی جب ابتدا ہوئی تو اس وقت یہ مدارس اپنے ابتدائی مراحل میں ایک استاد کی

تدریس کے اصول پر قائم تھے۔ یعنی ہر مدرسہ میں صرف ایک استاد ہوتا تھا اور ایک عرصہ تک یہی رواج رہا کہ ایک سے زیادہ استاد اور تعدد علوم نہیں ہوتے تھے۔ ۴۸۳ھ میں دو مدرسین کا تقرر ہوا، ایک دن ابو عبداللہ طبری درس دیتے اور ایک دن ابو محمد عبدالوہاب شیرازی۔ (۸۴) آہستہ آہستہ درسی مواد کی تدریس کے لیے ایک سے زیادہ اساتذہ کا تقرر ہونے لگا۔

علمی شرائط

نظامیہ بغداد میں مدرسی کا اعلیٰ عہدہ صرف انہی افراد کو ملتا تھا جو اپنے زمانے کے اعلیٰ ترین علمی مدارج رکھتے تھے۔ ابو اسحٰق شیرازی کا مدرسہ نظامیہ بغداد کے سب سے پہلے مدرس کے طور پر انتخاب نے اس معزز عہدہ کی اہمیت سب پر آشکار کر دی تھی۔ اس لیے کہ آپ شافعی علماء میں سب سے بڑے عالم تھے، اپنے ہم عصر علماء کے سربراہ تھے اور اہل علم آپ کے علمی و اخلاقی مرتبے سے خوب واقف تھے اور آپ کی شاگردی پر فخر کرتے تھے۔ جیسا کہ خود آپ نے اس کا طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے۔ ''میں عراق سے لے کر خراسان تک جس بھی شہر یا گاؤں سے گزرا ہوں وہاں کے امام، مدرس یا قاضی کو اپنا شاگرد یا اپنے ساتھیوں میں سے ایک پایا ہے''۔ (۸۵)

امام محمد غزالی جو ۴۸۴ھ میں خواجہ نظام الملک کی طرف سے نظامیہ بغداد میں تدریس پر مامور ہوئے، اپنے زمانے کے بڑے اور مشہور علماء میں سے ایک تھے۔ اصحاب شافعیہ میں آپ کی کوئی مثل نہ تھی۔ (۸۶) ابوبکر الشاشی جو ۵۰۴ھ میں نظامیہ بغداد میں تدریس پر مامور ہوئے۔ اپنے وقت کے ایک بڑے فقیہ اور شافعیوں کے سردار تھے۔ (۸۷)

اخلاقی شرائط

علمی فضائل کے ساتھ ساتھ نظامیہ کے مدرسین اخلاقی اور سماجی لحاظ سے بھی اعلیٰ سطح کے ہوتے تھے وہ پاکدامنی، نیکوکار اور عام لوگوں اور ارباب حکومت کے یہاں قابل اعتماد واحترام ہوتے تھے۔ یہ اعتماد اس درجے کا ہوتا تھا کہ کبھی تو خلیفہ کے انتخاب کے معاملہ میں وہ شرکت کرتے تھے (۸۸) اور کبھی خلفاء اور سلاطین کے مابین پیغام رسانی اور مملکت کے پیچیدہ ومشکل گھتیاں سلجھانے کی ذمہ داری ان پر ڈالی جاتی تھی۔ (۸۹) نظامیہ کے اساتذہ کی غالب اکثریت زہدو پارسائی کے اس درجہ پر پہنچی ہوتی تھی کہ مادی و معنوی فراوانی اور حکمرانوں کی بے دریغ حمایت کے باوجود یہ حضرات انتہائی سادگی سے زندگی گزارتے تھے۔ یہ محض عزت نفس اور شرافت طبع تھی جس نے انہیں ان بلند سماجی مرتبوں تک پہنچادیا تھا۔ نظامیہ بغداد میں استادی کا شریفانہ لباس ہر قسم کے شائبہ اور آلودگی سے پاک ومبرّا تھا۔ چنانچہ جب کبھی بھی کوئی معمولی سی بدگمانی یا بدعملی، جوان کے مقام مدرسی کے شایان شان نہ ہوتی تھی، دیکھنے میں آتی تو وہ فوراً نظامیہ میں تدریس سے معزول ومحروم کردیئے جاتے۔ (۹۰) نظام الملک کا پوتا ابونصر جو نظامیہ میں مدرس تھا، تمام تر احترام ورسوخ اور بانی مدرسہ کے ساتھ خاندانی تعلق شرف کے باوجود محض اس جرم کی وجہ سے مدرسی کے منصب سے معزول کردیا گیا کہ ایک عورت نے شکایت کی کہ ابونصر نے اس سے شادی کی ہے، ابونصر نے پہلے تو اس بات سے انکار کیا مگر بعد میں اعتراف کرلیا۔ اسی بدنامی ورسوائی کی وجہ سے منصب تدریس سے معزول ہوا۔ (۹۱)

مذہبی شرائط

نظامیہ بغداد چونکہ شافعی مذہب کی تقویت واشاعت کے لیے بنایا گیا تھا۔ اس لیے مدرسہ کے وقف نامہ کے متن کے مطابق مدرس کے لیے شرائط میں سے ایک انتہائی ضروری اور قابل لحاظ شرط یہ تھی کہ وہ شافعی مذہب کا معتقد اور پیروکار ہو۔ (۹۲) بہت سے علماء جو ہر لحاظ سے اس اعلیٰ مدرسہ میں تدریس کے لیے موزوں تھے محض اس وجہ سے نظامیہ میں تدریس سے محروم رہے کہ وہ شافعی نہ تھے۔ بہت سے مدرس ایسے تھے جو یہاں خدمات سرانجام دینے کے دوران جب مذہبی لحاظ سے بدگمانی اور تعاقب کا نشانہ بنے تو انہیں نظامیہ میں کام جاری رکھنے سے روک دیا گیا۔ جیسا کہ ۴۹۵ھ کو مدرس نظامیہ بغداد الکیاالہراسی کو نظامیہ کی تدریس سے معزول کردیا گیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کی کسی نے سلطان کے پاس آپ پر تہمت لگائی کہ یہ باطنی ہے۔ علماء کی ایک جماعت نے اس سے آپ کی براءت کی گواہی دی تو دارالخلافہ سے رہائی کا پیغام آیا۔ (۹۳)

اسی طرح نظامیہ کے مدرس ادب فصیحی استرآبادی (م ۵۱۶ھ) کو تشیع کا اقرار کرنے کی وجہ سے نظامیہ کی تدریس سے اور مدرسہ کے قیام وطعام سے محروم کردیا گیا۔ (۹۴)

جس طرح مذہب کی شرط نظامیہ میں مشغولِ تدریس بعض افراد کی گرفتاری اور برطرفی کا سبب بنتی تھی، اسی طرح بعض افراد کو اس بات پر آمادہ کرتی تھی کہ وہ نظامیہ میں تدریس کی طمع میں اپنے مذہب سے دست بردار ہو جائیں اور شافعی مذہب قبول کرلیں۔ احمد بن علی بن برہان (م ۵۱۷ھ) جو ابتداء میں حنبلی مذہب رکھتے تھے نظامیہ میں مدرسی کا منصب حاصل کرنے کی غرض سے شافعی مذہب اختیار کرلیا۔ (۹۵) اسی

طرح ابن المظفر بن علم بن نعیم معروف بابن الحسر السلامی (م ۶۳۹ھ) پہلے حنبلی تھے پھر شافعی ہو گئے ۔(۹۶)

نظامیہ کا مدرس ساتویں صدی ہجری کی اسلامی یونیورسٹی کا ایک کا نمونہ

نظامیہ کے مدرسین کے بارے میں اوران کے علمی وسماجی خصوصیات کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرات انسانی صفات کے جامع ہوتے تھے اور ایک اسلامی عالم کا اعلیٰ نمونہ ہوتے تھے۔ چنانچہ مدرس نظامیہ بغداد، ابن عبداللہ السلمی المرسی (م۶۵۵) کے بارے میں مقری نے لکھا ہے:

''آپ علوم القرآن، فقہ، خلاف اصول، نحو، لغت میں فضلاء کے امام تھے۔ زاہد، متورع، متدین، عابد، کریم النفس، احسن طریقے پر عمل کرنے والے اور اچھے اخلاق کے حامل تھے۔''(۹۷)

نظامیہ کے مدرس ابوزکریا تکریتی (م۶۱۶ھ) کے بارے میں یاقوت کا بیان ہے:

''آپ ایک فرد کامل، فاضل، فقیہ، قاری، مفسر، نحوی، لغوی، تروضی اور شاعر تھے۔''(۹۸)

مدرس نظامیہ بغداد فخر الاسلام محمد بن احمد شاشی (م۵۰۷ھ) کی عاجزی وانکساری کا یہ عالم تھا کہ جب نظامیہ بغداد میں مدرس مقرر ہوئے تو جس دن مسند تدریس پر وہ رونق افروز ہوئے ان پر رقت طاری ہوگئی۔ وہ سابق اساتذہ کے علم وفضل اور اپنی کم علمی کو یاد کر کے رونے لگے اور یہ شعر پڑھتے تھے۔

خلت الدیار فسدت غیر مسود

ومن العناء تفردی بالسودد(۹۹)

''ملک بزرگوں سے خالی ہوگیا، تب میں سردار بن گیا، میرا سردار بننا دراصل ملک کی بدبختی ہے۔''

حقوق ومراعات

مدارس نظامیہ بالخصوص نظامیہ بغداد میں مدرسہ کی مالی اعانت کی خاطر بہت سے اوقاف اور قابل لحاظ نقد رقوم مختص کی جاتی تھیں کہ ان رقوم واوقاف کا بڑا حصہ مدرسین کے حقوق کی ادائیگی کے لیے خاص ہوتا تھا۔ اس طبقہ کے لیے تنخواہیں اور کافی مراعات مقرر تھیں۔ (۱۰۰) یوں تعلیم کے کام میں مصروف علماء کی معاشی حالت، نظامیہ بغداد کے بننے سے بہت بہتر ہوگئی جواس سے پہلے اتنی منظم و مستحکم نہ تھی۔ اس کے بعد تو مدارس نظامیہ ہوں یا وہ دوسرے مدرسے جو نظامی مدارس کی تقلید میں قائم ہوئے، ان سب میں مدرسین کی مادی زندگی کو ایک طرح سے سرکاری اور قومی حمایت وسرپرستی مل گئی۔ (۱۰۱)

نظامیہ بغداد میں اساتذہ اور طلبہ کے لیے دن رات کے قیام کے لیے کمرے تعمیر کیے گئے تھے اور نظامیہ کے فقہاء میں جو کھانا تقسیم ہوتا تھا اس میں اساتذہ بھی حصہ دار ہوتے تھے۔ جب نظامیہ کے مدرس ادب فصیحی استرآبادی کو شیعہ ہونے کے الزام میں مدرسہ کی تدریس سے برطرف کردیا گیا تو وہ قیام وطعام کی مراعات سے بھی محروم ہوگئے۔ چنانچہ انہوں نے نظامیہ کے باہر درس سے استفادہ کی خاطر اکھٹے ہونے والے طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ تمہاری ذمہ داری ہے کہ مدرسہ کی مقررہ رعایات ملحوظ رکھو اس لیے کہ میں تو ایسے حالات میں رہ رہا ہوں کہ گھر کرائے پر لیا ہوا ہے اور روٹی خریدتا ہوں۔ (۱۰۲)

جامعہ نظامیہ میں طلبہ کو نہ صرف کھانے کپڑے اور رہائش کی سہولتیں مہیا کی جاتی تھیں۔ بلکہ سواری کا بھی انتظام کیا جاتا تھا۔ (۱۰۳)

اجازت تدریس

مدارس نظامیہ کے قیام کے بعد تدریس کے عمل میں کچھ ایسے شرائط وضوابط سامنے آئے کہ اس سے پہلے ان کا وجود نہیں تھا۔ اس کے بعد تدریس ہر شخص کے لیے جائز نہ رہی، مدرس کا تقرر وزیر یا خلیفہ یا سلطان یا واقف (وقف کنندہ) کی جانب سے ہوتا تھا۔ یہ لوگ امور مدرسہ کے انچارج ہوتے تھے۔ یہ حضرات عام طور پر ان لوگوں کو مدرسی کے منصب کے لیے منتخب کرتے تھے جو بھرپور علمی مرتبہ اور شہرت کے مالک ہوں اور اس معزز علمی پیشہ کی اہلیت سے سرفراز ہوں۔ (۱۰۴)

ہم اس سے پہلے یہ بیان کر آئے ہیں کہ مدارس نظامیہ میں مدرسی کا مقام حاصل کرنے کے لیے ان مدارس کے سرپرستوں اور متولیوں کی طرف سے فرمان جاری ہونا ضروری شرط تھا۔ نظامیہ بغداد چونکہ مملکت کے ایک اعلیٰ ادارہ کی حیثیت رکھتا تھا، اس لیے مدرسہ کے بانی خواجہ نظام الملک کے بعد یہ ذمہ داری بادشاہ یا خلیفہ وقت کی ہوتی تھی کہ وہ تدریس پر تقرر کا فرمان جاری کرے۔ کبھی بادشاہ کا فرمان خلیفہ کی رضامندی کے ساتھ صادر ہوتا تھا۔ (۱۰۵)

تدریس کا فرمان ایک سرکاری حکم نامہ کی مانند ہوتا تھا اور اس سے روگردانی انتظامی قواعد وضوابط کی خلاف ورزی کے حکم میں شمار ہوتی تھی۔ جس وقت نظامیہ کے سرپرست و مدرس اسعد میہنی کو نظامیہ بغداد کے بہت سے فقہاء کی تنخواہوں اور مراعات کو منقطع کرنے اور فقہاء کی طرف سے مخالفت کرنے اور مجلس درس میں شرکت نہ کرنے کے مسئلہ سے دوچار ہونا پڑا اور وہ مسئلہ کے حل کرنے کی خاطر لشکر گاہ گئے تو احمد بن نظام الملک نے ان کی نیابت کے لیے ابوالفتح بن برہان کو مقرر کر دیا۔ جب یہ خبر وزیر ابن صدقہ کے کانوں میں

پہنچی تو اس نے ابن برہان کو تدریس سے برطرف کر دیا اور کہا کہ تم کیسے مقام تدریس میں حاضر ہوتے ہو؟ جبکہ اس کے لیے مدرس متعین ہے۔(۱۰۶)

اساتذہ کے تقرر کے حوالے سے ایک دستاویز جس کا خلاصہ احمد شلبی نے پیش کیا ہے، ملک شاہ کے بیٹے سلطان سنجر سلجوقی کی ہے جس کی طویل تمہید میں اس نے وزیر اعظم نظام الملک اور اس کے علمی احسانات کا ذکر کیا ہے، اس کے بعد نظامیہ نیشاپور کا بیان ہے اور بتایا گیا ہے کہ اس کے سابقہ پروفیسروں نے علم و ادب کی کتنی نمایاں خدمات انجام دی ہیں، اور پھر اس نے محمد بن یحیٰی نیشاپوری کے تقرر کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

''خوش قسمتی سے ہمارے عہد میں محمد بن یحیٰی جیسا بزرگ عالم موجود ہے (خدا ان کی عمر میں برکت دے) چونکہ وہ مشہور شافعی اور حنفی متکلمین کے امام ہیں اس لیے ہم نے انھیں نیشاپور کی انتظامیہ میں درس پر مامور کیا ہے۔ مدرسہ اوقاف، اور تمام متعلقہ املاک بھی ان کی تحویل میں دے دی گئی ہیں۔''(۱۰۷)

نظامیہ بغداد میں تدریس کی خاطر علماء کی بے تابی

نظامیہ بغداد کی عالم گیر شہرت اور اس اعلیٰ ادارہ کی بے شمار مادی و معنوی خصوصیات نے عالم اسلام کے تمام علاقوں کے علماء کو اس مرکز کی جانب متوجہ کر دیا۔ اور انہیں اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ علم کے کام میں اپنے آپ کو ظاہر کرنے کے لیے یا حریم سلطنت و خلافت کا قرب پانے کے لیے اور اس کے سماجی فوائد سے

متمتع ہونے کے لیے اس پر رونق علمی و مذہبی مرکز میں تدریس کا فخر حاصل کریں۔ نظامیہ بغداد میں تدریس ایک عالم کے لیے ترقی کا اعلیٰ ترین درجہ اور اس کے لیے ایک بہت قابل فخر کام تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب بھی کوئی صاحب علم شخص نظامیہ بغداد میں تدریس کی خاطر وارد ہوتا تھا تو اسے شہر کے علماء اور عوام کے زبردست استقبال سے واسطہ پڑتا تھا۔ ابن اثیر نے ۴۷۹ھ کے واقعات میں لکھا ہے کہ:

''نظام الملک کی دعوت پر ابوالقاسم الدبوسی اس شان سے بغداد تشریف لائے کہ یاد نہیں پڑتا کہ کسی فقیہ کا ایسا شاندار استقبال ہوا ہو۔'' (۱۰۸)

کبھی تدریس سے محرومی علماء کو سفر کی زحمت اٹھانے اور خواجہ کی حمایت حاصل کرنے پر آمادہ کرتی تھی۔ چنانچہ جب ۴۷۷ھ میں ابوسعد متولی کی وفات کے بعد نظامیہ کے اولین مدرس ابونصر بن صباغ کو نظامیہ میں از سر نو تدریس سے روک دیا گیا تو ان کے حامیوں نے انہیں اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ اس منصب کو پانے کے لیے خواجہ کے پاس اصفہان جائیں۔ انہوں نے ایسا ہی کیا مگر خواجہ اس بات پر راضی نہ ہوا اور حکم دیا کہ ان کے لیے دوسرا مدرسہ تعمیر کیا جائے۔ وہ مایوس ہو کر واپس بغداد چلے گئے اور شدت غم سے تین ماہ کے بعد وفات پا گئے۔ (۱۰۹)

نظامیہ میں تدریس کی آرزو بعض علماء کو اس قدر شدید رہتی تھی کہ وہ محفلوں اور اجتماعات میں اس کا برملا اظہار کرتے تھے۔ ابن خلکان نے لکھا ہے:

''ابومنصور محمد بن محمد بروی، الفقیہ الشافعی (م ۵۶۷ھ) ان آئمہ میں سے ایک تھے، جن کی طرف فقہ، نظر، علم کلام اور وعظ میں تقدم کا اشاریہ کیا جاتا تھا۔ آپ شیریں بیاں، فصیح اور علم میں یکتا تھے۔ آپ

نظامیہ کے نزدیک مدرسہ بہائیہ کے منتظم تھے اور وہاں روزانہ متعدد دروس دیتے تھے۔ جامع القصر میں آپ کے مناظرہ کا حلقہ بھی تھا۔ سب مدرسین اور اصحاب مملکت آپ کے حضور حاضر ہوتے تھے۔ آپ مدرسہ نظامیہ میں وعظ کے لیے بھی بیٹھا کرتے تھے۔ ان دنوں نظامیہ کے مدرس ابو نصر احمد بن عبداللہ الشاشی (م۵۷۶ھ) تھے۔ آپ مدرسہ نظامیہ میں تدریس کے آرزومند تھے، اپنی مجلس کے دوران تدریس کی جگہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے متنبی کے یہ اشعار پڑھا کرتے تھے:

بكيت يا ربع حتى كدت ابكيكا

وجدت بي و بدمعي في مغانيكا

فعم صباحاً لقد هيجت لي شجنا

واردد تحيتنا انا محيوكا

باى حكم زمان صرت متخذا

ريم الفلا بدلاً من ريم اهليكا

''اے حویلی! میں رو پڑا، حتیٰ کہ قریب تھا کہ میں تجھے بھی رلا دیتا۔ اور میں نے اپنی اور اپنے آنسوؤں کی، تیری منازل میں سخاوت کی، تیری صبح خوشگوار ہو، تو نے میرے غم کو برانگیختہ کر دیا ہے۔ ہمارے سلام کا جواب دے، ہم تجھے سلام کرنے والے ہیں۔ تو زمانے کے کس حکم سے جنگل کی سفید ہرنی کو اپنے اہل کی سفید ہرنی کا بدل بنانے والا ہے۔''

لوگ آپ کا مفہوم سمجھتے تھے اور آپ کی خواہش وتمنا کی تائید کرتے تھے۔ چوں کہ آپ اس مقام کی

اہلیت رکھتے تھے اس لیے نظامیہ میں تدریس کا آپ سے وعدہ بھی کیا گیا مگر موت نے آپ کو مہلت نہ دی۔ (۱۱۰)

مجالس درس کی رسوم

اساتذہ سے تعارف

نظامیہ بغداد کی شاندار اور باوقار رسموں میں سے ایک جس کی ماضی میں مثال نہیں ملتی، یہ تھی کہ نئے استاد کی طرف سے پہلے سے موجود مدرسہ کے اساتذہ اور فقہاء سے تعارف کی خاطر مجلس جشن کا انعقاد ہوتا تھا۔ چنانچہ جس وقت امام محمد غزالی نظامیہ میں تدریس کی غرض سے تشریف لائے تو ان کے رفقاء نے ان سے درخواست کی کہ دستور کے مطابق وہ ایک مجلس ضیافت کا اہتمام کریں تاکہ پہلے سے موجود مدرسین سے تعارف ہو سکے۔ (۱۱۱)

مجالس درس میں اکابر کی حاضری

چونکہ نظامیہ بغداد کی بنیاد سیاسی اور مذہبی مقاصد کے حصول کی خاطر رکھی گئی تھی اور یہاں کے طلبہ فارغ التحصیل ہونے کے بعد مملکت کے اہداف و مقاصد پورے کرنے میں لگ جاتے تھے اس لیے ان کے حصول تعلیم کے دوران ارباب حکومت ان کی ترغیب و تشویق کی خاطر مدرسہ میں آتے رہتے تھے اور مجالس درس میں شرکت بھی کرتے تھے۔ ابن جوزی ۴۹۸ھ کے واقعات میں لکھتے ہیں:

"وفی هذا الشهر قصد الوزير سعد الملك المدرسة

وحضر تدريس الكيا الهراسي بها ليرغب الناس في

العلم۔'' (۱۱۲)

''رجب (۴۹۸ھ) میں وزیر سعد الملک تحصیل علم میں مصروف لوگوں کی حوصلہ افزائی کے لیے نظامیہ بغداد کے مدرس کیاہراسی کے درس کی نشت میں حاضر ہوا۔''

کبھی ارباب حکومت میں سے علم سے بہرہ ور کوئی صاحب کرسی تدریس پر تشریف فرما ہوتے اور درس دیتے تھے۔ چنانچہ خود خواجہ نظام الملک جب ایک بار نظامیہ بغداد آیا تو حدیث کے بارے میں کئی لیکچر املاء کروائے۔ (۱۱۳)

۶۷۱ھ میں مدرس نظامیہ بغداد، شمس الدین صاحبِ دیوان جوینی (م۶۸۳ھ) کے درس میں آپ کے چچا علاء الدین عطا ملک صاحبِ دیوان، اربابِ دولت، فقہاء اور طلباء نے شرکت کی۔ (۱۱۴)

خلعت مدرس یا استاد کا مخصوص لباس

ہر مدرس کو خاص خاص تقریبات پر ایک قیمتی خلعت عطا کی جاتی تھی جسے ''طرحہ'' کہا جاتا تھا۔ مدرس تدریس کے وقت اپنے اس بہترین لباس کو زیب تن کرتا اور نسبتاً بلند کرسی پر بیٹھتا تھا۔ استاد سر پر پگڑی رکھتا تھا۔ استاد کے دونوں طرف دو معید کھڑے ہوتے تھے، استاد پوری سنجیدگی اور وقار کے ساتھ تدریس کرتا تھا۔ طلبہ کرسی کے پاؤں کے ساتھ بیٹھے استاد کی گفتگو سنتے تھے۔ (۱۱۵)

طرزِ تعلیم:

اس دور میں تعلیم کا مستند طریقہ وہی تھا، جو آج مہذب ملکوں میں جاری ہے، یعنی املاء جس کو اردو میں لیکچر دینا کہتے ہیں، استاد ایک بلند مقام مثلاً کرسی یا منبر پر بیٹھ جاتا تھا، اور کسی فن کے مسائل زبانی بیان

کرنا شروع کرتا تھا، طالب العلم جو ہمیشہ دوات وقلم لے کر بیٹھتے تھے، ان تحقیقات کو استاد کے خاص لفظوں میں لکھتے جاتے تھے، اس طرح پر ایک مستقل کتاب تیار ہو جاتی تھی اور امالی کے نام سے مشہور ہوتی تھی۔ امالی ابن درید وثعلب وغیرہ اسی قسم کی تصنیفات ہیں، جب معمول سے زیادہ طلبہ حلقہ درس میں جمع ہوتے تھے، تو استاد کے سامنے یا دائیں بائیں چند فاضل کھڑے ہوتے تھے، جو دور والوں کو استاد کے خاص الفاظ سنا سکتے تھے، یہ لوگ مستملی کہلاتے تھے۔ (۱۱۶)

جامعہ میں داخلہ:

اسلامی یونیورسٹیوں میں داخلہ کی بڑی آسانی تھی۔ ان مراکز میں حصول تعلیم کا طریقہ بھی بڑا سادہ تھا یہی وجہ ہے کہ طلبہ، اساتذہ سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کر سکتے تھے اور یوں ان کے ذوق وشوق کی تکمیل ہو جایا کرتی تھی۔ یونیورسٹیوں اور کالجوں سے وابستگی اور ان مراکز کے علوم اور سہولتوں سے فائدہ اٹھانے میں کسی قسم کی قیود وشرائط نہیں تھی۔ اس کے برعکس موجودہ یونیورسٹیوں میں داخلہ اور حصول تعلیم کے قواعد و ضوابط میں طرح طرح کی پابندیاں ہیں۔ جب کہ اس دور میں اتنا کافی تھا کہ قرون وسطیٰ کا ایک مسلمان طالب علم، علم کا رجحان اور شوق رکھتا ہو پھر اسے دلپسند استاد مل جائے، اس کی مجلس درس کا راستہ لے اور جلد ہی اس کے شاگردوں کی صف میں شامل ہو جائے اور جب تک مطلوبہ علم حاصل نہیں کر لیتا اس کے پاس رہے، پھر دوسرے استاد کے پاس چلے جائے۔ خواہ یہ نیا استاد اس کے اپنے علاقہ میں ہو یا کسی دوسرے شہر میں ہو۔ (۱۱۷)

جامعہ نظامیہ کے لیکچروں میں طلبہ کے علاوہ باہر کے لوگ بھی شریک ہوتے تھے۔ اس بارے میں

اندلسی سیاح ابن جبیر کے ایک مندرجہ سے چلتا ہے جس نے اپنی سیاحت کے دوران میں یہاں ایک لیکچر میں شرکت کی تھی۔ یہ لیکچر، نماز ظہر کے بعد شروع ہوا اور نماز مغرب تک جاری رہا۔ ان لکچروں میں طلبہ خاموش تماشائی نہ ہوتے تھے بلکہ وہ استاد سے تحریری یا زبانی سوالات بھی کرتے تھے۔ یہاں کا طریقہ تدریس بھی عہد حاضر کی جامعات سے مختلف نہ تھا۔ نظامیہ کے اساتذہ لکچرز روم میں ایک بلند مقام پر کھڑے ہوکر لکچر دیتے تھے اور طلبہ تپائیوں پر بیٹھے ہوتے تھے۔ اس طرح استاد کے لیے ایک مخصوص لباس ہوتا تھا جو سیاہ طیلسان اور عمامے پر مشتمل ہوتا تھا اور اسے اسی لباس میں درس دینا ہوتا تھا۔ (۱۱۸)

نظامیہ بغداد میں مجالس درس کا ایک نمونہ

ابوالخیر احمد بن اسمعیل قزوینی جو بڑے علماء میں سے ایک اور اپنے زمانہ کے فقہاء و واعظین میں سے تھے، آپ نے نظامیہ بغداد میں دس سال سے زیادہ عرصہ تک تدریس اور وعظ کی ہے۔ مدرس مذکور کا نظامیہ میں ایک مجلس درس تفسیر سے خطاب ہے، جسے سبکی نے نقل کیا ہے۔ چھٹی صدی ہجری کے نصف دوم میں اسلامی یونیورسٹی کی درسی مجالس کی ایک جھلک اس سے ہمیں ملتی ہے۔ استاد مخصوص سنجیدگی اور بڑے جاہ و جلال کے ساتھ درس گاہ میں تشریف لائے۔ مدرسی خلعت مدرس نظامیہ کا مخصوص لباس انہیں پیش کیا گیا۔ استاد نے تمام مدرسین اکابر اور فقہاء کے سامنے مدرسی کا لباس محترم زیب تن کیا۔ جب ہر طرف خاموشی چھائی ہوئی تھی، کرسی پر تشریف فرما ہوئے۔ قرآن کریم کی چند آیات کی تلاوت ہوئی اور مخصوص دعا پڑھی گئی۔ تو پھر استاد نے حاضرین کی جماعت کی طرف رخ کرتے ہوئے فرمایا آپ کون سی تفسیر چاہتے ہیں کہ میں درس دوں۔ حاضرین نے ایک کتاب کا نام لیا۔ فرمایا کون سی آیت سے تدریس شروع کروں؟ طلبہ نے وہ

آیت بھی بتادی۔ اب آپ نے تدریس شروع کی اور حاضرین کے ہر پوچھے گئے سوال کا جواب دیا۔ آپ نے فقہ وخلاف کی تدریس کرتے ہوئے بھی یہی طریقہ اختیار کیا۔ اور وہی چیز بیان کی جو حاضرین نے ان کے لیے متعین کی تھی۔ اپنے اس عمل سے حاضرین مجلس کو اپنا شیفتہ بنالیا اور اپنی حاضر جوابی اور کثرت حفظ کا لوہا بھی منوالیا۔ (۱۱۹)

پڑھائی کے اوقات اور ایام تعطیل

پڑھائی کے اوقات سال کے موسموں، درس کی کیفیت، استاد کے علمی مرتبہ نیز بغداد کے سیاسی و مذہبی حالات سے وابستہ و مربوط تھے۔ نظامیہ میں طلبہ کو جب بھی کسی استاد کی اعلیٰ قدر و منزلت کا پتہ چل جاتا تو وہ اس بات کے درپے ہوجاتے کہ اس استاد کی موجودگی سے زیادہ سے زیادہ استفادہ حاصل کریں اور درس کی نشست کو جہاں تک ممکن ہو طویل کریں۔ نظامیہ کے مدرس احمد بن محمد بن برہان (م ۵۱۸ھ/ ۵۱۷ھ) کے بارے میں سبکی نے لکھا ہے:

''آپ دن کے تمام گھنٹوں میں اور رات گئے تک اور کبھی سحری کے وقت تک تدریس میں مشغول رہتے تھے، عالم اسلام کے اطراف واکناف سے طالبان علم آپ کے حلقہ درس میں حاضر ہوتے تھے۔ کچھ طلبہ نے ان سے غزالی کی احیاء العلوم پڑھانے کی درخواست کی تو کہا اس کام کے لیے میرے پاس وقت نہیں۔ آخر کار طلبہ حاضر ہوئے اور جلسہ درس آدھی راتوں کو منعقد ہوتا تھا۔ (۱۲۰)

یہ امر مسلم ہے کہ طلبہ سے متعلق مجالس درس ہفتہ کے تمام دنوں میں نماز ظہر سے پہلے تک جاری رہتی تھیں اور ظہر کے بعد بھی پیریڈز ہوتے تھے۔ جمعہ کے دن نماز ظہر سے لے کر نماز عصر تک کا وقت حدیث کی

املاء، وعظ اور خطاب کے لیے مختص ہوتا تھا اوران مجالس میں شرکت عام طور پر عام لوگوں کے لیے ہوتی تھی۔ یہ دراصل آج کل کے علمی سیمیناروں اور علمی نشستوں کی طرح تھی جو یونیورسٹیوں میں منعقد ہوتے رہتے ہیں۔

اسلامی مدارس کی روش جو نظامیہ بغداد میں اپنائی گئی یہ تھی کہ طلبہ اور اساتذہ ایام تعطیل سے استفادہ کرتے تھے۔ یہ جمعہ کے دنوں کے علاوہ مذہبی عیدوں اور تہواروں کے دن ہوا کرتے تھے۔

تدریس کی زبان

نظامیہ بغداد میں تعلیم و تعلم کی زبان عربی تھی جو تمام اسلامی ممالک کی دینی و علمی زبان تھی۔ تاہم یہ بات اس امر سے مانع نہیں تھی کہ علماء عربی زبان کے علاوہ دوسری زبانوں سے بھی بخوبی آشنا ہوں۔ یہ علماء کئی مواقع پر اپنے غیر عرب طلبہ کے لیے مشکل الفاظ کے معانی کی وضاحت کے لیے غیر زبانوں سے کام لیتے تھے۔ مدرس نظامیہ بغداد، ابوبکر ضریر نحوی (م ۶۱۲ھ) کو عربی، ترکی، عجمی، رومی، حبشی اور زنگی زبانیں پر عبور حاصل تھا۔ جب آپ کی مجلس درس کا کوئی غیر عرب طالب علم، آپ کے درس کے مطالب نہ سمجھ سکتا تو آپ طالب علم کی مادری زبان میں تشریح و توضیح کر دیتے تھے۔ (۱۲۱)

عربی زبان میں تدریس نظامیہ بغداد میں امر واجب تھا جس کی تعمیل لازمی تھی اور اس کی خلاف ورزی مدرسہ کی قانون شکنی تھی۔ ابن جوزی نے ۵۴۷ھ کے واقعات میں لکھا ہے: ''اس سال نظامیہ میں مقیم فقہاء میں سے ایک یعقوب خطاط کا انتقال ہو گیا۔ سرکاری کارندوں نے ان کا کمرہ بند اور سربمہر کر دیا۔ نظامیہ کے فقہاء نے احتجاج کیا تو بغداد پولیس کے داروغہ نے متعدد فقہاء کو حراست میں لے لیا اور قید کر دیا۔

مدرس ابوالنجیب اور تمام فقہاء نے خلیفہ کی مخالفت اور احتجاج کے اظہار کے لیے وعظ و درس فارسی میں شروع کر دیا۔ ایرانی طلبہ کے سوا باقی طلبہ ان مطالب کے سمجھنے سے قاصر تھے، اس لیے یہ بات اختلاف کا سبب بنی اور ادھر استادِ مذکور کی قید و بند اور مار پیٹ کا سبب بنی۔ (۱۲۲)

نصاب تعلیم

کسی بھی دور کے تعلیمی نظام کے مطالعہ میں نصابِ تعلیم سے بحث اس کا لازمی جز ہوتا ہے۔ درحقیقت نصاب ہی سے اس دور کے نظامِ تعلیم کی خصوصیات معلوم ہوتی ہیں اور علماءِ وقت کے تعلیمی رجحانات بلخصوص نصاب پر ان کے اثرات کا اندازہ ہوتا ہے۔

نظامیہ بغداد کی تاسیس کے آغاز میں ہی خواجہ نظام الملک کے پیش نظر یہ تھا کہ وہاں پر فقہ شافعی، حدیث اور قرأت قرآن کی تدریس ہوگی، جب کہ صرف ونحو اور ادبی علوم اسی حد تک پڑھائے جائیں گے جتنی ایک شافعی فقیہ کو فقہی مسائل میں مدد و تعاون کے لیے درکار ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ نصاب تعلیم سے متعلق وقف نامہ کے حصے میں یوں لکھا گیا تھا:

”وفی کتاب شرطها انها وقت علی اصحاب اشافعی
اصلاو فرعا و کذلك شرط فی المدرس الذی یکون
بهاوالواعظ الذی یعظ بها ومتولی الکتب و شرط ان
یکون فیها مقری یقری القرآن ونحوی یدرس
العربیة۔“(۱۲۳)

اگر چہ ان مدارس میں مختلف علوم کی حوصلہ افزائی کی بجائے ساری توجہ دینی تعلیمات پر مرکوز کر دی گئی تھی۔ اس صورت حال کا سبب یہ تھا کہ وقت کا تقاضا یہی تھا۔ عراق، شام اور مصر پر بویہیوں اور فاطمیوں کا تسلط تھا۔ یہ دونوں حکومتیں شیعہ فرقے سے تعلق رکھتی تھیں اس لیے انہوں نے پروپیگنڈے کے ذریعے شیعت کو فروغ دینے کی کوشش کی اور بعض جگہوں پر اپنی رعایا کو شیعہ عقائد کی پیروی کرنے پر مجبور کیا۔ (۱۲۴)

نظامیہ بغداد نے اپنا نصاب تعلیم مدرسہ کے وقف کرنے والے کے نظریہ کے مطابق شروع کیا۔ اس زمانہ میں واقف جو وقف نامہ لکھتا تھا وہ ان Prospectus کی طرح ہوتا تھا جو عصر حاضر کی یونیورسٹیوں میں ہوتے ہیں اور جو ان بنیادی قواعد وضوابط پر مشتمل ہوتے ہیں جن سے متعلقہ یونیورسٹی کا اسلوب تعلیم مشخص ہوتا ہے۔ (۱۲۵) مگر بتدریج نظامیہ کی وسعت کے ساتھ ساتھ اور طلبہ کے تعداد میں اضافے، فقہاء و علماء کی مہارت و نابغہ روزگاری کی وجہ سے جیسے امام محمد غزالی فقہ و اصول اور ان سے متعلق مضامین میں، خطیب تبریزی اور ان کے شاگرد ابو منصور جوالیقی ادبی مضامین میں اور مفید کتب کی تالیف و تصنیف مختلف علوم وفنون میں جو نظامیہ کے مدرسین نے لکھیں تو یوں اس مدرسہ میں زیر تدریس مضامین کا دامن وسیع تر ہوتا گیا اور درسی مواد درج ذیل مضامین پر مشتمل ہو گیا۔ فقہ، اصول، حدیث، تفسیر، علوم قرآنی، کلام، علوم ادبی، صرف ونحو، لغت و معانی و بیان، بدیع اور اسی قسم کے مضامین، علوم ریاضی اور طب۔ علم مناظرہ جس نے ایک مستقل فن کی حیثیت حاصل کر لی تھی اس کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ ان مضامین کے شیوخ اور دیگر اساتذہ الگ الگ مقرر کیے جاتے تھے۔ گویا ہر مضمون ایک شعبہ تھا جس کے مخصوص اساتذہ ہوتے تھے۔ (۱۲۶)

نظامیہ کے نصاب میں قرآن، حدیث اور شاعری ریڑھ کی ہڈی کی سی حیثیت رکھتے تھے، لیکن ان کے علاوہ دیگر دنیاوی علوم کی بھی تعلیم دی جاتی تھی۔ (۱۲۷) یہاں اس بات کا ذکر ضروری ہے کہ اگرچہ مدارس نظامیہ بنیادی طور پر دینی مدرسے تھے۔ لیکن ان مدارس نے علوم انسانی کے ساتھ بھی قدرے انصاف روا رکھا۔ یہ مدارس عوامی پیشوں کے لیے تیاری سے بھی وابستہ تھے۔ (۱۲۸) مدارس نظامیہ بغداد ان لوگوں کی تعلیم کے لیے بھی تھا جو نظمیات عامہ (Public administration) میں عہدوں کے امیدوار ہوتے تھے۔ (۱۲۹) اس طرح نظام الملک نے نہ صرف سلطنت کے عوام کی ذہنی ترقی کو یقینی بنا دیا، بلکہ سلطنت کو روشن دماغ اور لائق سرکاری عمال اور قضاۃ و منصفین بھی مسلسل ملنے لگے۔ (۱۳۰)

علوم القرآن:

قرأت قرآن اور تفسیر قرآن ان دروس میں شامل تھے جو نظامیہ میں بڑی سعی و کوشش سے پڑھائے جاتے تھے۔ مقری (مدرس قرآن) کا تعین نظامیہ بغداد کے وقف نامہ کی رو سے تھا۔ (۱۳۱) اس مضمون کے مشہور مدرسین میں سے ایک ابو محمد عبدالوہاب نامی شیرازی (م ۵۰۰ ھ) تھے۔ آپ ۴۸۳ ھ میں خواجہ نظام الملک کی طرف سے حدیث و تفسیر قرآن کی تدریس کے لیے مقرر ہوئے۔ اسماعیل بن عبدالرحمٰن زبیدی (م ۶۴۱ ھ) تھے جو ختم قرآن کی دعا پڑھنے کے ذمہ دار تھے۔ رضی الدین احمد بن اسماعیل قزوینی (م ۵۹۰ ھ)، ابو علی یحییٰ بن الربیع (م ۶۰۶ ھ)، ابو زکریا یحییٰ بن قاسم تکریتی (م ۶۱۶ ھ)۔ یہ سب حضرات علوم قرآن اور تفسیر کے مدرسین میں سے تھے۔ (۱۳۲)

حدیث:

نظامیہ بغداد میں توجہ کے نصاب میں ایک بنیادی مضمون علم حدیث رہا ہے۔ اس مضمون کے مشہور اساتذہ یہ تھے۔ یوسف بن ایوب ہمذانی (م ۵۳۵ھ)، ابوالوقت عبدالاول بن ابی عبداللہ (م ۵۵۳ھ)، ابومحمد خوارزمی (م ۵۶۸ھ)، المبارک بن المبارک الکرخی (م ۵۸۵ھ)، ابو حامد محمد بن ابی ربیع، ابو عبدالرحمٰن محمد بن محمد الکشمیہنی، ابومنصور محمد بن عبدالملک بن جیرون۔ (۱۳۳)

فقہ واصول فقہ:

فقہ وخلافیات اور جدل کے اصول وفروع اوران مضامین سے متعلق دیگرعلوم نظامیہ تعلیم کے بنیادی رکن اوراہم ترین درسی مواد تھے۔ چونکہ یہ دروس صرف فقہ شافعی تک محدود تھے۔ (۱۳۴) اس لیے نظامیہ بغداد کو پانچویں صدی کے نصف دوم سے لے کر آٹھویں صدی کے نصف دوم تک فقہ شافعی کی تعلیم کا سب سے بڑا مرکز شمار کیا جاسکتا ہے۔ نظامیہ بغداد میں ان مضامین کی تدریس پر مامور تمام حضرات شافعی ائمہ و رؤسا تھے اوراپنے اپنے دور کے فقہی نابغ تھے۔ ان مضامین کے فارغ التحصیل حضرات بھی شافعی مذہب کے اکابر میں شامل ہوئے اور قضا و مدرسی کے اعلیٰ عہدوں پر فائز ہوئے۔ چنانچہ جب مدرسہ مستنصریہ کے بانی عباسی خلیفہ مستنصر نے مذہب شافعی کی کرسی کے لیے مدرس منتخب کرنا چاہا تو باوجودیکہ مستنصریہ کی تاسیس سے اس کا ہدف نظامیہ کا مقابلہ کرنا اوراسے دھندلانا تھا۔ اسے اس کے سوا کوئی چارہ نظر نہیں آیا کہ ان مضامین کی تدریس کے لیے فقہائے نظامیہ میں سے ایک ابوعبداللہ محی الدین محمد بن یحییٰ بن فضلان (م ۶۳۱ھ) سے استفادہ کرے۔ (۱۳۵) لیکن نظامیہ میں دروس فقہی تنہا فقہ شافعی میں منحصر نہ رہے۔ علم خلاف و جدل جو

دروس نظامیہ کے عمدہ حصے کو تشکیل کرتا تھا، اس نے اس مدرسہ کے فقہاء و مدرسین کو اس بات پر مجبور کر دیا کہ وہ اپنے مذہبی مخالفین پر برتری کی خاطر تمام مذاہب کا پوری تحقیق اور باریک بینی سے مطالعہ کریں۔ (۱۳۶)

علوم فقہی میں نظامیہ کے مدرسین میں شیخ ابواسحاق شیرازی (م ۴۷۶ھ)، شیخ ابونصر بن سباغ (م ۴۷۷)، ابوبکر محمد بن احمد مستظہری الشاشی، (م ۵۰۷ھ)، احمد بن علی بن محمد الوکیل ابن برہان (م ۵۲۰ھ)، ابو سعد حلوانی (م ۵۲۰ھ)، ابوبکر محمد بن حسین ارموی (م ۵۳۶ھ)، ابو سعد محمد بن یحییٰ نیشاپوری (م ۵۴۸ھ)، علی بن ابی یعلی (۴۸۲ھ) المبارک بن المبارک الکرخی (م ۵۸۵ھ) نمایاں ہیں۔ (۱۳۷)

علم الکلام:

نظامیہ بغداد کے بہت سے واعظ اور فقہاء درحقیقت علم کلام کے مدرسین میں سے تھے جیسے ابونصر قشیری، اردشیر عبادی، ابوحامد غزالی نیز محمد بن عتیق بن محمد تمیمی قیراونی معروف بہ ابن ابی کدیہ (م ۵۱۲ھ) اور ابوالمظفر الخوانی علم کلام کے معروف مدرسین میں سے تھے۔ (۱۳۸)

علوم ادبی:

اسلام نے اپنی دعوت کا آغاز ایک ایسے معاشرے سے کیا جس کی بنیاد ادب و بلاغت پر تھی۔ اس لحاظ سے ادب عربوں کی فکری زندگی میں دو عوامل پر قائم تھا۔ اول یہ کہ ادبی فنون کی وہ عادت جو عرب کے مزاج وطبیعت میں راسخ تھی۔ دوم آئین اسلام جس نے ادب و دین کو سہارا دیا۔ یہ سارا اعجاز قرآن پر استوار تھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ یہ دونوں عوامل اس طرح یکجا ہوئے کہ ایک مسلمان عالم (متکلم، فقیہ، مفسر یا محدث)

عربی زبان وادب پر عبور حاصل کیے بغیر دعوت محمدی ﷺ کی گہرائی تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔(۱۳۹) یہی وجہ ہے کہ نظامیہ بغداد میں اس مضمون کے جو اہم ترین دروس پڑھائے جاتے تھے وہ تھے ''لغت، صرف، نحو، نظم و نثر پر مشتمل ادبی مضمون کا مطالعہ، اور معانی و بیان و بدیع''۔ نظامیہ میں نئے آنے والے طلبہ کے لیے لازمی تھا کہ وہ اس مضمون سے متعلق اعلیٰ ترین معلومات نظامیہ میں حاصل کریں۔ علوم ادبی کی تدریس اس لیے بھی لائق توجہ تھی کہ طلبہ زبان کے قواعد میں تبحر اور صوفی ونحوی ضوابط جان لینے سے پیچیدہ فقہی مسائل کو سمجھنے کے قابل ہو جاتے تھے۔ اسی لیے نظامیہ کے وقف کنندہ کی جانب سے نحو کے مدرس اور اس مضمون کی تدریس کا تعین کر دیا گیا تھا۔(۱۴۰)

ابوزکریا یحییٰ بن علی تبریزی (م۵۰۲ھ) نظامیہ بغداد میں زبان وادب کے استاد تھے۔ اس مضمون میں ان کا عبور اور ان کی شہرت عالمگیر تھی۔ لوگ آپ کی طرف سفر کرتے تھے۔ آپ کے بعد ابوالحسن علی بن ابی زید فصیحی (م۵۱۶ھ) اور ان کے بعد ابوزکریا تبریزی کے شاگرد ابومنصور موھوب بن احمد جوالیقی (م۵۴۰ھ) بہ ترتیب نظامیہ کی کرسی ادب میں آپ کے جانشین بنے۔

دیگر اساتذہ میں ھبۃ اللہ بن علی شجری (م۵۴۲ھ)، ابو محمد عبداللہ بن احمد الخشاب بغدادی (م۵۶۷ھ)، ابوالبرکات عبدالرحمان انباری (م۵۷۷ھ)، ابومنصور اسعد بن عبرتی (م۵۸۹ھ)، ابوبکر المبارک ابن الدھان (م۶۱۲ھ) اور ابوزکریا یحییٰ بن قاسم تکریتی (م۶۱۶ھ) معروف ہیں۔(۱۴۱)

ان مضامین کی جو اہم کتب پڑھائی جاتی تھیں ان کے بارے میں معلومات دستیاب نہیں ہیں۔ نظامیہ بغداد میں جوالیقی کتاب ''جمھرۃ ابن درید'' پڑھاتے تھے۔ اس حوالے سے ابن قتیبہ دینوری کی

کتاب ادب الکاتب پر مقدمہ جوالیقی کی شرح میں مصطفیٰ صادق رافعی نے لکھا ہے کہ یہ مقدمہ بعض ان دروس پر مشتمل ہے جن کی جوالیقی نے نظامیہ میں تدریس کی تھی۔اس کتاب کے مطالعہ اور تحقیق سے یوں محسوس ہوتا ہے کہ گویا آپ اس زمانہ میں پہنچ چکے ہیں کہ استاد کی کرسی تدریس کے سامنے کھڑے ہیں اور آپ اس شخص کی باتیں سن رہے ہیں جس پر اس زمانہ میں زبان کی امامت ختم ہوتی تھی۔(۱۴۲)

علم الحساب:

اگر چہ نظامیہ بغداد ایک دینی مدرسہ اور فقہ شافعی کی تعلیمات کا مرکز تھا،علوم ریاضی کا جہاں تک ریاضی کے مسائل اور علم الفرائض (میراث) سے تعلق ہے اس حد تک اس کا سیکھنا ہر فقیہ کے لیے ضروری تھا۔اور یقیناً یہ علم اس حد تک تو مدارس نظامیہ میں پڑھایا جاتا تھا۔اگر چہ اس مضمون کے مستقل درسی مواد میں شامل ہونے کے بارے میں شواہد موجود نہیں ہیں۔تاہم ابومحمد عبداللہ بن احمد الخشاب (م ۵۶۷ھ) کے بارے میں ابن خلکان نے لکھا ہے کہ:''آپ فرائض اور حساب کے مشہور عالم تھے۔''(۱۴۳)

اس مضمون کے مدرسین میں سے ایک ابوالعباس احمد بن ثبات حمامی واسطی (م ۶۳۱ھ) تھے جنہوں نے نظامیہ میں چار سال تک حساب وفرائض کی تدریس کی اور اس بارے میں کتابیں بھی لکھیں۔(۱۴۴)

یہ بات قابل غور ہے کہ قرون وسطیٰ میں رائج تمام علوم و معارف کی تدریس یکجا و ہم آہنگ ہو کر اس زمانہ کی اسلامی یونیورسٹیوں میں نہیں ہوتی تھی جیسا کہ آج کل یونیورسٹیوں میں ہوتا ہے۔اور یہ اس زمانہ میں ممکن بھی نہیں تھا کہ تمام علمی مضامین کے لیے اساتذہ دستیاب ہو سکیں۔اس دور میں یونیورسٹیوں کی یہ حالت تھی کہ ایک یونیورسٹی بعض مضامین پر زیادہ توجہ دیتی تھی اور باقی مضامین کی تدریس میں سستی کرتی تھی اور

شاید یہ اس لیے ہو کہ ایک درسی مضمون کی حاجت، خاص مقامی شرائط اور (اس یونیورسٹی) میں استاد کا ہونا یا نہ ہونا۔ اس لیے کہ استاد اس زمانہ میں بہت علمی مقام اور قدر و قیمت رکھتا تھا۔ بسا اوقات طالب علم کے لیے ضروری ہو جاتا تھا کہ جو علم اس کے شہر میں نہیں پڑھایا جاتا۔ اسے سیکھنے کے لیے وہ دور دراز شہروں کا سفر کرے۔ (۱۴۴)

خزانۃ الکتب

نظامیہ کی عمارت میں ایک حصہ لائبریری کے لیے خاص تھا جسے خزانۃ الکتب کہا جاتا تھا۔ عمارت کی تکمیل کے بعد خواجہ نے ہزاروں کی تعداد میں نادر و بیش قیمت کتابیں اس میں داخل کر دی تھیں۔ نظام الملک نے اس میں جو کتابیں بسلسلہ وقف رکھیں ان میں ابراہیم الحزلمی کی غریب الحدیث کی دس جلدیں تھیں جو ابو عمر بن حیویہ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھیں، کہا جاتا ہے کہ یہ بڑا نادر نسخہ ہے۔ (۱۴۶)

سبکی کے مطابق طبقہ علماء میں سے جب کوئی عالم خواجہ کو تحفہ دیتا تو وہ صرف کتابیں ہوا کرتی تھیں۔ اور یہ نادر کتابیں، خواجہ مدرسہ کے کتب خانہ میں داخل کر دیتا تھا۔ (۱۴۷) خواجہ کو جب بھی بغداد آنے کا اتفاق ہوتا تو وہ مدرسہ ضرور دیکھتا اور کتب خانہ میں جا کر کتب کا مطالعہ کرتا تھا۔ (۱۴۸)

مدرسہ نظامیہ کے کتب خانے میں کتابوں کا برابر اضافہ کیا جاتا رہا، چنانچہ اسی طرح کا ایک اضافہ ۵۸۹ھ میں عباسی خلیفہ ناصر لدین اللہ (۵۷۵ھ / ۱۱۷۹ء۔ ۶۲۳ھ / ۱۲۲۵ء) کے عہد میں ہوا جبکہ قصر خلافت سے نادر کتابوں کی ایک بڑی تعداد نظامیہ لائی گئی۔ (۱۴۹) ابن اثیر کا بیان ہے کہ مدرسہ نظامیہ کو جو حصہ وقف کیا گیا تھا وہ ہزاروں نادر قیمتی کتابوں پر مشتمل تھا۔ (۱۵۰) ابن کثیر کے مطابق خلیفہ نے مدرسہ

نظامیہ کی کتب کے لیے نئی لائبریری بنائی۔(۱۵۱)

حافظ ابن النجار مولف تاریخ (۱۵۲) نے نظامیہ کی لائبریری کو کتابوں کی دو الماریاں وقف کیں جو ایک ہزار دینار کے برابر تھیں۔(۱۵۳) ۵۱۰ھ میں کتب خانہ میں آتشزدگی ہوئی اور اینٹیں تک جل کر راکھ ہوگئیں مگر یہ خواجہ کی نیک نیتی کا اثر تھا کہ ایک کتاب بھی نہ جلنے پائی اور سب نکال لی گئیں۔(۱۵۴) مدرسہ نظامیہ بغداد میں کتابوں کی ایک مکمل فہرست تھی جسے ابن الجوزی (م ۵۹۷ھ) نے دیکھا تھا۔ ابن الجوزی کے مطابق اس فہرست میں چھ ہزار کتابوں کے نام درج تھے۔(۱۵۵)

نظامیہ بغداد کا انجام

مشہور مغربی سیاح ابن بطوطہ نے مغلوں کے ہاتھوں سقوط بغداد کے ۷۱ سال بعد ۷۲۷ھ میں نظامیہ بغداد کو دیکھا۔(۱۵۶) انگریز مستشرق لسٹرنج (Lestrang) کے خیال میں نظامیہ بغداد چودھویں صدی عیسوی کے نصف تک باقی اور قائم تھا۔(۱۵۷)

نظامیہ بغداد، سلاجقہ کے زوال اور خلافت عباسیہ کے سقوط کے بعد بھی قائم تھا۔ جب ۷۹۵ھ مطابق ۱۳۹۳ء میں امیر تیمور لنگ نے بغداد پر قبضہ کیا تو بھی جامعہ نظامیہ موجود تھی۔ اس واقعہ کے دو سال بعد ۷۹۷ھ مطابق ۱۳۹۵ء میں نظامیہ بغداد کو جامعہ مستنصریہ میں ضم کر دیا گیا۔(۱۵۸) اس طور سے تین سو اڑتیس سال تک قائم رہنے کے بعد نظامیہ کی عظیم تعلیم گاہ وقت کے بے رحم ہاتھوں سے آغوشِ فنا میں چلی گئی۔(۱۵۹) مدرسہ نظامیہ بغداد کا آخری نشان باقی ماندہ ایک ایوان تھا، جو پہلی جنگ عظیم تک قائم اور موجود تھا۔ خلیل پاشا (گورنر عراق) نے سڑک چوڑی کرنے کا حکم دیا تو یہ ایوان اس میں

آ گیا۔(۱۶۰) عراقی شاعر استاد معروف رصافی نے اس مدرسہ کی زبان حال سے ایک قصیدہ لکھا ہے جس میں وہ کہتا ہے:

فوض الدھر بالخراب عمادی
ورمتنی یداہ بالانکاد
طالمار فرفت من العلم رایا
افتخار منی علی بغداد
اھل بغداد مالا عینکم تغ
مض عنی کانکم فی رقاد
اھل بغداد ھل ترق قلوب
منکم راعھا انقضاض عمادی
رق حتی قلب الجماد لفقدی
فلتکونن قلوبکم من جمادی (۱۶۱)

''زمانے نے میرے وجود کے ستون کو ویران کر دیا ہے اور اس کے ظالم ہاتھوں نے مجھے سرنگوں کر دیا ہے۔ ایک طویل عرصہ تک میرا پرچم افتخار بغداد پر لہراتا رہا۔ بغداد کے لوگو! تمھیں کیا ہو گیا ہے کہ تم نے مجھ سے آنکھیں یوں پھیر لی ہیں گویا تم سوئے ہوئے ہو۔ بغداد کے لوگو! کیا تمہارے پہلو میں نرم و نازک دل نہیں ہے جو میرے اجڑے ہوئے ستونوں پر پسیجے۔ میری بدحالی پر تو پتھروں کے دل بھی روتے ہیں پس تم لوگوں کے دل بھی پتھر کے ہو۔ نے چاہیے۔''

حواشی وحوالہ جات (باب سوم)

۱۔ احمد شلبی، ڈاکٹر، مسلمانوں کا نظام تعلیم، اردو ترجمہ: ادریس صدیقی، اردو اکیڈمی سندھ، طبع اول،

۱۹۸۵ء، ص ۱۷

۲۔ ابی ابو العباس شمس الدین احمد بن محمد بن ابی بکر بن خلکان، ''وفیات الاعیان وانباء ابناء الزمان''،

تحقیق: ڈاکٹر احسان عباس، منشورات الرضی قم، ۱۳۶۴ء، ج ۲، ص ۱۲۹

۳۔ جلال ہمائی، غزالی نامہ، مترجمہ: رئیس احمد جعفری، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، طبع اول، ت ن، ص ٦۷

۴۔ نور اللہ کسائی، ڈاکٹر، مدارس نظامیہ وتاثیرات علمی و اجتماعی آن، چاپخانہ سپہر، تہران، چاپ دوم،

۱۳٦۳ء، ص ۷٦

۵۔ حافظ ابرو، شہاب الدین عبداللہ، ''زبدۃ التواریخ''، نسخہ خطی، کتابخانہ ملی ملک، تہران،

ش ۴۱۴۳۔۴۱٦٦، ص ۱۷۷

٦۔ عبدالرزاق کانپوری، ''نظام الملک طوسی''، نفیس اکیڈمی، کراچی، طبع دوم، ص ۱۹٦۰ء، ص ۵۱۹

۷۔ احمد شلبی، مسلمانوں کا نظام تعلیم، ص ۷۰۔ بحوالہ: تاریخ آل سلجوق، ص ۵۷

۸۔ تاج الدین ابی النصر عبدالوھاب ابن تقی الدین السبکی، ''طبقـات الشـافعیۃ الکبریٰ''، طبع اول،

مطبعہ حسینیہ مصر، ت ن، ج ۳، ص ۱۳۷

۹۔ چوتھی صدی ہجری کے وسط میں فاطمی خلفاء نے مصر میں جامع ازہر کے نام سے ایک عظیم درسگاہ کی تاسیس

کی۔ اس درسگاہ کا اصل مقصد ترویج علوم دینی، اقامت شعائر مذہبی اور تائید مذہب شیعہ علویہ تھا۔ تفصیلات

کے لیے ملاحظہ ہو: محمد عبداللہ عنان، تاریخ الجامع الازھر، مطبعۃ لجنۃ التالیف والترجمۃ والنشر القاھرۃ، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۳۷۸ھ/۱۹۵۸ء

۱۰۔ عبدالرحیم غنیمہ، تاریخ الجامعات الاسلامیہ الکبری، اردو ترجمہ: محمد ظہیرالدین بھٹی، اسلامک پبلیکیشنز لاہور، طبع اول، ۱۹۹۹ء، ص ۱۵۲

۱۱۔ ابی الفرج عبدالرحمٰن جوزی، المنتظم فی تاریخ الملوک والامم، دائرۃ المعارف الثمانیۃ، حیدرآباد دکن، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۳۵۹، ج ۸، ۲۳۸۔ نیز: وفیات، ج ۲، ص ۱۲۹

۱۲۔ عبدالرزاق کانپوری، نظام الملک طوسی، ص ۵۱۹

۱۳۔ علی محسن صدیقی، مقالاتِ تاریخی، قرطاس، کراچی، مارچ ۲۰۰۴ء، ص ۱۷۴

۱۴۔ سوق الثلاثا: اس بازار کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہاں صرف سہ شنبہ (منگل) کے روز بازار لگتا تھا۔ یہ حالت آبادی بغداد سے قبل کی تھی۔ جب عباسی خلیفہ منصور کے زمانہ میں یہاں میدان تھا اور اطراف بغداد کے لوگ یہاں سے سودا خرید لے جاتے تھے۔ تعمیر نظامیہ کے وقت یہ سب سے آباد بازار تھا۔ دیکھیے: عبدالرزاق کانپوری، نظام الملک طوسی، (حاشیہ) ص ۵۱۶

۱۵۔ علی ظریف اعظمی، مختصر تاریخ بغداد، مطبعۃ الفرات، بغداد، ۱۹۲۶ء، ص ۸۱

۱۶۔ عبدالرزاق کانپوری، نظام الملک طوسی، ص ۵۱۸

۱۷۔ مختصر تاریخ بغداد، ص ۸۲

۱۸۔ دیکھیے: احمد شلبی، مسلمانوں کا نظام تعلیم، ص ۲۴۷

۱۹۔ عبدالرحیم غنیمہ، الجامعات الاسلامیۃ الکبریٰ، مقدمہ از نور اللہ کسائی، ص ۵۳

۲۰۔ ابن جبیر، رحلہ ابن جبیر، دار صادر بیروت، ۱۳۸۴ھ / ۱۹۶۴ء، ص ۲۰۵

۲۱۔ عباسی خلیفہ مستنصر باللہ نے ۶۲۵ھ میں قصر خلافت کے متصل دریائے دجلہ کے مشرقی کنارے پر ایک عالیشان عمارت کی بنیاد رکھی۔ چھ سال کی مدت میں یہ عمارت بن کر تعمیر ہوئی اور ماہ رجب ۶۳۱ھ میں جمعرات کے دن درس گاہ کا افتتاح ہوا۔ ابتداء میں یہاں اہل السنّت والجماعت کے چاروں مسالک، حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے فقہی حلقہ ہائے درس الگ الگ قائم کیے گئے تھے۔ خلافت عباسیہ کے زوال کے بعد جب بغداد پر منگولوں کی حکومت قائم ہوئی تو اہل السنّت والجماعت کی دینیات کے علاوہ شیعہ دینیات کی تعلیم کا بھی یہاں بندوبست کرا گیا۔ مستنصر یہ ایک سرکاری ادارہ تھا جس کی نگرانی براہِ راست خلفاء کرتے تھے۔ دیکھیے: علی محسن صدیقی، مقالات تاریخی، ص ۱۸۶ تا ۱۹۱

۲۲۔ ابن بطوطہ، سفر نامہ ابن بطوطہ، اردو ترجمہ: رئیس احمد جعفری، نفیس اکیڈمی، کراچی، طبع اول، ۱۹۶۱ء، ص ۲۱۷

۲۳۔ المنتظم، ج ۸، ص ۲۳۸

۲۴۔ ایضاً، ج ۹، ص ۷۵

۲۵۔ ابو الحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی المعروف بابن اثیر، ''الکامل فی التاریخ''، دارالاحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۹۹۶ء، ص

۲۶۔ ابوبکر محمد بن ولید طرطوشی، سراج الملوک، مطبعۃ بولاق، قاہرہ، ۱۲۸۹ء، ص ۱۲۸

۲۷۔سفرنامہ ابن بطوطہ،ص ۵٦

۲۸۔عبدالرحیم غنیمہ،الجامعات الاسلامیة الکبریٰ،ص ۳٦۰

۲۹۔ ابن اثیر،ج ۸،ص ۱۴۴

۳۰۔ سراج الملوك،ص ۱۲۸

۳۱۔مقالات شبلی،ک ۳،ص ۴۰۔بحوالہ: آثارالبلاد قزوینی (ذکر طوس)

۳۲۔خواجہ نظام الملک نہایت فیاضی سے نظامیہ پر اخراجات کیا کرتا تھا جس پر اس کے حاسدین تاج الملک وغیرہ نکتہ چینی کیا کرتے تھے اور خواجہ کی شکایتیں ملک شاہ سے کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ نظامیہ کے مصارف معلوم ہونے پر ملک شاہ سے کہا گیا کہ اس قدر روپیہ میں ایسی فوج مرتب ہوسکتی ہے، جس سے قسطنطنیہ فتح ہوسکتا ہے۔ اور یہ زمانہ عیسائی سلاطین کا ہے جن کا مقابلہ سلطان کو کرنا پڑتا ہے۔ مگر خواجہ کا یہ حال ہے کہ فضول کاموں میں بیت المال کو خالی کیے دیتا ہے۔ جب سلطان سے یہ شکایت چند مرتبہ کی گئی تو اس نے ایک دن معمولی طریقہ سے خوا۔ سے کہا کہ پیارے باپ! چھ لاکھ دینار کے صرفہ سے تو ایک لشکر جرار تیار ہوسکتا ہے۔ جن لوگوں پر آپ زرِ کثیر لٹا رہے ہیں ان سے کیا کام نکل سکتا ہے؟ خواجہ نے جواب میں کہا: جان پدر! میں تو بوڑھا ہوگیا ہوں، اگر نیلام کیا جاؤں تو پانچ دینار سے زیادہ بولی نہ ہوگی۔ لیکن تم ایک نوجوان ترک ہو۔ تاہم مجھے امید نہیں ہے کہ تیس دینار سے زیادہ تمھاری بھی قیمت لگے۔ اس پر خدا نے تم کو بادشاہ بنایا ہے اور میں دیکھتا ہوں کہ تم لذاتِ دنیوی میں منہمک رہتے ہو۔ نیکیوں کے مقابلہ میں گناہوں کا پلہ بھاری ہو رہا ہے۔ ممالک فتح کرنے کے لے تم جو فوج بھرتی کرنا چاہتے ہو، ان کی تلواریں دو گز کی ہوں گی، اور ان کے

تیر تین سو قدم سے زیادہ دور نہیں جاسکتے۔لیکن میں جو فوج تیار کر رہا ہوں۔ان کی دعاؤں کے تیر فرش سے عرش تک جائیں گے۔جو کام ان کی دعاؤں سے ہوگا وہ تمھاری فوجیں نہیں کرسکتی ہیں۔ملک شاہ،خواجہ کا یہ جواب سن کر بہت رویا اور کہا کہ پیارے باپ! ایسی فوجیں جس قدر ممکن ہو تیار کرو۔دیکھیے: عبدالرزاق کانپوری،نظام الملک طوسی،ص ۵۲۳۔۵۲۴

۳۳۔ابن اثیر،جلد ۱۰،ص ۵۵

۳۴۔المنتظم،ج ۹،ص ۶۶

۳۵۔المنتظم،ج ۸،ص ۲۵۶

۳۶۔احمد شلبی،مسلمانوں کا نظام تعلیم،ص ۲۳۷

۳۷۔ رحلۃ ابن جبیر،ص ۲۰۵

۳۸۔ابن خلکان،ج ۱،ص ۳۶

۳۹۔المنتظم،ج ۹،ص ۲۴۶

۴۰۔کمال الدین ابوالفضل ابن فوطی،الحوادث الجامعہ فی المایۃ السابعہ،مطبعۃ الفرات،بغداد، ۱۳۵۱ھ،ص ۳۷۱

۴۱۔عباس عزاوی،تاریخ العراق بین احتلالین،بغداد،۱۳۵۳ھ،ج ۱،ص ۲۵۷

۴۲۔حاجی خلیفہ، کشف الظنون،مطبعۃ المعارف العثمانیۃ،حیدرآباد دکن،ت ن،ج ۱،ص ۱۵

۴۳۔عبدالرحیم غنیمہ،الجامعات الاسلامیۃ الکبریٰ،ص ۱۹۰۔۱۹۱

۴۴۔ شیخ ابو اسحاق شیرازی کو یہ باور کرایا گیا تھا کہ جس زمین پر نظامیہ کی تعمیر ہوئی ہے وہ غصب کردہ تھی۔ جب ان کی باقاعدہ تشفی کرادی گئی تو بیس روز بعد انھوں نے تدریس کا کام شروع کر دیا۔ دیکھیے: ابن خلکان، ج ۲، ص ۱۲۹

۴۵۔ عبدالرزاق کانپوری، نظام الملک طوسی، ص ۵۲۱

۴۶۔ المنتظم، ج ۸، ص ۲۳۸، ۲۴۶، ۲۴۷۔ نیز ابن اثیر، ج ۱۰، ص ۲۰، ۲۳

۴۷۔ علی محسن صدیقی، مقالات تاریخی، ص ۱۷۴۔ بحوالہ: اے بغداد کرانیکل، مطبوعہ کیمبرج، ۱۹۲۹ء، ص ۱۹۳

۴۸۔ عبدالرزاق کانپوری، نظام الملک طوسی، ص ۵۲۱

۴۹۔ علی محسن صدیقی، مقالات تاریخی، ص ۱۷۴

۵۰۔ عبدالرزاق کانپوری، نظام الملک طوسی، ص ۵۲۲

۵۱۔ دیکھیے: مقالہ ہذا، باب چہارم، مدرسین نظامیہ بغداد

۵۲۔ George Makdisi, The Rise of Colleges, Edinburgh University Press, 1981, p.48

۵۳۔ جلال ہمائی، غزالی نامہ، ص ۱۵۳

۵۴۔ دیکھیے: مقالہ ہذا، باب چہارم، مدرسین نظامیہ بغداد

۵۵۔ جلال ہمائی، غزالی نامہ، ص ۱۵۴

۵۶۔ عبدالرزاق کانپوری، نظام الملک طوسی، ص ۵۲۲

۵۷۔ دیکھیے: مقالہ ہذا، باب چہارم، مدرسین نظامیہ بغداد

۵۸۔ نظامیہ بغداد کی مجلس وعظ کے لیے دیکھیے: مقالہ ہذا، ضمیمہ۔۳

۵۹۔ دیکھیے: مقالہ ہذا، باب چہارم، مدرسین نظامیہ بغداد

۶۰۔ شہاب الدین ابوعبد. ﷲ یاقوت حموی، ''معجم الادبا''، مصر، ۱۹۲۳ء، ج۱۶، ص۳۴۳

۶۱۔ ایضاً، ص۳۴۱۔۳۵۸

۶۲۔ ابن خلکان، ج۴، ص۱۹۲

۶۳۔ یاقوت، ''معجم الادبا''، ج۱۵، ص۱۰۴۔۱۰۵

۶۴۔ دیکھیے: George Makdisi, The Rise of Colleges, p.222

۶۵۔ ذہبی، تذکرۃ الحفاظ، مطبعۃ معارف العثمانیہ، حیدرآباد دکن، ت ن، ص۲۷۰

۶۶۔ المنتظم، ج۱، ص۱۴۶۔۱۴۷

۶۷۔ علی محسن صدیقی، مقالات تاریخی، ص۱۷۵

۶۸۔ George Makdisi, The Rise of Colleges, p.153

۶۹۔ عبدالرزاق کانپوری، نظام الملک طوسی، ص۵۲۲

۷۰۔ عبدالرحیم غنیمہ، الجامعات الاسلامیۃ الکبریٰ، ص۱۵۷۔۱۵۸

۷۱۔ عبدالرزاق کانپوری. نظام الملک طوسی، ص۵۲۲

۷۲۔ ابن خلکان، ج۱، ص۹۷

۷۳۔ سبکی، ج ۶، ص ۱۴۹

۷۴۔ ابوالعباس احمد بن علی قلقشندی، صبح الاعشی فی صناعة الانشاء، مطبعة الامیریہ، قاہرہ،

۱۳۳۸ھ، ج ۵، ص ۴۶۳

۷۵۔ Edward G. Browne, A Literary History of Arabs, Cambridge,

1969, p . 276

۷۶۔ احمد شلبی، مسلمانوں کا نظام تعلیم، ص ۱۷۴

۷۷۔ George Makdisi, The Rise of Colleges, p.193

۷۸۔ دیکھیے: ابن خلکان، ج ۴، ص ۶۰۲

۷۹۔ معیدین نظامیہ بغداد کے لیے دیکھیے: مقالہ ہذا، ضمیمہ ۲

۸۰۔ عبدالرزاق کانپوری، نظام الملک طوسی، ص ۵۲۵

۸۱۔ دیکھیے: مقالہ ہذا، باب چہارم، مدرسین نظامیہ بغداد

۸۲۔ عماد الدین ابی الفداء اسماعیل ابن عمر بن کثیر، ''البداية والنهاية فی التاريخ''، مطبعة السعادة مصر،

ت ن، ج ۱۲، ص ۲۱۹

۸۳۔ نوراللہ کسائی، مدارس نظامیہ، ص ۱۲۵

۸۴۔ دیکھیے: ابن کثیر، ج ۱۲، ص ۱۳۶

۸۵۔ سبکی، ج ۴، ص ۲۱۵

۸۶۔ ابن خلکان، ج ۴، ص ۲۱۱

۸۷۔ المنتظم، ج ۹، ص ۱۶۶

۸۸۔ایضاً، ج ۱۰، ص ۲۴۴

۸۹۔دیکھیے: جمال الدین عبدالرحیم الاسنوی، ''طبقات الشافعية''، دارالکتب العلمیہ، بیروت، طبع اول،

۱۹۸۶ء، ج ۱، ص ۲۰۷

۹۰۔نوراللہ کسائی، مدارس نظامیہ، ص ۱۲۶

۹۱۔ المنتظم، ج ۱، ص ۲۰۳

۹۲۔ المنتظم، ج ۹، ص ۶۶

۹۳۔ابن کثیر، ج ۱۲، ص ۱۷۲

۹۴۔یاقوت، معجم الادبا، ج ۱۵، ص ۶۷

۹۵۔ابن کثیر، ج ۱۲، ص ۱۹۴

۹۶۔ایضاً، ج ۱۳، ص ۱۵۸

۹۷۔احمد بن محمد المقری التلمسانی، ''نفح الطيب من غصن الاندلس الرطيب''، مطبعۃ السعادۃ مصر،

الطبعۃ الاولیٰ، ۱۳۶۸ھ/۱۹۴۹ء، ج ۳، ص ۱۱

۹۸۔یاقوت، معجم الادبا، ج ۲۰، ص ۲۹

۹۹۔ابن خلکان، ج ۴، ص ۲۲۰

۱۰۰۔ المنتظم، ج ۹، ص ٦٦

۱۰۱۔ نور اللہ کسائی، مدارس نظامیہ، ص ۱۲۷۔۱۲۸

۱۰۲۔ یاقوت، معجم الادبا، ج ۱۵۔٦٧

۱۰۳۔ احمد شلبی، مسلمانوں کا نظام تعلیم، ص ۲۳۷۔۲۳۸

۱۰۴۔ عبدالرحیم غنیمہ، الجامعات الاسلامیة الکبریٰ، ص ۳۸۱

۱۰۵۔ المنتظم، ج ۱۰، ص ۱۴۲

۱۰٦۔ ایضاً، ج ۹، ص ۲۴٦

۱۰۷۔ احمد شلبی، مسلمانوں کا نظام تعلیم، ص ۱۴۴۔۱۴۵۔ مکمل متن کے لیے ملاحظہ کیجیے: ایرانی مجلّہ یادگار، شمارہ جنوری فروری، ۱۹۴۵ء، ص ۴۱۔۴۳

۱۰۸۔ ابن اثیر، ج ۸، ص ۱۴۴۔۱۵۲

۱۰۹۔ ابن کثیر، ج ۱۲، ص ۱۲٦

۱۱۰۔ ابن خلکان، ج ۴، ص ۲۲۵۔۲۲٦

۱۱۱۔ عبدالرحیم غنیمہ، الجامعات الاسلامیة الکبریٰ، ص ۴۲۱۔ بحوالہ: احمد فرید رفاعی، غزالی، جزء اول، ص ۱۰۷

۱۱۲۔ المنتظم، ج ۹، ص ۲۳۰

۱۱۳۔ ابن خلکان، ج ۲، ص ۱۲۹

۱۱۴۔حوادث الجامعہ،ص ۳۷۴۔۳۹

۱۱۵۔نور اللہ کسائی، مدارس نظامیہ،ص ۱۳۰۔۱۳۱

۱۱۶۔George Makdisi, The Rise of Colleges, p.213

۱۱۷۔عبدالرحیم غنیمہ، الجامعات الاسلامیة الکبریٰ،ص ۳۲۴۔۳۲۵

۱۱۸۔رحلة ابن جبیر،ص ۸۵

۱۱۹۔سبکی، ج ۶،ص ۱۰

۱۲۰۔ایضاً،ص ۳۰

۱۲۱۔عمادالدین ابی الفداء اسماعیل ابن عمر بن کثیر، ''البدایة والنہایة فی التاریخ''، مطبعة السعادة مصر، ت ن، ج ۱۳،ص ۷۰

۱۲۲۔المنتظم ج ۱۰،ص ۲۶ ۔۱۴۷

۱۲۳۔ایضاً، ج ۹،ص ۲۶

۱۲۴۔الذہبی، دول الاسلام، دائرة المعارف النظامیة، حیدرآباد دکن، ۱۳۳۷ھ، ج ۱،ص ۱۷۱

۱۲۵۔ عبدالرحیم غنیمہ، الجامعات السلامیة الکبریٰ،ص ۳۷۶

۱۲۶۔نور اللہ کسائی، مدارس نظامیہ،ص ۱۳۴

۱۲۷۔دیکھیے: Philip K. Hitti, "The Near East in History" (A 5000 Year History), D. Van Nostrand & Company, New York, 1960, p.270

۱۲۸۔ دیکھیے: Philip K. Hitti, "The Near East in History", p.258

۱۲۹۔ Arnold J. Toynbee, "A study of Histroy", Vol. IV, Oxford University Press, London, 1952, p.362

۱۳۰۔ دیکھیے: رضوان علی رضوی، نظام الملک طوسی، شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ، جامعہ کراچی، کراچی، اشاعت اول، ۱۹۹۵ء، ص ۶۴

۱۳۱۔ المنتظم، ج ۹، ص ۶۶

۱۳۲۔ دیکھیے: مقالہ ہذا، باب چہارم، مدرسین نظامیہ بغداد

۱۳۳۔ ایضاً

۱۳۴۔ المنتظم، ج ۹، ص ۶۶

۱۳۵۔ اسنوی، ج ۲، ص ۳۷۷

۱۳۶۔ نور اللہ کسائی، مدارس نظامیہ، ص ۱۳۴

۱۳۷۔ دیکھیے: مقالہ ہذا، باب چہارم، مدرسین نظامیہ بغداد

۱۳۸۔ ایضاً

۱۳۹۔ عبدالرحیم غنیمہ، الجامعات الاسلامیۃ الکبریٰ، ص ۲۶۶

۱۴۰۔ المنتظم، ج ۹، ص ۶۶

۱۴۱۔ دیکھیے: مقالہ ہذا، باب چہارم، مدرسین نظامیہ بغداد

۱۴۲۔عبدالرحیم غنیمہ، الجامعات الاسلامیۃ الکبریٰ، ص ۲۶۶۔۲۶۷

۱۴۳۔ابن خلکان، ج ۳، ص ۱۰۲

۱۴۴۔دیکھیے: مقالہ ہذا، باب چہارم، مدرسین نظامیہ بغداد

۱۴۵۔عبدالرحیم غنیمہ، الجامعات الاسلامیۃ الکبریٰ، ص ۲۶۸

۱۴۶۔سبکی، ج ۳، ص ۲۳۰

۱۴۷۔سبکی، ج ۳، ص ۲۳۰، حالات عبدالسلام مغربی

۱۴۸۔عبدالرزاق کانپوری، نظام الملک طوسی، ص ۵۲۰

۱۴۹۔مرآۃ الزمان، ج ۸، ص ۴۲۱۔۴۲۲

۱۵۰۔ابن اثیر، ج ۱۲، ص ۶۷

۱۵۱۔دیکھیے: ابن کثیر، ج ۱۲، واقعات ۵۸۹ھ

۱۵۲۔محمد بن محمود بن الحسن بن ھبۃ اللہ بن محاسن ابن النجار، ابوعبداللہ بغدادی، آپ بہت بڑے حافظ حدیث تھے۔۵۷۳ھ میں آپ کی پیدائش ہوئی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ نے تقریباً تین ہزار شیوخ سے علم حاصل کیا، ان میں تقریباً چار سو عورتیں بھی شامل تھیں۔ آپ ۲۸ سال وطن سے باہر رہے، پھر بغداد لوٹے۔ آپ کی تصانیف میں مدینۃ السلام کی تاریخ پر ''کتاب الذیل'' مکمل سولہ جلدوں میں ہے، ''اخبار مکہ والمدینہ والبیت المقدس'' بھی آپ کی تصنیف ہے، ''غرر الفوائد'' پانچ جلدوں میں ہے۔ جب آپ بغداد واپس آئے تو آپ کو مدارس میں رہائش کی پیشکش کی گئی لیکن آپ نے انکار کر دیا اور فرمایا کہ میرے پاس اتنا کچھ

ہے جس نے مجھے اس سے بے نیاز کر دیا ہے۔ جب مدرسہ مستنصریہ کی بنیاد رکھی گئی تو آپ اس کی محدثین کی

جماعت میں شامل ہو گئے۔ ۵ شعبان ۶۴۳ھ میں ۷۵ سال کی عمر میں آپ کا انتقال ہوا اور مدرسہ نظامیہ میں

آپ کا جنازہ پڑھا گیا۔ آپ کے جنازہ کے اردگرد یہ اعلان کیا جاتا تھا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث کا

حافظ ہے، جو حدیث سے کذب کی نفی کرتا تھا۔ (دیکھیے: ابن کثیر، ج ۱۲، واقعات ۶۴۳ھ)

۱۵۳۔ دیکھیے: ابن کثیر، ج ۱۲، واقعات ۶۴۳ھ

۱۵۴۔ ابن اثیر، ج ۳، ص ۸۴

۱۵۵۔ ابو الفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد بن علی الجوزی، صید الخاطر، مطبعۃ خضیر، مصر، ت ن، ص ۳۶۶۔۳۶۷

۱۵۶۔ سفرنامہ ابن بطوطہ، ص ۸۸

۱۵۷۔ عبدالرحیم غنیمہ، الجامعات الاسلامیۃ الکبریٰ، ص ۱۶۳۔ بحوالہ: لسٹرنج، بغداد فی عهد الخلافة العباسیہ، ترجمہ عربی، ص ۲۵۴

۱۵۸۔ P.K.Hitti, History of the Arabs, New York, 1958, p.411

۱۵۹۔ علی محسن صدیقی، مقالاتِ تاریخی، ص ۱۸۲

۱۶۰۔ جلال ہمائی، غزالی نامہ، ص ۱۶۱

۱۶۱۔ عبدالرحیم غنیمہ، الجامعات الاسلامیۃ الکبریٰ ص ۱۶۳۔ بحوالہ: طٰہٰ الراوی، بغداد مدینۃ السلام، ص ۹۰

باب چہارم

مدرسین نظامیہ بغداد

مدرسہ نظامیہ بغداد، سلطنت عباسیہ کی زینت اور بغداد کی آبرو تھا۔ مدرسہ نظامیہ کا معیار ہمیشہ بلند رہا کیونکہ اسے اس دور کے بہترین علماء وفضلاء کی خدمات حاصل تھیں۔ نظامیہ بغداد میں مدرس کے منصب کے لیے کسی کا انتخاب ہو جانا، اس وقت ایک عالم کے لیے سب سے بڑا اعزاز اور منتہائے ترقی سمجھا جاتا تھا۔

مدرسہ نظامیہ کے اساتذہ کی تعداد ہماری تحقیق کے مطابق سو سے زیادہ تھی۔ افسوس کہ ان علماء کے حالات کے متعلق کتابیں مرورِ ایام سے ناپید ہو چکی ہیں۔

۱۔ابن ابی کدیہ تمیمی قیروانی:

ابن ابی کدیہ تمیمی قیروانی، محمد بن عتیق، مدرس نظامیہ بغداد، آپ نظامیہ بغداد میں علم الکلام کا درس دیا کرتے تھے۔ ۵۱۲ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔(۱)

۲۔ابن الشامی:

ابن الشامی، آپ مدرسہ نظامیہ بغداد میں مدرس تھے۔ ۵۶۹ھ میں آپ کو نظامیہ کی تدریس سے الگ کر دیا گیا۔ آپ کی جگہ ابوالخیر قزوینی منصب تدریس پر فائز ہوئے۔ (۲)

۳۔ابواسحاق ابراہیم بن علی بن یوسف شیرازی فیروز آبادی:

ابراہیم بن علی بن یوسف فیروز آبادی، (۳) شیخ الشافعیہ، آپ نظامیہ بغداد میں مدرس تھے۔ آپ ۳۹۳ھ میں اور بعض کے قول کے مطابق ۳۹۶ھ میں پیدا ہوئے۔ ایران میں ابوعلی عبداللہ بیضاوی سے فقہ سیکھی، پھر ۴۱۵ھ میں بغداد آئے اور قاضی ابوالطیب طبری سے فقہ سیکھی۔(۴) آپ نے قاضی ابوالطیب طبری کی بکثرت مصاحبت کی اور آپ سے فائدہ اٹھایا۔ آپ کی مجلس میں آپ کی نیابت کی اور آپ نے اپنے حلقے میں انہیں دہرائی کرنے پر مقرر کیا۔(۵)

آپ نے حافظ ابوبکر احمد بن محمد بن احمد بن غالب الخوارزمی البرقانی اور ابوعلی الحسن بن احمد بن ابراہیم بن شاذان البراز اور ابوالفرج محمد بن عبداللہ الخرجوشی الشیرازی وغیرہ سے حدیث کا سماع کیا۔(۶)

آپ وہ پہلے شخص ہیں جو خواجہ نظام الملک کے فرمان سے مدرسہ نظامیہ بغداد کی رسمِ افتتاح کے موقع پر اس مدرسہ میں استاد مقرر ہوئے۔ لیکن آپ نے اس سے اجتناب کیا تو ۱۰ ذیقعدہ ۴۵۹ھ سے یکم ذی الحجہ تک بیس دنوں کے لیے وقتی طور پر ابونصر بن سباغ آپ کی جگہ کرسی تدریس پر بیٹھے۔ اس کے بعد ارباب حل وعقد نے خواجہ نظام الملک کے حکم پر بااصرار آپ کو راضی کیا۔ آپ نے منصب تدریس قبول کرلیا اور زندگی کی آخری سانس تک منصب تدریس پر فائز رہے۔(۷)

اس دوران فقہ شافعی کے بہت سے طلباء جو آگے چل کر عالم اسلام کے بہت سے شہروں اور ملکوں میں علمی، مذہبی اور اعلیٰ سیاسی مناصب پر فائز ہوئے۔ آپ کے درس میں حاضر ہوئے۔ چنانچہ آپ نے خود اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ: ''عراق سے لے کر خراسان تک جس شہر اور قصبہ میں بھی گیا تو وہاں کا مفتی، قاضی یا خطیب میرا ہی شاگرد نکلا۔''(۸)

آپ عابد وزاہد، بڑی شان والے، فقہ، اصول فقہ، حدیث اور دوسرے بہت سے فنون میں امام تھے۔ آپ کی بہت سے مفید تصانیف ہیں جیسے: المھذب فی المذھب، التنبیہ، النکت فی لاخلاف، اللمع فی اصول فقہ، التبصرہ اور طبقات الشافعیہ وغیرہ۔(۹)

آپ نے ۱۲ جمادی الآخرۃ ۴۷۶ھ میں وفات پائی۔ دارالخلافہ کے باب الفردوس میں آپ کا جنازہ پڑھا گیا، پھر جامع القصر میں دوبارہ آپ کا جنازہ پڑھا گیا اور باب ابرز میں ناحیہ کے قریبی قبرستان میں دفن کیا گیا۔(۱۰)

ابن خلکان نے بیان کیا ہے کہ جب آپ فوت ہوگئے تو فقہاء نے نظامیہ میں آپ کی تعزیت کی اور

موید الملک نے آپ کی جگہ ابوسعد کو متولی مقرر کیا، اور جب نظام الملک طوسی کو اطلاع ملی تو اس نے لکھا کہ آپ کی وجہ سے مدرسہ کو ایک سال تک بند کرنا واجب تھا۔ اس نے حکم دیا کہ آپ کی جگہ شیخ ابونصر الصباغ پڑھائیں گے۔ (۱۱)

۴۔ ابوالبرکات عبدالرحمٰن بن ابی الوفاء الانباری النحوی:

ابوالبرکات عبدالرحمٰن بن ابی الوفاء، محمد بن عبیداللہ ابن سعید محمد بن الحسن بن سلیمان الانباری (۱۲) الملقب کمال الدین النحوی، آپ علم نحو میں ان آئمہ میں سے تھے، جن کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ آپ نے بچپن سے لے کر وفات تک بغداد میں سکونت رکھی۔ آپ نے نظامیہ بغداد میں فقہ شافعی کی تعلیم حاصل کی، ابومنصور ابن الجوالیقی سے لغت پڑھی اور الشریف ابوالسعادات ہبۃ اللہ الشجری کی صحبت اختیار کی اور علم ادب میں تبحر حاصل کیا۔ (۱۳)

آپ نظامیہ بغداد میں نحو کے صدر مدرس کے منصب پر فائز تھے۔ ابن خلکان کا بیان ہے کہ جس نے بھی آپ سے پڑھا، وہ ممتاز ہو گیا (ما قرا علیه احد الا و تمیز)۔ آخری عمر میں آپ علم و عبادت میں مشتغل ہو کر اپنے گھر میں گوشہ نشین ہو گئے اور دنیا اور اہلِ دنیا کی مجالست چھوڑ دی۔ (۱۴)

آپ کی تصانیف میں کتاب ''اسرار العربیه''، کتاب ''المیزان'' اور ''طبقات الادباء'' شامل ہیں۔ آپ کی ولادت ربیع الثانی ۵۱۳ھ میں اور وفات ۹ شعبان ۵۷۷ھ کی شب جمعہ کو بغداد میں ہوئی۔ آپ کو باب ابرز میں شیخ ابواسحاق شیرازی کے قبرستان میں دفن کیا گیا۔ (۱۵)

۵۔ابوالحزم مکی بن زیان:

ابن شبتہ بن صالح، الماکسینی ، جوسنجار کے مضافات میں ہے، سے تعلق رکھتے تھے۔آپ بغداد آئے اور علی ابن الخشاب ، ابن القصار اور کمال انباری سے علم حاصل کیا۔آپ شام آئے تو بہت سے لوگوں نے آپ سے فائدہ اٹھایا، جن میں شیخ علم الدین سخاوی وغیرہ بھی تھے۔آپ نابینا تھے۔

آپ کے اشعار میں سے یہ اشعار بھی ہیں:

اذا احتـــاج الــنــوال الـــى شــفيــع

فــلا تــقـبـلــــه تــصـبـح قــرر عيــن

اذا عيف الــــنــــوال لــــفـــرد مـــن

فـــاولـــى ان يــعـــاف لــمـــنـتـيـن

''جب بخشش، سفارش کی محتاج ہو تو اسے قبول نہ کر، تیری آنکھ ٹھنڈی ہو جائے گی، اور جب بخشش کو صرف احسان کی وجہ سے ناپسند کیا گیا ہے تو زیادہ مناسب ہے کہ دو احسانات کی وجہ سے اسے ناپسند کیا جائے۔''(۱۶)

۶۔ابوالحسن فارقی:

ابوالحسن علی بن علی بن سعادۃ الفارقی ،آپ فاضل فقیہ، مناظر اور واعظ تھے۔میافارقین میں آپ کی پیدائش ہوئی۔آپ نے تبریز کا سفر کیا اور وہاں فقیہ علی ابوعمر سے فقہ پڑھی اور سماع حدیث کیا۔پھر آپ بغداد

آئے اور شیخ ابوالنجیب سہروردی کی صحبت اختیار کی اور کچھ عرصے وعظ کیا۔ پھر آپ نے نظامیہ بغداد میں سکونت اختیار کر لی اور مدرس نظامیہ بغداد ابن بندار دمشقی سے کسب فیض کیا، دہرائی کی اور مدرس کے منصب پر پہنچے۔

آپ نے عباسی خلیفہ ناصر الدین (۵۷۵ھ/۱۱۷۹ء-۶۲۳ھ/۱۲۲۵ء) کی والدہ کے مدرسہ میں بھی پڑھایا۔ ۶۰۲ھ میں آپ نے وفات پائی۔ (۱۷)

۷۔ ابوالحسن علی بن ابی زید محمد بن علی الفصیحی الاستراباذی:

ابوالحسن علی بن ابی زید محمد بن علی النحوی، المعروف بالفصیحی الاستراباذی، آپ نے مولف ''الجمل الصغری'' عبدالقاہر جرجانی سے نحو سیکھی اور اس میں تبحر حاصل کیا۔ آپ اپنے زمانے میں اس کے سب سے بڑے ماہر تھے۔ آپ بغداد آئے اور اسے اپنا وطن بنالیا اور مدت تک مدرسہ نظامیہ میں پڑھایا۔ پھر تشیع کا اقرار کرنے کی وجہ سے نظامیہ کی تدریس اور مدرسہ کے قیام وطعام سے محروم کر دیا گیا۔

آپ نہایت صحیح تحریر لکھتے تھے۔ آپ نے ادب کی بہت کتابیں لکھیں اور آپ سے بے شمار لوگوں نے فائدہ اٹھایا۔ ۱۳ ذی الحجہ ۵۱۶ھ میں بدھ کے روز بغداد میں وفات پائی۔ (۱۸)

۸۔ ابوالحسن علی بن محمد بن علی الطبری الکیاالھراسی:

ابوالحسن علی بن محمد بن علی الطبری، الملقب عماد الدین، المعروف بالکیاالھراسی (۱۹)، الفقیہ

الشافعی، آپ طبرستان کے باشندے تھے۔ آپ نیشاپور گئے اور مدت تک امام الحرمین ابوالمعالی الجوینی سے فقہ سیکھتے رہے حتیٰ کہ ماہر ہو گئے۔ پھر نیشاپور سے بیہق چلے گئے اور وہاں مدت تک پڑھایا، پھر عراق چلے گئے اور نظامیہ بغداد کی تدریس سنبھال لی، اور تاحیات پڑھاتے رہے۔ آپ درس میں امام الحرمین کی دہرائی کرنے والوں کے سرکردہ لوگوں میں سے تھے اور ابوحامد غزالی کے ثانی تھے۔ (۲۰)

۳ محرم ۴۹۵ھ کو آپ کو گرفتار کرلیا گیا اور نظامیہ کی تدریس سے معزول کر دیا گیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کی کسی نے سلطان کے پاس آپ پر تہمت لگائی کہ یہ باطنی ہے۔ علماء کی ایک جماعت نے اس سے آپ کی براءت کی گواہی دی تو دارالخلافہ سے رہائی کا پیغام آیا۔ (۲۱) اس کے بعد آخری عمر تک نظامیہ بغداد میں تدریس میں مشغول رہے۔ (۲۲)

الکیاالھر اسی کی ولادت ذوالقعدہ ۴۵۰ھ میں ہوئی اور وفات یکم محرم ۵۰۴ھ کو بروز جمعرات بوقت عصر بغداد میں ہوئی اور تدفین شیخ ابواسحاق شیرازی کے قبرستان میں ہوئی۔ (۲۳)

۹۔ ابوالحسن علی بن ھبۃ اللہ بن عبدالسلام:

ابوالحسن علی بن ھبۃ اللہ بن عبدالسلام، مدرس نظامیہ بغداد، آپ سے عمادالدین کاتب اصفہانی نے نظامیہ بغداد میں حدیث کا سماع کیا۔ (۲۴)

۱۰۔ابوالحسن قزوینی:

ابوالحسن قزوینی، آپ نظامیہ بغداد میں مدرس تھے۔ (۲۵)

۱۱۔ابوالخیر اسمٰعیلی:

ابوالخیر اسمٰعیلی، مدرس نظامیہ بغداد، ۵۸۱ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ (۲۶)

۱۲۔ابوالخیر قزوینی:

آپ نظامیہ بغداد میں مدرس تھے۔ آپ نے ابن الشاشی کی معزولی کے بعد ۵۶۹ھ میں مدرس کے منصب پر فائز ہوئے۔ (۲۷)

۱۳۔ابوالسعادات، ھبۃ اللہ بن علی شجری بغدادی:

ابوالسعادات، ھبۃ اللہ بن علی بن شجری بغدادی، عالم نحو، آپ بغداد کے عظیم علماء میں سے تھے۔ نظامیہ بغداد میں ابوالبرکات انباری کے استاد نحو تھے۔ ۵۴۲ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ (۲۸)

۱۴۔ابوالعباس بن عون احمد بن محمد بن دری:

ابوالعباس بن عون، احمد بن محمد بن دری، مدرس نظامیہ بغداد، آپ نظامیہ میں ہی مقیم تھے۔ ۵۹۸ھ

میں آپ نے وفات پائی۔(۲۹)

۱۵۔ابوالفتح احمد بن علی بن برہان:

ابوالفتح احمد بن علی بن برہان جوابن الحمامی کے نام سے مشہور ہیں،آپ نے ابوالوفا ابن عقیل سے فقہ سیکھی،اور امام احمد کے مذہب میں یکتا ہوگئے۔پھر کچھ باتوں کے باعث آپ کے اصحاب ناراض ہوگئے،تو اس بات نے آپ کو امام شافعی کے مذہب کی طرف مائل ہونے پر آمادہ کیا۔آپ نے الشاشی اور امام غزالی سے اشتغال کیا اور ماہر ہوگئے۔آپ نے ایک ماہ نظامیہ بغداد میں پڑھایا۔

جمادی الاولی ۵۱۷ھ میں آپ نے وفات پائی اور باب البرز میں دفن ہوئے۔(۳۰)

۱۶۔ابوالفتح احمد بن علی بن محمد الوکیل:

ابوالفتح احمد بن علی بن محمد الوکیل،المعروف بابن برہان،الفقیہ الشافعی،آپ اصول وفروع اور متفق اور مختلف میں تبحر تھے۔آپ نے ابوحامد غزالی،ابوبکر الشاشی اور الکیاالھر اسی سے فقہ سیکھی اور اس میں ماہر ہوگئے۔ آپ نے اصول فقہ میں کتاب''الوجیز'' تصنیف کی اور بغداد میں ایک ماہ سے کم عرصہ مدرسہ نظامیہ کی تدریس کی ذمہ داری کو سنبھالا اور ۵۲۰ھ میں بغداد میں وفات پائی۔(۳۱)

۱۷۔ابوالفتح اسعد بن ابی نصر بن ابی الفضل المیہنی :

ابوالفتح اسعد بن ابی نصر بن ابی الفضل المیہنی (۳۲)، الفقیہ الشافعی، الملقب مجد الدین، آپ فقہ اور خلافیات میں سبقت کرنے والے امام تھے۔ آپ نے نظامیہ مرو میں فقہ کی تعلیم حاصل کی، پھر غزنی چلے گئے اور اس علاقے میں شہرت پائی اور آپ کے کمال کی خبر پھیل گئی۔ پھر آپ بغداد آئے۔ بغداد میں دو مرتبہ مدرسہ نظامیہ کی تدریس آپ کے سپرد کی گئی۔ پہلی مرتبہ ۵۰۷ھ میں، پھر ۱۸ شعبان ۵۱۳ھ میں آپ کو معزول کر دیا گیا۔ دوسری مرتبہ شعبان ۵۱۷ھ میں، پھر آپ اسی سال ذوالقعدہ میں العسکر شہر کی طرف چلے گئے اور لوگوں نے آپ سے اشتغال کیا اور آپ سے فائدہ اٹھایا۔ ۵۲۷ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ (۳۳)

۱۸۔ابوالفتح بن باقرحی :

ابوالفتح بن باقرحی، عبدالواحد بن حسن، آپ فقہائے نظامیہ بغداد میں سے تھے۔ جمادی الثانی ۵۱۷ھ میں سلطان سنجر کا شاہی فرمان لے کر بغداد آئے اور منصب تدریس اور امورِ ادارہ کی ذمہ داری سنبھالی۔ شعبان ۵۱۷ھ تک آپ اس عہدے پر رہے۔ پھر آپ کی جگہ اسعد میہنی کا انتخاب عمل میں آ گیا۔

۵۳۳ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ (۳۴)

۱۹۔ابوالفتح حداد :

ابوالفتح حداد، احمد بن محمد اصفہانی، آپ نے نظامیہ نیشاپور میں تعلیم حاصل کی اور نظامیہ بغداد میں

تدریس کے فرائض انجام دیے۔ (۳۵)

۲۰۔ ابوالفتوح احمد بن محمد بن احمد الغزالی:

ابوالفتوح احمد بن محمد بن احمد الطوسی الغزالی الملقب مجد الدین، برادر امام ابی حامد محمد بن محمد الغزالی ،الفقیہ الشافعی، آپ بہت اچھے واعظ اور صاحب کرامات واشارات تھے۔ فقہاء میں سے تھے مگر آپ وعظ کی طرف مائل ہو گئے اور وعظ آپ پر غالب آ گیا۔

جب آپ کے بھائی ابوحامد غزالی نے تدریس کو بے رغبتی سے چھوڑ دیا تو آپ نے اپنے بھائی کی نیابت میں مدرسہ نظامیہ میں پڑھایا اور اپنے بھائی ابوحامد غزالی کی کتاب ''احیا علوم الدین '' کا ایک جلد میں اختصار کیا اور اس کا نام ''لباب الاحیا '' رکھا۔ آپ کی ایک اور تصنیف بھی ہے جس کا نام ''الذخیرہ فی علم البصیرۃ '' ہے۔ آپ شہروں میں گھومے اور خود صوفیاء کی خدمت کی۔ (۳۶)

۲۱۔ ابوالقاسم الدبوسی:

ابوالقاسم الدبوسی، سید علی بن مظفر علوی حسینی، آپ خواجہ نظام الملک طوسی کی دعوت پر جمادی الاولی ۴۷۹ھ میں نظامیہ میں تدریس کے لیے بغداد تشریف لائے۔ ابن اثیر اس سال کے واقعات کے ضمن میں لکھتا ہے کہ: ''آپ اس شان سے بغداد تشریف لائے کہ یاد نہیں پڑتا کہ کسی فقیہ کا ایسا شاندار استقبال ہوا ہو۔'' (۳۷) آپ اپنی زندگی کے آخری لمحات تک تدریس میں مشغول رہے۔ ۲۰ جمادی الثانی ۴۸۲ھ میں

آپ کا انتقال ہوا۔ (۳۸)

۲۲۔ابوالقاسم العلوی الریوی:

ابوالقاسم العلوی الریوی، مدرس نظامیہ بغداد، ۴۸۲ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ (۳۹)

۲۳۔ابوالقاسم محمود بن مبارک:

ابوالقاسم محمود بن مبارک، مجیر بغدادی، آپ نظامیہ بغداد کے طلباء میں سے ہیں۔ ابوالنجیب سہروردی کے درس کے معید بھی رہے۔ آپ علوم کے جامع تھے۔ (۴۰)

رمضان ۵۹۲ھ میں ابن القصاب کی دعوت پر آپ نے نظامیہ میں درس دینا شروع کیا اور اسی سال ذوالقعدہ میں آپ کا انتقال ہوگیا۔ (۴۱)

۲۴۔ابوالمظفر بن ابی المشرف موصلی:

ابوالمظفر بن ابی المشرف موصلی، مدرس نظامیہ بغداد، ۶۱۵ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ (۴۲)

۲۵۔ابوالمعالی عبدالرحمٰن بن مقبل:

ابوالمعالی عبدالرحمٰن بن مقبل بن علی واسطی، شافعی، مدرس نظامیہ بغداد، آپ نے بغداد میں علم حاصل

کیا اور بعض مدارس میں اس کی دہرائی کی۔ ۶۳۱ھ میں محی الدین بن فضلان، مدرس مستنصریہ کی وفات کے بعد آپ ان کی جگہ مدرسہ مستنصریہ میں مدرس فقہ شافعیہ مقرر ہوئے۔ (۴۳)

۲۶۔ ابوالمکارم المبارک بن علی سمرقندی:

ابوالمکارم المبارکؒ بن علی سمرقندی، مدرس نظامیہ بغداد، آپ سے عماد الدین کاتب اصفہانی نے نظامیہ بغداد میں حدیث کا سماع کیا۔ (۴۴)

۲۷۔ ابوالنجیب عبدالقاہر بن عبداللہ بن محمد:

ابوالنجیب عبدالقاہر بن عبداللہ بن محمد بن عمویہ، آپ کا نام عبداللہ بن سعد بن الحسین بن القاسم بن علقمہ بن النضر بن معاذ بن عبدالرحمٰن بن القاسم بن محمد بن ابی ابکر صدیق رضی اللہ عنہ ہے، اور لقب ضیاء الدین سہروردی ہے۔ آپ اپنے وقت میں عراق کے شیخ تھے۔

آپ کی ولادت تقریباً ۴۹۰ھ میں سہرورد میں ہوئی۔ آپ بغداد آئے اور مدرسہ نظامیہ میں اسعد المیہنی سے فقہ سیکھی۔ پھر صوفیاء کے طریق پر چلے اور انقطاع و عزلت آپ کی محبوب ہوگئی اور آپ مدتِ مدید تک لوگوں سے منقطع رہے اور اللہ کے کاموں کے لیے اشتغال کیا اور اس بارے میں جدوجہد کی، پھر واپس آئے اور جماعت کو اللہ کی طرف دعوت دی۔ آپ کے وعظ و نصیحت کے باعث خلقِ کثیر نے رجوع الی اللہ کیا۔ آپ نے بغداد کی غربی جانب دریا کے کنارے پر خانقاہ بنائی۔ (۴۵) اور اپنے صالحین اصحاب کی

ایک جماعت کواس میں ٹھہرایا، پھر مدرسہ نظامیہ کی تدریس کی طرف آپ کو بلایا گیا، تو آپ نے اس کو قبول کیا اور وہاں مدت تک پڑھایا۔(۴۶)

آپ ۲۷ محرم ۵۴۵ھ کو نظامیہ بغداد کے منتظم بنے، رجب ۵۴۷ھ میں آپ کو اس سے ہٹا دیا گیا۔ ۱۷ جمادی الثانی ۵۶۳ھ کو جمعہ کے روز عصر کے وقت آپ کا انتقال ہوا۔(۴۷)

۲۸۔ابوالوفاء قاضی اصفہانی:

ابوالوفاء قاضی اصفہانی، محمد بن محمد، آپ قاضی عسکر اور مدرس نظامیہ بغداد تھے۔ ۵۳۶ یا ۵۳۷ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔(۴۸)

۲۹۔ابوالوقت عبدالاول بن ابی عبداللہ:

ابوالوقت عبدالاول بن ابی عبداللہ عیسیٰ بن شعیب بن ابراہیم بن اسحاق، السنجر، آپ بکثرت عالی الاسناد احادیث بیان کرتے تھے۔ شیخ ابوجعفر محمد بن ہبۃ اللہ بن المکرم بن عبداللہ صوفی بغدادی نے مدرسہ نظامیہ بغداد میں آپ سے ربیع الاول ۵۵۳ھ میں صحیح بخاری کا سماع کیا۔ اور آپ نے ابوالحسن عبدالرحمٰن بن محمد بن مظفر الداؤدی (۴۹) سے ذوالقعدہ ۴۶۵ھ میں اس کا سماع کیا۔(۵۰)

آپ ذوالقعدہ ۴۵۸ھ میں ہرات میں پیدا ہوئے اور ۶ ذوالقعدہ ۵۵۳ھ میں وفات پائی۔(۵۱)

۳۰۔ابوبکر احمد بن علی بن الاشقر:

ابوبکر احمد بن علی بن الاشقر، مدرس نظامیہ بغداد، آپ سے عماد الدین کاتب اصفہانی نے نظامیہ بغداد میں حدیث کا سماع کیا۔(۵۲)

۳۱۔ابوبکر صدر الدین خجندی:

محمد بن عبداللطیف بن محمد بن ثابت، ابوبکر خجندی، فقیہ الشافعی، شیخ النظامیہ، خاندانِ خجندی کے بزرگ، آپ نے ایک مدت تک بغداد میں قیام کیا اور نظامیہ میں وعظ و تدریس کی۔(۵۳)

سلاطین کے ہاں آپ کو تقدم حاصل تھا اور وہ آپ کے مشورے سے فیصلے صادر کرتے تھے۔۵۵۲ھ میں اصبہان میں آپ کا انتقال ہوا۔(۵۴)

۳۲۔ابوبکر محمد بن احمد بن الحسین المستظہری الشاشی:

ابوبکر محمد بن احمد بن الحسین بن عمر الشاشی الاصل الفارقی المولد المعروف بالمستظہری، الملقب فخر الاسلام، الفقیہ الشاشی، آپ کی ولادت محرم ۴۲۹ھ میں میافارقین میں ہوئی۔آپ اپنے وقت کے فقیہ تھے۔آپ نے سب سے پہلے میافارقین میں ابوعبداللہ محمد بن بیان الکازرونی، ابومحمد الجوینی کے دوست قاضی ابومنصور طوسی سے فقہ سیکھی۔پھر بغداد کی طرف سفر کیا اور شیخ ابواسحاق شیرازی کے ساتھ رہے۔فقہ کی کتاب ''الشامل'' کو اس کے مصنف، ابونصر ابن صباغ کو سنائی اور شیخ ابواسحاق شیرازی کے ساتھ نیشاپور آئے اور

امام الحرمین کے سامنے ایک مسئلہ کے متعلق گفتگو کی، اور اس میں کمال کیا اور بغداد واپس آ گئے۔

آپ اپنے استاد ابواسحاق شیرازی کے بعد عراق میں متعین ہوئے، شافعیہ کی سرداری آپ تک پہنچی۔ آپ نے مفید تصانیف کیں، جن میں سے مذہب کے بارے میں کتاب ''حلیة العلماء بمعرفة مذاهب الفقهاء'' بھی ہے۔ آپ نے اس میں امام شافعی کے مذہب کو بیان کیا ہے۔ پھر اس میں ہر مسئلہ کے بارے میں آئمہ کا اختلاف بھی شامل کر دیا ہے اور اس قسم کی بہت سی باتیں جمع کر دی ہیں، اور اس کا نام ''المستظهری'' رکھا ہے، اس لیے کہ آپ نے اسے مستظہر باللہ (۴۸۷ھ/۱۰۹۴ء۔۵۱۵ھ/۱۱۱۸ء) کے لیے تصنیف کیا۔ (۵۵)

آپ نظامیہ بغداد کے فارغ التحصیل اور اپنے استاد ابواسحاق شیرازی کے درس کے معید تھے۔ ۵۰۴ھ میں الکیا الھراسی کی وفات کے بعد نظامیہ بغداد میں مدرس کے منصب پر فائز ہوئے۔ (۵۶)

۱۵ شوال ۵۰۷ھ کو ہفتے کے روز آپ کا انتقال ہوا۔ آپ کو آپ کے شیخ ابواسحاق شیرازی کے ساتھ باب البرز کے قبرستان میں دفن کیا گیا۔ (۵۷)

آپ اکثر یہ اشعار پڑھتے تھے:

تعلم یا فتی والعود غض

وطینک لین والطبع قابل

فحسبک یا فتی شرفا وفخرا

سکوت الحاضرین وانت قائل

''اے نوجوان! اس حالت میں پڑھ کہ شاخ تر و تازہ ہو اور تیری مٹی نرم ہو اور طبیعت قابل ہو۔ اور اے جوان! تیرے لیے یہی شرف اور فخر کافی ہے کہ حاضرین خاموش ہوں اور تو بات کر رہا ہو۔'' (۵۸)

۳۳۔ابوبکر محمد بن حسین ارموی:

ابوبکر محمد بن حسین ارموی، آپ ابواسحاق شیرازی کے شاگرد تھے۔ آپ نظامیہ بغداد میں مدرس فقہ کے منصب پر فائز ہوئے۔ ۵۳۶ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ (۵۹)

۳۴۔ابوبکر محمد بن یحییٰ السلامی:

ابن المظفر بن علم بن نعیم معروف بابن الحسر السلامی، آپ شیخ، عالم، فاضل تھے۔ پہلے آپ حنبلی تھے پھر شافعی ہو گئے۔ آپ نے بغداد کے متعدد مدارسِ شافعیہ میں پڑھایا۔

آپ معتبر آدمیوں میں سے تھے، بہت سے کاموں کے منتظم تھے۔ اصولِ فقہ اور خلافیات کے عالم تھے۔ ابن فضلان نے دارالحریم میں آپ کو نائب مقرر کیا، آپ نے نظامیہ میں درس دیا، اعیان آپ کے پاس حاضر ہوئے اور آپ ہمیشہ وہیں رہے، حتیٰ کہ ۶۳۹ھ میں ۸۰ سال کی عمر میں آپ کا انتقال ہو گیا۔ بابِ حرب میں آپ کو دفن کیا گیا۔ (۶۰)

۳۵۔ ابو حامد محمد بن محمد غزالیؒ:

ابو حامد محمد بن محمد بن محمد بن احمد الغزالی، الملقب حجۃ الاسلام، زین الدین الطوسی، الفقیہ الشافعی، آپ کے آخری زمانے میں فرقہ شافعیہ میں، آپ کی مثل موجود نہ تھی۔(۶۱) آپ اسلامی دنیا کے سب سے زیادہ بدیع الخیال مفکر تھے۔(۶۲) الغزالی سے اسلامی الٰہیات کی نشو ونما کا دوسرا عظیم الشان دور شروع ہوتا ہے، جس طرح کہ ابوالحسنؒ الاشعری (۶۳) نے عقائدِ صحیحہ کی حمایت میں منطقی استدلال کو کام میں لا کر اس کے پہلے دور کا آغاز کیا تھا۔(۶۴)

آپ کی ولادت ۴۵۰ھ / ۱۰۵۸ء میں، اور بعض کے قول کے مطابق ۴۵۱ھ میں طابران (۶۵) میں ہوئی۔(۶۶) ابتدائی تعلیم طوس اور نیشاپور میں حاصل کی۔ طوس میں علی احمد الرازکانی سے اشتغال کیا، پھر نیشاپور آئے اور امام الحرمین ابوالمعالی الجوینی کے دروس میں آتے جاتے رہے اور اشتغال میں خوب کوشش کی، حتیٰ کہ تھوڑی مدت میں تربیت پا گئے اور اور اپنے استاد کے زمانے میں ہی ان اعیان میں سے ہو گئے جن کی طرف اشارہ کیا جاتا تھا۔ آپ کے استاد ابوالمعالی الجوینی آپ پر فخر کیا کرتے تھے۔

۴۷۸ھ تک امام الحرمین الجوینی کے انتقال تک ان کے ساتھ مقیم رہے۔ ان کے انتقال کے بعد امام غزالی نیشاپور سے العسکر چلے گئے اور وزیر نظام الملک طوسی سے ملے۔ نظام الملک طوسی نے آپ کی تعظیم و تکریم کی اور آپ کی طرف بہت توجہ کی۔ نظام الملک کے ہاں افاضل کی ایک جماعت موجود تھی، پس متعدد مجالس میں ان کے درمیان جدال و مناظرہ ہوا، اور آپ ان پر غالب آ گئے۔ یہاں تک کہ آپ کے جاہ وجلال کے سامنے امراء ووزراء اور خود بارگاہِ خلافت کی شان وشوکت ماند پڑ گئی۔(۶۷)

نظام الملک نے مدرس نظامیہ بغداد کی تدریس آپ کے سپرد کردی اور آپ نے ۴۸۴ھ میں وہاں آکر لیکچر دیے۔ اہلِ عراق آپ سے حیران رہ گئے اور ان کے ہاں آپ کا مقام بلند ہوگیا۔(۶۸)

۴۸۳ھ سے ۴۸۷ھ تک الغزالی اپنے زمانے کے مختلف مذاہب فکر خصوصاً فلسفے کا بڑی محنت سے مطالعہ کرتے رہے اور انجام کار پورے انہماک سے فلسفہ کی طرف مائل ہوگئے۔(۶۹) ذوالقعدہ ۴۸۸ھ میں آپ نے سب کچھ چھوڑ دیا(۷۰) اور زہد وانقطاع کا طریق اختیار کرلیا اور عبادت اور اعمال آخرت کی طرف متوجہ ہوگئے۔ آپ کتابت سے روزی کماتے تھے۔(۷۱)

آپ خود بیان کرتے ہیں کہ:

''مجھ پر یہ اچھی طرح سے واضح ہوچکا تھا کہ سعادتِ اخروی کی صورت صرف یہ ہے کہ تقویٰ اختیار کیا جائے اور نفس کو اس کی خواہشات سے روکا جائے، اور اس کی تدبیر یہ ہے کہ دارِ فانی سے بے رغبتی، آخرت کی طرف میلان وکشش، اور پوری یکسوئی کے ساتھ توجہ الی اللہ کے ذریعے قلب کا علاقہ دنیا سے ٹوٹ جائے، لیکن یہ جاہ و مال سے اعراض، اور موانع وعلائق سے فرار کے بغیر ممکن نہیں۔'' (۷۲)

آپ کے بھائی احمد نے تدریس میں آپ کی نیابت کی اور جب واپس لوٹے تو شام آئے اور مدت تک دمشق میں قیام کرکے جامع کے غربی زاویہ میں اسباق یاد کرتے رہے، پھر وہاں سے بیت المقدس چلے گئے اور عبادت، مزارات اور قابلِ تعظیم مقامات کی زیارت میں پوری کوشش کی، پھر مصر کا قصد کیا اور مدت

تک اسکندریہ میں قیام کیا۔(۷۳)

پھر آپ اپنے وطن طوس واپس آ گئے اور متعدد فنون میں مفید کتابیں تصنیف کیں، جن میں سب سے مشہور ''الوسیط''، ''البسیط''، ''الوجیز'، ''الخلاصة'' اور ''احیاء علوم الدین'' ہیں۔ اصول فقہ میں آپ کی کتاب ''المستصفیٰ'' ہے۔ دیگر کتب میں ''المنحول و المنتحل فی علم الجدل''، ''تھافة الفلاسفه''، ''محك النظر''، ''معیار العلم''، ''المقاصد''، ''المضنون به علی غیر اهله''، ''المقصد الاقصیٰ فی شرح اسماء الحسنیٰ''، ''مشکوٰة الانوار''، ''المنقذ من الضلال'' اور ''حقیقة القولین'' وغیرہ شامل ہیں۔(۷۴)

امام غزالی نے صرف تحریر وتصنیف پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ جب انہیں بادشاہ وقت سے ملنے کا اتفاق ہوا تو بھرے دربار میں بھی انہوں نے کلمہ حق بلند کیا۔ ملک شاہ سلجوقی کا بیٹا سلطان سنجر پورے خراسان کا فرمانروا تھا، امام غزالی نے ملاقات کے وقت اس سے خطاب کر کے کہا:

''افسوس کہ مسلمانوں کی گردنیں مصیبت اور تکلیف سے ٹوٹی جاتی ہیں
اور تیرے گھوڑوں کی گردنیں طوقہائے زریں کے بار سے۔''(۷۵)

۴۹۹ھ میں سلطان سنجر اور اس کے وزیر فخر الملک بن نظام الملک نے آپ کی خدمت میں درخواست کی کہ مدرسہ نیشاپور میں درس وتدریس کا سلسلہ جاری کریں، آپ راضی نہ تھے مگر بعض دوستوں کے اصرار، استخارہ اور رویاء صادقہ کی بنا پر آپ نے ذوالقعدہ ۴۹۹ھ میں یہ پیشکش قبول کر لی۔(۷۶)

۵۰۰ھ میں فخر الملک بن نظام الملک ایک باطنی کے ہاتھ سے شہید ہوا، اس کی وفات کے تھوڑے

ہی دن بعد آپ نے نظامیہ کی تدریس سے کنارہ کشی کی، اور اپنے وطن طوس میں اپنے گھر واپس آ گئے۔ اپنے پڑوس میں صوفیاء کے لیے ایک خانقاہ اور علم سے اشتغال کرنے والوں کے لیے ایک مدرسہ بنایا، اور اپنے اوقات کو نیکی کے کاموں، یعنی ختمِ قرآن اور اہلِ دل کی مجالست اور تدریس کے لیے وقف کر دیا۔ (۷۷) آپ کی زندگی کا آخری کام یہ تھا کہ آپ نے علمائے حدیث کی صحبت اختیار کی اور مشہور محدث حافظ عمر بن ابی الحسن الرواسی طوسی کو اعزاز و اکرام کے ساتھ بلا کر ان سے صحیح بخاری اور صحیح مسلم سنی۔ (۷۸)

آپ کی وفات ۱۴ جمادی الثانی ۵۰۵ھ/۱۹ دسمبر ۱۱۱۱ء کو طابران میں ہوئی۔ مشہور شاعر، ادیب ابوالمظفر محمد ابیوردی نے آپ کا مرثیہ کہا، جس میں یہ شعر بھی ہے:

مضی واعظم مفقود فجعت به

من لا نظیر له فی الناس یخلقه

''وہ چلا گیا اور وہ مرنے والا بہت بڑا ہے جس کا مجھے دکھ دیا گیا اور اس کے پیچھے والے لوگوں میں اس کی نظیر موجود نہیں ہے''۔ (۷۹)

۳۶۔ ابوزکریا یحییٰ بن علی التبریزی:

ابوزکریا یحییٰ بن علی بن محمد بن الحسن بن بسطام الشیبانی الخطیب، عربی لغت، ادب اور نحو کے مشہور و معروف ماہر، آپ ۴۲۱ھ/۱۰۳۰ء میں پیدا ہوئے۔ آپ نے شیخ ابوالعلاء المعری، ابوالقاسم ابوعبیداللہ بن

علی الرقی اور ابو محمد الدھان لغوی اور دیگر اہلِ ادب سے اشتغال کیا۔صور شہر میں فقیہ ابوالفتح سلیم بن ایوب رازی، ابوالقاسم عبدالکریم بن محمد بن عبداللہ بن یوسف الدلال السیاری البغدادی اور ابوالقاسم عبیداللہ بن علی وغیرہ سے حدیث کا سماع کیا۔(۸۰)

حافظ ابوالفضل محمد بن ناصر، ابومنصور موھوب بن احمد جوالیقی، ابوالحسن سعدالخیر بن محمد بن سھل اندلسی وغیرہ اعیان نے آپ سے روایت کی ہے۔ابن خلکان کے بیان کے مطابق خلقِ کثیر نے آپ سے تربیت پائی اور فائدہ اٹھایا۔(۸۱)

مدرسہ نظامیہ میں تاحیات مدرس مضامین ادب اور متولی خزانۃ الکتب (لائبریرین) بھی رہے۔ آپ نے ادب کے متعلق مفید کتب تصنیف کی ہیں، جن میں ''شرح الحماسة''، ''شرح دیوان المتنبی'' اور ''شرح سقط الزند'' شامل ہیں۔(۸۲)

۲۸ جمادی الثانی ۵۰۲ھ / ۲ فروری ۱۱۰۹ء کو منگل کے روز آپ نے وفات پائی۔ اور باب ابرز میں دفن ہوئے۔(۸۳)

۳۷۔ابوزکریا یحییٰ بن قاسم تکریتی:

ابن الفرج بن ورع بن خضر شافعی، آپ نظامیہ بغداد کے طالبِ علم تھے۔ربیع الثانی ۶۰۸ھ میں آپ نظامیہ بغداد میں تدریس کے لیے تکریت سے بغداد آئے۔آپ نے نظامیہ بغداد میں پڑھایا اور اس کے منتظم بھی رہے۔(۸۴)

آپ بہت سے علوم مثلاً: تفسیر، فقہ، ادب، لغت، نحو وغیرہ کے ماہر تھے۔ ان سب علوم میں آپ کی تصانیف ہیں۔ ٦١٦ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

آپ کے اشعار میں سے یہ اشعار بھی ہیں:

لابد للمرء من ضیق و من سعة

ومن سرور یوافیه ومن حزن

والله یطلب منه شکر نعمته

مادام فیها و یبغی الصبر فی المحن

فکن مع الله فی الحالین معتنقا

فرضیک هدین فی سرو فی علن

فما علی شدة یبقی الزمان یکن

ولا علی نعمة تبقی علی الزمن

''آدمی کے لیے تنگی وفراخی اور خوشی وغم کا ہونا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے اپنی نعمت کے شکر کا خواہاں ہے اور مصائب میں صبر کا۔ دونوں حال میں اللہ کے ساتھ رہ۔ وہ ظاہر و باطن میں تجھ سے راضی ہو جائے گا۔ زمانہ کسی سختی پر قائم رہتا ہے اور نہ کسی آسائش پر۔'' (٨٥)

۳۸۔ابوسعد عبدالرحمٰن بن محمد المامون المعری:

آپ ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن محمد بن احمد بن فوران الفورانی المروزی، امام الشافعیہ اور ''مصنف الابانۃ'' کے شاگرد تھے۔آپ نے الابانہ پر کتاب لکھی اور اس کا نام ''تتمة الابانة'' رکھا۔(۸۶)

آپ فصیح و بلیغ اور کئی علوم کے ماہر تھے۔ جمادی الثانی ۴۷۶ھ میں موید الملک بن نظام الملک نے آپ کو شیخ ابواسحاق شیرازی کی وفات کے بعد نظامیہ میں مدرس مقرر کیا۔(۸۷) لیکن ابھی آپ کی تدریس کے بیس روز بھی پورے نہیں ہوئے تھے کہ نظامیہ کے طلباء نے ابواسحاق شیرازی کی جگہ ان کے تدریس کرنے کو خلاف ادب قرار دیا۔ چنانچہ آپ تدریس سے الگ کر دیے گئے۔۴۷۷ھ میں ابونصر ابن الصباغ کی معزولی کے بعد آپ کو دوبارہ منصب تدریس کی پیشکش کی گئی۔(۸۸) اب کی بار آپ تا حیات اس عہدے پر قائم رہے۔ شوال ۴۷۸ھ میں ۵۶ سال کی عمر میں آپ کا انتقال ہوا۔قاضی ابوبکر الشاشی نے آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔(۸۹)

۳۹۔ابوسعد یحییٰ بن علی البزار:

ابوسعد یحییٰ بن علی بن حسن البزار المعروف بابن الحلوانی، آپ نے شیخ ابواسحاق شیرازی سے مذہب، خلاف اور اصول کی تعلیم حاصل کی۔آپ امام المناظرین تھے۔آپ نے مذہب پر ایک کتاب بھی لکھی جس کا نام ''التلویح'' ہے۔آپ نے کچھ عرصہ نظامیہ بغداد میں مدرس کے فرائض انجام دیے۔

عباسی خلیفہ مسترشد باللہ (۵۱۲ھ/۱۱۱۸ء۔۵۲۹ھ/۱۱۳۴ء) کے سفیر کی حیثیت سے آپ ماوراء

النہر خاقان کے دربار میں گئے۔ وہیں سمرقند میں ۵۲۰ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔(۹۰)

۴۰۔ابوعبداللہ طبری:

شیخ ابوعبداللہ طبری نے صفر ۴۹۸ھ میں نظامیہ بغداد میں درس دیا۔ آپ کو فخر الملک بن نظام الملک وزیر برکیارق نے اس کا افسر مقرر کیا تھا۔(۹۱) اس سے پہلے محرم ۴۸۳ھ نظام الملک کا شاہی فرمان نظامیہ کی تدریس کے متعلق ابوعبداللہ طبری کے پاس آیا اور آپ نے وہاں درس دیا۔ پھر فقیہ ابومحمد عبدالوہاب شیرازی اس سال کے ربیع الثانی میں اس کی تدریس کا شاہی حکم لے کر آ گئے اور اس بات پر اتفاق ہو گیا کہ ایک روز یہ پڑھائیں اور ایک روز ابوعبداللہ طبری۔(۹۲)

۴۱۔ابوعلی یحییٰ بن الربیع:

ابوعلی یحییٰ بن الربیع ابن سلیمان بن حراز الواسطی البغدادی، آپ نے نظامیہ میں ابن فضلان سے اشتغال کیا اور اس سے دہرائی کی۔ پھر محمد بن یحییٰ کی طرف سفر کیا اور اس سے خلافیات میں اس کا طریقہ سیکھا۔ پھر بغداد واپس آ کر نظامیہ میں مدرس، اور اس کے اوقاف کے نگران بن گئے۔(۹۳)

آپ نے حدیث کا سماع کیا۔ آپ کے پاس بہت سے علوم تھے۔ آپ نے چار جلدوں میں قرآن کریم کی تفسیر لکھی جس سے آپ درس دیا کرتے تھے۔ آپ نے تاریخ الخطیب اور اس پر ابن السمعانی نے جو حاشیہ لکھا ہے، اس کا اختصار کیا ہے۔ ۶۰۶ھ میں آپ نے ۸۰ سال کی عمر میں وفات پائی۔(۹۴)

۴۲۔ابومحمد خوارزمی:

ابومحمد خوارزمی، مظہرالدین محمود بن محمد بن عباس، مولف ''تاریخ خوارزم''، آپ نے نظامیہ بغداد میں حدیث کا درس دیا اور وعظ کیا۔ ۵۶۸ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔(۹۵)

۴۳۔ابومحمد عبداللہ بن احمد الخشاب بغدادی:

ابومحمد عبداللہ بن احمد بن احمد بن احمد المعروف بابن الخشاب بغدادی، آپ ادب، نحو، تفسیر، حدیث، نسب، فرائض اور حساب کے مشہور عالم تھے۔ آپ نے قراءات کثیرہ میں قرآن مجید حفظ کیا۔ آپ کا خط نہایت خوبصورت تھا۔(۹۶)

آپ کی وفات ۱۳رمضان المبارک ۵۶۷ھ کو جمعہ کی شام کو بغداد میں باب الازج میں ابوالقاسم ابن الفراء کے گھر میں ہوئی اور آپ کو باب حرب میں احمد کے قبرستان میں دفن کیا گیا اور ہفتے کے روز جامع سلطان میں آپ کا جنازہ پڑھا گیا۔(۹۷)

۴۴۔ابومحمد عبدالوہاب شیرازی:

ابومحمد عبدالوہاب شیرازی ابن عبدالوہاب بن عبدالواحد بن محمد شیرازی فارسی، آپ نے حدیث کا کثرت سے سماع کیا اور فقہ سیکھی۔(۹۸) نظام الملک طوسی نے ۴۸۳ھ میں نظامیہ بغداد کی تدریس آپ کے سپرد کی۔ آپ نے مدت تک وہاں درس دیا۔ ایک دن آپ درس دیتے اور ایک دن ابوعبداللہ طبری فقیہ

درس دیتے۔(۹۹) ۵۰۰ھ میں آپ نے وفات پائی۔(۱۰۰)

۴۶۔ابومنصور اسعد بن عبرتیؒ:

ابومنصور اسعد بن عبرتی ،نحوی، آپ نظامیہ بغداد میں نحو کا درس دیا کرتے تھے۔ ۵۸۹ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔(۱۰۱)

۴۷۔ابومنصور سعید بن محمد بن الرزاز:

شیخ ابومنصور سعید بن محمد بن الرزاز، مدرس نظامیہ بغداد، آپ سے عماد الدین کاتب اصفہانی نے نظامیہ میں فقہ پڑھی۔(۱۰۲)

۴۸۔ابومنصور محمد بن عبدالملک بن جیرون:

ابومنصور محمد بن عبدالملک بن جیرون، مدرس نظامیہ بغداد، آپ سے عماد الدین کاتب اصفہانی نے نظامیہ بغداد میں حدیث کا سماع کیا۔(۱۰۳)

۴۹۔ابومنصور معین الدین رزاز:

ابومنصور معین الدین رزاز، سعد بن محمد بن عمر بن منظور، مدرس نظامیہ بغداد، آپ آئمہ شافعیہ میں

سے تھے۔ ۵۳۹ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ (۱۰۴)

۵۰۔ابو منصور موھوب بن احمد الجوالیقی:

ابو منصور موھوب بن احمد بن محمد بن الخضر موسوم بہ الجوالیقی ۴۶۶ھ / ۱۰۷۳ء میں بغداد میں پیدا ہوئے۔ آپ مدرسہ نظامیہ میں اپنے استاد اور علم السنہ کے شعبے کے صدر التبریزی کے دوسرے جانشین تھے۔ فصیحی استرآبادی کے بعد آپ نظامیہ میں مدرس ادب کے عہدے پر فائز ہوئے۔ (۱۰۵)

الجوالیقی نہایت فرض شناس معلم تھے۔ سوالات کے جواب بہت احتیاط کے ساتھ سوچ سمجھ کر دیتے تھے۔ آپ کی خوش نویسی کی بہت تعریف کی جاتی تھی۔

آپ کی تصنیفات میں ''کتاب المعرب من الکلام العجمی علی حروف المعجم''، '' کتاب التکملہ فی ما یلحن فیہ العامۃ ''، ''ابن قتیبہ کی ادب الکاتب کی شرح''، ''المختصر فی النحو''، ''کتاب العروض''، ''شرح مقصورہ ابن دُرید''، ''غلط الضعفاء من الفقہاء'' شامل ہیں۔ (۱۰۶)

عباسی خلیفہ المقتفی لامر اللہ (۵۳۰ھ / ۱۱۳۵ء۔ ۵۵۵ھ / ۱۱۶۰ء) آپ کی اقتداء میں نماز ادا کرتا تھا۔ (۱۰۷) بسا اوقات خلیفہ نے آپ کو خط سنائے۔ ۵۴۰ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ (۱۰۸)

۵۱۔ابونصر ابن الصباغ:

ابونصر عبدالسید بن محمد بن عبدالواحد بن احمد بن جعفر، امام ابن الصباغ، الفقیہ الشافعی، آپ ۴۰۰ھ میں پیدا ہوئے اور بغداد میں ابوالطیب طبری سے فقہ سیکھی۔ (۱۰۹)

آپ عراقین کے فقیہ تھے اور ابواسحاق شیرازی کے مشابہ اور معرفتِ مذہب میں ان سے متقدم تھے۔ شہروں سے آپ کی طرف سفر ہوتا تھا، آپ متقی حجت اور صالح تھے۔ آپ پہلے شخص ہیں جنہوں نے نظامیہ بغداد میں پڑھایا اور مفید تصانیف کیں، جن میں "الشامل فی المذھب" بھی ہے، جو فقہ کے بارے میں ہے نقل کے لحاظ سے صحیح ترین اور دلائل کے لحاظ سے مضبوط ترین ہے۔ آپ کی ایک کتاب "تذکرۃ العالم و الطریق السالم" بھی ہے اور "العدۃ" اصول فقہ کے متعلق ہے۔ (۱۱۰)

جب نظامیہ بغداد کا افتتاح ہوا تو آپ اس کے مدرس بنے، آپ نے بیس روز پڑھایا پھر ابواسحاق شیرازی کے ذریعے معزول کر دیے گئے۔ جب ابواسحاق شیرازی کا انتقال ہو گیا تو ابوسعد المتولی نے تدریس کے فرائض انجام دیے، پھر ۴۷۶ھ میں انہیں ہٹا دیا گیا اور دوبارہ ابن الصباغ کو لایا گیا، پھر ۴۷۷ھ میں آپ کو بھی ہٹا دیا گیا اور دوبارہ ابوسعد کو لایا گیا۔ (۱۱۱) آپ خواجہ نظام الملک کے پاس اصفہان چلے گئے، خواجہ نے حکم دیا کہ آپ کے لیے ایک نیا مدرسہ بنایا جائے۔ (۱۱۲)

لیکن آپ بغداد واپس آ گئے اور تین ماہ بعد جمادی الاولی ۴۷۷ھ میں آپ کا انتقال ہو گیا۔ آپ کرخ میں اپنے گھر میں مدفون ہوئے، پھر باب حرب میں منتقل کیے گئے۔ (۱۱۳)

۵۲۔ابونصر شاشی، احمد بن عبید اللہ:

ابونصر شاشی، احمد بن عبید اللہ، آپ نے ربیع الثانی ۵۶۶ھ سے رجب ۵۶۹ھ تک نظامیہ بغداد میں پڑھایا۔ پھر آپ کی جگہ رضی الدین قزوینی نے لے لی۔ (۱۱۴) ۵۷۶ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

۵۳۔ابونصر محمد بن علی بن نظام الملک:

ابونصر محمد بن علی بن نظام الملک، آپ نے اسعد المیہنی سے فقہ سیکھی۔ ۵۴۱ھ میں نظامیہ بغداد میں مدرس کے منصب پر فائز ہوئے۔ مدرسہ کے اوقاف کی نگرانی بھی آپ سے متعلق تھی۔ آپ کو بہت جاہ و مرتبہ اور عزت واحترام حاصل تھا۔ لیکن آپ دو مرتبہ منصب تدریس سے معزول بھی کیے گئے۔ ۵۶۱ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ (۱۱۵)

۵۴۔احمد بن ثبات حمامی:

ابوالعباس احمد بن ثبات حمامی واسطی، مدرس نظامیہ بغداد، آپ حمامیہ کے قاضی تھے۔ قضا کو ترک کر کے آپ نے نظامیہ بغداد میں قیام کیا اور چار سال تک حساب و فرائض پڑھاتے رہے۔ آپ نے اس مضمون میں کتابیں بھی لکھیں۔ ان چار سالوں میں آپ صرف نماز جمعہ کی ادائیگی کے لیے مدرسہ سے باہر آئے۔ ۶۳۱ھ میں آپ نے وفات پائی۔ (۱۱۶)

۵۵۔احمد بن علی بن محمد الوکیل:

احمد بن علی بن محمد الوکیل، جو ابن برہان کے نام سے مشہور ہیں۔ابوالفتح الفقیہ الشافعی،آپ نے امام غزالی، الکیا الہراسی اور الشاشی سے فقہ سیکھی ۔ اصول فقہ کے بارے میں آپ کی کتاب الذخیرہ بھی ہے۔(۱۱۷) آپ نے نظامیہ بغداد میں ایک ماہ سے کم عرصہ پڑھایا۔۵۲۰ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔(۱۱۸)

۵۶۔احمد بن محمد بن ثاقب:

احمد بن محمد بن ثاقب ابن الحسن ابوسعد فجندی،آپ نے اپنے باپ امام ابوبکر فجندی اصبہانی سے فقہ سیکھی اور بغداد میں کئی بار نظامیہ کی تدریس سنبھالی۔آپ نے حدیث کا سماع کیا اور وعظ کیا۔

۲۲ ربیع الاول ۵۳۱ھ کو آپ نظامیہ بغداد میں مدرس کے منصب پر فائز ہوئے ۔اور اسی سال شعبان میں نوے سال کی عمر میں وفات پائی۔(۱۱۹)

۵۷۔الحسن بن سلیمان:

الحسن بن سلیمان ابن عبداللہ بن عبدالغنی ابوعلی فقیہ، مدرس نظامیہ بغداد،آپ نے ۵۲۱ھ میں نظامیہ بغداد میں درس دیا۔(۱۲۰) آپ نے جامع القصر میں وعظ بھی کیا۔آپ کہا کرتے تھے کہ فقہ کی انتہاء کوئی نہیں اور وعظ کی ابتداء کوئی نہیں۔۵۲۵ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔(۱۲۱)

۵۸۔ ابوالولید الباجی:

ابوالولید سلیمان بن خلف بن سعد بن ایوب بن وارث التجیبی المالکی الاندلسی الباجی، (۱۲۲) آپ اندلس کے علماء اور حفاظ میں سے تھے۔ آپ نے شرقِ اندلس میں سکونت اختیار کی، ۴۲۶ھ میں مشرق کی طرف سفر کیا۔ مکہ معظمہ میں ابوذر الہروی کے ساتھ تین سال قیام کیا، پھر بغداد چلے گئے اور وہاں تین سال فقہ اور اور حدیث پڑھاتے ہوئے قیام کیا۔ بغداد کے سادات علماء جیسے ابوالطیب طبری شافعی فقیہ اور شیخ ابو اسحاق شیرازی سے ملاقات کی۔ موصل میں ابوجعفر سمنانی کے ساتھ اسے فقہ پڑھاتے ہوئے ایک سال قیام کیا۔ (۱۲۳)

آپ نے بہت سی کتابیں تصنیف کیں، جن میں کتاب ''المنتقیٰ''، ''احکام الفصول فی احکام الاصول'' اور ''التعدیل والتجریح فیمن روی عنه البخاری فی الصحیح'' شامل ہیں۔

آپ ۱۵ ذیقعد ۴۰۳ھ کو منگل کے روز بطلیوس شہر میں پیدا ہوئے اور ۱۹ رجب ۴۷۳ھ کو جمعرات کی رات مغرب اور عشاء کے درمیان المریہ میں فوت ہوئے۔ آپ کے بیٹے ابوالقاسم نے آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ ''الاستیعاب'' کے مولف ابوعمر بن عبدالبر نے آپ سے علم حاصل کیا۔ (۱۲۴)

۵۹۔ ابوبکر المبارک بن ابی طالب:

ابوبکر المبارک بن ابی طالب بن ابی الازہر سعید، الملقب الوجیہ، المعروف بابن الدھان، نحوی، واسطی، آپ واسط میں پیدا ہوئے۔ قرآن کریم حفظ کیا، قرات پڑھیں اور علم سے اشتغال کیا۔ ابوسعید نصر

بن محمد بن سالم الادیب اور ابوالفرج العلاء بن علی المعروف بابن السوادی الشاعر وغیرہ سے سماع کیا۔ پھر بغداد آئے اور اسے وطن بنالیا۔ (۱۲۵)

آپ نے ابومحمد بن ابن الخشاب نحوی سے مجالست کی اور ابوالبرکات ابن الانباری کی مصاحبت میں رہے اور سب کچھ آپ سے ہی سیکھا۔ ابوزرعۃ طاہر بن محمد طاہر المقدسی سے حدیث کا سماع کیا۔ آپ کو عربوں کے بہت سے اشعار حفظ تھے۔ آپ نے نظامیہ بغداد میں نحو کا درس دیا۔ (۱۲۶) آپ کو عربی، ترکی، عجمی، رومی، حبشی اور زنگی زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ جب آپ کی مجلس درس کا کوئی غیر عرب طالب علم، آپ کے درس کے مطالب نہ سمجھ سکتا تو آپ طالب علم کی مادری زبان میں تشریح وتوضیح کر دیتے تھے۔ (۱۲۷)

آپ کی ولادت ۵۳۰ھ میں واسط میں ہوئی اور وفات ۲۶ شعبان ۶۱۲ھ کو اتوار کی رات کو بغداد میں ہوئی، اور دوسرے دن آپ کو الوردیۃ میں دفن کیا گیا۔ (۱۲۸)

۶۰۔ ابوحامد محمد بن ابی ربیع:

ابوحامد محمد بن ابی ربیع غرناطی، آپ حدیث کا درس دیا کرتے تھے۔ ابوحامد محمد بن یونس بن منعۃ نے آپ سے سماع کیا۔ (۱۲۹)

۶۱۔ ابوسعد حلوانی:

ابوسعد حلوانی، یحیٰ بن علی بن بزار، آئمہ شافعیہ میں سے تھے۔ ابواسحاق شیرازی سے فقہ سیکھی اور

نظامیہ بغداد میں تدریس کے منصب پر فائز ہوئے۔ آپ عباسی خلیفہ مسترشد باللہ (۵۱۲ھ/۱۱۱۸ء۔۵۲۹/ ۱۱۳۴ء) کی جانب سے سفارت لے کر خاقان کے دربار میں ماوراءالنھر گئے۔۵۲۰ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔(۱۳۰)

۶۲۔ابوعبدالرحمٰن محمد بن محمد الکشمیھنی:

ابوعبدالرحمٰن محمد بن محمد الکشمیھنی، آپ جامعہ نظامیہ بغداد میں حدیث کا درس دیا کرتے تھے۔ آپ کے شاگردوں میں سے ابوحامد محمد بن یونس بن محمد بن منعۃ بھی ہیں۔(۱۳۱)

۶۳۔ابوعلی اصفہانی:

ابوعلی اصفہانی، حسن بن سلیمان بن فتی نھروانی، نظامیہ اصفہان میں آپ نے فقہ پڑھی۔(۱۳۲) ۵۲۱ھ میں آپ نے نظامیہ بغداد میں منصبِ تدریس سنبھالا اور اپنی وفات تک یعنی شوال ۵۲۵ھ تک اس پر برقرار رہے۔(۱۳۳)

۶۴۔اسماعیل بن عبدالرحمٰن بن زبیدی:

اسماعیل بن عبدالرحمٰن بن زبیدی، مدرس نظامیہ بغداد، آپ نیک، صالح اور کثرت سے تلاوت کرنے والے تھے۔ آپ نظامیہ میں دعائے ختم القرآن پڑھتے تھے۔ ۶۴۱ھ میں آپ کا انتقال

ہوا۔(۱۳۴)

۶۵۔المبارک بن المبارک الکرخی:

المبارک بن المبارک الکرخی، مدرس نظامیہ بغداد، آپ نے ابن الجل سے فقہ سیکھی۔آپ کو خلیفہ اور عوام کے ہاں ممتاز مقام حاصل تھا۔آپ کی خوشخطی کی مثال دی جاتی تھی۔(۱۳۵)

صفر ۵۸۱ھ میں رضی الدین قزوینی کی جگہ آپ نظامیہ بغداد میں مدرس کے عہدے پر فائز ہوئے۔(۱۳۶) آپ فقہ اور حدیث کا درس دیا کرتے تھے۔(۱۳۷) ۵۸۵ھ میں آپ نے وفات پائی۔

۶۶۔ابن شداد، بہاء الدین ابوالمحاسن یوسف بن رافع:

ابوالمحاسن یوسف بن رافع بن تمیم بن عتبہ بن محمد بن عتاب الاسدی، قاضی حلب، المعروف بابن شداد، الملقب بہاء الدین، الفقیہ الشافعی، مدرس نظامیہ بغداد، آپ ۱۰رمضان ۵۳۹ھ کی شب کو موصل میں پیدا ہوئے، وہیں قرآن کریم حفظ کیا، پھر شیخ ابوبکر یحیٰ بن سعدون قرطبی موصل آئے تو سبع طرق آپ کو سنائے اور فنِ قرات کو آپ سے پختہ کیا۔(۱۳۸)

مکمل اہلیت کے بعد آپ بغداد آئے اور مدرسہ نظامیہ کے رہائشی طالب علم بن گئے۔تھوڑے عرصے بعد ہی آپ کو اس میں دہرائی کرنے پر مقرر کردیا گیا۔اور آپ چار سال دہرائی کرتے رہے۔پھر آپ

۵۶۹ھ میں موصل گئے اور قاضی کمال الدین ابوالفضل محمد بن الشہر زوری کے قائم کردہ مدرسہ میں مدرس مقرر ہوئے۔(۱۳۹)

آپ کی تصنیفات میں ''ملجاء الحکام عند التباس الاحکام'' دوجلدوں میں ہے، جو کہ قضایا کے متعلق ہے۔ ''دلائل الاحکام'' میں آپ نے ان احادیث پر گفتگو کی ہے جن سے احکام مستنبط کیے جاتے ہیں، یہ بھی دوجلدوں میں ہے۔ کتاب ''الموجز الباہر'' فقہ کے بارے میں ہے۔ کتاب ''سیرت صلاح الدین'' بھی آپ کی تصنیف ہے۔ ۱۴صفر۶۳۲ھ کو بدھ کے روز آپ کا انتقال ہوا۔(۱۴۰)

۶۷۔ جمال الدین ابوالقاسم یحییٰ بن علی بن فضلان:

شیخ جمال الدین ابوالقاسم یحییٰ بن علی بن الفضل بن برکت بن فضلان، بغداد کے شافعیہ کے شیخ، سب سے پہلے آپ نے نظامیہ کے مدرس سعید بن محمد الزار سے فقہ سیکھی، پھر خراسان چلے گئے اور امام غزالی کے شاگرد شیخ محمد الزبیدی سے علم حاصل کیا اور بغداد واپس آ گئے۔

آپ نے مناظرہ اور اصلین کا علم بھی حاصل کیا اور اہل بغداد کے سردار بن گئے اور طلباء وفقہاء نے آپ سے فائدہ حاصل کیا۔ آپ کے لیے ایک مدرسہ بنایا گیا، جس میں آپ نے درس دیا۔ آپ کی شہرت دوردور تک پھیل گئی۔ آپ کے بہت سے شاگرد تھے۔ آپ بہت تلاوت کرنے والے اور سماع حدیث کرنے والے تھے۔

آپ کے اشعار میں سے یہ اشعار بھی ہیں:

واذا اردت منـــازل الاشـــراف

فعليک بالاسعاف والانصاف

واذا بغا باغ عليک فجلـه

والــدهـر فهولـه مكـان كـاف

''جب تو اشراف کے مقام کو حاصل کرنے کا ارادہ کرے تو تجھ پر مدد کرنا اور انصاف کرنا واجب ہے اور جب کوئی سرکش تجھ پر سرکشی کرے تو اسے چھوڑ دے، زمانہ اسے کافی بدلہ دینے والا ہے۔''

۵۹۵ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ (۱۴۱)

۶۸۔رضی الدین ابوداؤد سلیمان:

رضی الدین ابو داؤد سلیمان بن المظفر بن خانم بن عبدالکریم الجیلی، الشافعی، مفتی مدرسہ نظامیہ بغداد، آپ اپنے زمانے کے اکابر فضلاء میں سے تھے۔ آپ نے علم فقہ میں ایک کتاب تصنیف کی ہے جو پندرہ جلدوں میں ہے، آپ کو مناصب پیش کیے گئے، مگر آپ نے قبول نہیں کیے۔

۵۸۰ھ کے بعد آپ اپنے شہر سے اشتغال کے لیے بغداد آئے اور نظامیہ بغداد میں قیام کیا۔ درس وتدریس اور فتاویٰ میں مشغول رہے۔ آپ نظامیہ کے نگران بھی تھے۔ ۳ ربیع الاول ۶۳۱ھ کو بدھ کے روز وفات پائی اور الشونیزیہ میں دفن ہوئے۔ آپ کی عمر ساٹھ سے متجاوز تھی۔ (۱۴۲)

۶۹۔رضی الدین احمد بن اسمٰعیل قزوینی:

ابوالخیر، رضی الدین احمد بن اسمٰعیل، مدرس نظامیہ بغداد، آپ شیخ الحدیث والتفسیر اوراپنے زمانے کے نامور فقیہ اور واعظ تھے۔آپ نے دس سال سے زیادہ عرصہ تک نظامیہ بغداد میں مجلس درس و وعظ منعقد کی۔آپ حدیث کی بڑی کتابیں پڑھاتے تھے جیسے صحیح مسلم، مسند اسحاق، تاریخ حاکم، سنن بیہقی اور دیگر کتب۔(۱۴۳)

آپ کا درس تفسیر آزاد ہوتا تھااور ان آیتوں اور سورتوں کے مطابق ہوتا تھا، جن کا شاگرد اور حاضرین مجلس آپ سے مطالبہ کرتے تھے۔ رجب ۵۶۹ھ میں ابن الشاشی کی معزولی کے بعد نظامیہ بغداد میں منصب تدریس پر فائز ہوئے۔(۱۴۴)

۵۷۵ھ میں آپ عباسی خلیفہ ناصرالدین (۵۷۵ھ/۱۱۷۹ء۔۶۲۳ھ/۱۲۲۵ء) کی طرف سے بیعت لینے کے لیے موصل گئے۔۵۸۱ھ میں آپ تدریس سے الگ ہوگئے اور واپس قزوین چلے گئے، آپ کی جگہ ابوطالب کرخی تدریس کے منصب پر فائز ہوئے۔(۱۴۵)

آپ کی ولادت رمضان المبارک ۵۱۲ھ میں قزوین میں ہوئی اور ۲۳ محرم ۵۹۰ھ میں قزوین میں ہی آپ کا انتقال ہوا۔(۱۴۶)

۷۰۔سراج الدین النہرقلی:

شیخ سراج الدین النہرقلی، شیخ النظامیہ، آپ ۶۴۹ھ میں قاضی ابوالفضل عبدالرحمٰن بن عبدالسلام کی

وفات کے بعد بغداد کے قاضی القضاۃ بنے۔(۴۷) ۶۵۴ھ میں آپ نے وفات پائی۔(۱۴۸)

۷۱۔سعید بن محمد بن عمر:

سعید بن محمد بن عمر ابو منصور البزار، آپ نے حدیث کا سماع کیا۔امام غزالی اور الکیا الہراسی سے فقہ سیکھی اور نظامیہ میں تدریس کے فرائض سرانجام دیے۔آپ نیک ارادہ، باوقار اور پرسکون شخص تھے۔آپ نے ۵۳۹ھ میں وفات پائی۔آپ کو ابو اسحاق کے پاس دفن کیا گیا۔(۱۴۹)

۷۲۔شمس الدین صاحب دیوان جوینی:

شمس الدین صاحب دیوان جوینی، مدرس نظامیہ بغداد، ۶۷۱ھ میں آپ کے چچا علاء الدین عطا ملک صاحب دیوان، اربابِ دولت، فقہاء اور طلباء آپ کے درس میں حاضر ہوئے۔ ۶۸۳ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔(۱۵۰)

۷۳۔شمس الدین کیشی:

محمد شمس الدین کیشی آپ ۶۶۵ھ میں بغداد آئے اور نظامیہ بغداد میں مدرس کے منصب پر فائز ہوئے۔آپ کے حلقہ درس میں حکماء وفضلاء حاضر ہوتے تھے۔۶۹۴ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔(۱۵۱)

۷۴۔صائن الدین ابو محمد عبدالعزیز الجبلی:

شیخ امام عالم، صائن الدین ابو محمد عبدالعزیز الجبلی، الشافعی، فقیہ ومفتی مدرسہ نظامیہ بغداد، آپ نے شیخ ابواسحاق کی ''التنبیہ'' کی شرح کی ہے۔ ربیع الاول ۶۳۲ھ میں آپ نے وفات پائی۔(۱۵۲)

۷۵۔عبدالرحمٰن بن حسین بن محمد بن طبری:

عبدالرحمٰن بن حسین بن محمد بن طبری، آپ ابوعبداللہ طبری، مدرس نظامیہ بغداد کے بیٹے اور ابو اسحاق شیرازی کے شاگرد تھے۔ جمادی الثانی ۵۰۶ھ میں ابوبکر الشاشی کی معزولی کے بعد نظامیہ بغداد کے مدرس بنے۔(۱۵۳)

دوبارہ شعبان ۵۱۳ھ میں اسعد المیہنی کی معزولی کے بعد سلطان سنجر کے حکم سے بغداد آئے اور نظامیہ میں تدریس کا منصب سنبھالا۔ ۵۳۰ھ اور بعض روایات کے مطابق ۵۳۱ھ میں آپ نے وفات پائی۔(۱۵۴)

۷۶۔عبدالقادر بن داؤد:

عبدالقادر بن داؤد ابو محمد واسطی، فقیہ الشافعی، مدرس نظامیہ بغداد، آپ کا لقب محبّ ہے۔ آپ فاضل، دیندار اور نیک آدمی تھے۔ آپ ایک زمانے تک مدرسہ نظامیہ میں باختیار رہے اور وہیں مشغول رہے۔ ۶۱۹ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔(۱۵۵)

۷۷۔عبدالقاہر بن محمد السہر وردی:

عبدالقاہر بن محمد ابن عبداللہ، ابو النجیب السہر وردی، آپ بیان کرتے تھے کہ آپ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی اولاد میں سے ہیں۔آپ نے حدیث کا سماع کیا اور فقہ سیکھی۔آپ مدرسہ نظامیہ بغداد میں مدرس تھے۔آپ صوفی بھی تھے، لوگوں کو وعظ کیا کرتے تھے۔آپ نے اپنے لیے ایک مدرسہ اور خانقاہ بنائی۔

۵۶۳ھ میں آپ کا انتقال ہوا اور آپ کو اپنے مدرسہ میں دفن کیا گیا۔(۱۵۶)

۷۸۔عبداللہ بن بکتاش الیفروز آبادی:

عبداللہ بن بکتاش الیفروز آبادی، مدرس نظامیہ بغداد، آٹھویں صدی کے آخر میں آپ کا انتقال ہوا۔(۱۵۷)

۷۹۔علاء الدین ابوالحارث:

علاء الدین ابوالحارث، ارسلان بن داود بن علی اتراری، مدرس نظامیہ بغداد، ۷۰۲ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔(۱۵۸)

۸۰۔علی بن ابی یعلی:

علی بن ابی یعلی، آپ ابوالقاسم الدبوسی التولی کے بعد نظامیہ کے مدرس بنے۔آپ نے حدیث کا

سماع کیا۔آپ ماہر فقیہ اور فائق جدلی تھے۔۴۸۲ھ میں آپ نے وفات پائی۔(۱۵۹)

۸۱۔عمر بن برکۃ النہرقلی:

عمر بن برکۃ النہرقلی، آپ مدرسہ نظامیہ بغداد میں مدرس تھے۔رمضان ۶۴۹ھ میں شیخ النظامیہ شیخ سراج الدین النہرقلی نے آپ کو تدریسِ مذکور کے ساتھ بغداد کا قاضی القضاۃ مقرر کیا اور خلعت سے نوازا۔(۱۶۰)

۸۲۔فتح بن موسیٰ بن حماد اموی جزیری:

فتح بن موسیٰ بن حماد بن عبداللہ بن علی بن یوسف نجم الدین ابونصر الاموی الجزیری القصری، جزیرہ خضراء میں رجب ۵۸۰ھ یا ۵۸۴ھ میں پیدا ہوئے۔آپ فقہ، اصول، نحو، عروض اور حکمت کے ماہر تھے۔ آپ نظامیہ میں درس دیا کرتے تھے۔پھر مصر چلے گئے اور اسیوط کے قاضی بنے۔ اتوار۴ جمادی الاول ۶۶۳ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔(۱۶۱)

۸۳۔مجدالدین ابوالعاملی:

مجدالدین ابوالعاملی، مدرس نظامیہ بغداد، ۶۱۶ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔(۱۶۲)

۸۴۔ مجد الدین علی بن جعفر:

مجد الدین علی بن جعفر، پہلے آپ نظامیہ بغداد میں مدرس تھے۔ پھر آپ مدرسہ بشریہ چلے گئے اور آپ کی جگہ نور الدین ابوالبیان حلبی مقرر ہوئے۔ ۶۸۲ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ (۱۶۳)

۸۵۔ مجد الدین یحییٰ بن الربیع:

مجد الدین یحییٰ بن الربیع، شیخ النظامیہ، پہلے آپ نظامیہ بغداد میں ہی مقیم تھے۔ آپ معید تھے، پھر سفارت لے کر غزنہ چلے گئے۔ (۱۶۴)

ربیع الاول ۵۹۸ھ میں آپ خلیفہ کی جانب سے مدرس کے منصب پر فائز ہو کر واپس لوٹے۔ آپ نے نظامیہ بغداد میں درس دیا۔ علماء اور اعیان آپ کے پاس حاضر ہوئے اور آپ کو قیمتی سیاہ خلعت اور سرمئی چادر سے نوازا گیا۔ (۱۶۵) شوال ۶۰۶ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ (۱۶۶)

۸۶۔ محمد بن احمد بن عثمان دیباجی:

ابوعبداللہ محمد بن احمد بن عثمان دیباجی، آپ نظامیہ بغداد میں مدرس تھے۔ نیز آپ نے نظامیہ بغداد اور جامع خلیفہ میں مجالسِ وعظ بھی منعقد کیں۔ (۱۶۷) ۵۲۷ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

۸۷۔محمد بن اسماعیل بن یوسف القزوینی:

ابوالمناقب محمد بن اسماعیل بن یوسف القزوینی ، ابی الخیر، مدرس نظامیہ بغداد، ۶۲۲ھ اور بعض روایات کے مطابق ۶۲۳ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ (۱۶۸)

۸۸۔محمد بن جعفر بصری:

عزالدین ابوالعزمحمد بن جعفر بصری، سقوط بغداد کے وقت آپ نظامیہ میں مدرس تھے۔سقوط کے بعد آپ نے دیگر مدارس میں بھی پڑھایا۔آپ بغداد کے نائب قاضی بھی بنے ۔۶۷۲ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔(۱۶۹)

۸۹۔محمد بن علی بن الحسن بن ابی الصقر:

محمد بن علی بن الحسنؒ بن ابی الصقر ابوالحسن واسطی، مدرس نظامیہ بغداد، آپ نے حدیث کا سماع کیا، شیخ ابواسحاق شیرازی سے فقہ سیکھی اورادب پڑھا۔آپ نے شعر بھی کہے،آپ کے اشعار میں سے ہے:

من قال لی جاه ولی حشمة

ونی قبول عند مولانا

ولم یعد ذاک بنفع علی

صدیقه لا کان ما کانا

’’جس نے کہا مجھے جاہ وحشمت حاصل ہے اور مجھے میرے آقا کے ہاں قبولیت حاصل ہے اور اس نے اپنے دوست کو فائدہ نہیں دیا، تو وہ کچھ بھی نہیں ہے۔‘‘

۴۹۸ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ (۱۷۰)

۹۰۔ محمد بن محمد بن عبداللہ عاقولی:

غیاث الدین، محمد بن محمد بن عبداللہ عاقولی شافعی، مدرس نظامیہ بغداد، ۷۹۷ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ (۱۷۱)

۹۱۔ محمد بن یحییٰ بن فضلان:

ابوعبداللہ محی الدین محمد بن یحییٰ بن فضلان، ۶۱۴ھ عباسی خلیفہ ناصر نے آپ کو نظامیہ بغداد میں مدرس اور اس کے اوقاف کا نگران مقرر کیا۔ (۱۷۲) اعیان وقضاۃ آپ کے پاس حاضر ہوئے۔ (۱۷۳)

آپ نظامیہ کے پہلے شافعی فقیہ ہیں جن کا مدرسہ مستنصریہ میں مدرس فقہ شافعی کے منصب کے لیے انتخاب ہوا۔ (۱۷۴) [illegible]ھ میں آپ نے وفات پائی۔

۹۲۔ محمود بن احمد زنجانی:

شھاب الدین ابوالمناقب محمود بن احمد زنجانی، مدرس نظامیہ بغداد، آپ مدرسہ مستنصریہ میں بھی

درس دیا کرتے تھے۔ ۶۵۶ھ سقوط بغداد کے موقع پر آپ شہید ہوئے۔ (۱۷۵)

۹۳۔ محی الدین بن عاقولی:

محی الدین بن عاقولی، محمد بن عبداللہ، مدرس نظامیہ بغداد، ۶۸۷ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ (۱۷۶)

۹۴۔ معین الدین سعید بن بزار:

معین الدین سعید بن بزار، مدرس نظامیہ بغداد، ۵۳۸ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ (۱۷۷)

۹۵۔ نجم الدین بادرائی:

شیخ نجم الدین بادرائی، مدرس نظامیہ بغداد، (۱۷۸) آپ نے بغداد، حلب، دمشق اور مصر میں حدیث کا درس دیا۔ اور دمشق میں آپ نے مدرسہ بادرائیہ کی بنیاد رکھی اور اس کے قواعد وضوابط میں نظامیہ کی تقلید کی۔ (۱۷۹) آپ امور مہمہ میں آفاق کے بادشاہوں کے پاس خلافت کے ایلچی اور سخت احوال کی اصلاح کرنے والے تھے۔ (۱۸۰) ۶۵۵ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

۹۶۔ نجم الدین محمد بن ابی العز:

نجم الدین محمد بن ابی العز، مدرس نظامیہ بغداد، آپ ۶۸۷ھ میں نورالدین حلبی کی وفات کے بعد

نظامیہ کے مدرس اور بغداد کے قاضی کے منصب پر فائز ہوئے۔(۱۸۱)

۹۷۔نصیرالدین فاروقی:

نصیرالدین فاروق، ابوبکر عبداللہ بن عمر، ۶۷۲ھ میں آپ نے نظامیہ بغداد میں پڑھایا۔ ۷۰۶ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔(۱۸۲)

۹۸۔نورالدین عبدالغنی ابوالبیان حلبی:

نورالدین عبدالغنی، المعروف ابوالبیان حلبی، آپ نظامیہ بغداد میں مدرس تھے۔ مجدالدین علی بن جعفر، مدرس نظامیہ بغداد، کے مدرسہ بشیریہ جانے کے بعد ان کی جگہ آپ کا تقرر ہوا۔ ۶۸۷ھ میں آپ نے وفات پائی۔(۱۸۳)

۹۹۔یحییٰ بن ربیع:

یحییٰ بن ربیع، مدرس نظامیہ بغداد، ۶۳۲ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔(۱۸۴)

۱۰۰۔یوسف بن ایوب بن یوسف بن الحسین:

یوسف بن ایوب بن یوسف بن الحسین بن وھرۃ ابو یعقوب الھمذانی، الفقیہ، العالم، الزاہد،

صاحب الکرامات والمقامات، آپ کی ولادت ۴۴۰ھ/۴۴۱ھ میں بوزنجرد (۱۸۵) میں ہوئی۔ (۱۸۶)

آپ ۴۶۰ھ کے بعد بغداد آئے اور ابواسحاق شیرازی سے فقہ سیکھی اور ان کے ساتھ رہے حتی کہ اصول فقہ، مذہب اور خلاف میں یکتا ہو گئے۔ آپ نے قاضی ابوالحسین محمد بن علی المھتدی باللہ اور ابوالغنائم عبدالصمد بن علی بن المامون اور ابوجعفر محمد بن احمد بن المسلمۃ سے حدیث کا سماع کیا۔ اصبہان اور سمرقند میں بھی آپ نے سماع کیا۔ سماع کا اکثر حصہ آپ لکھ لیا کرتے تھے۔ پھر اس سے بے رغبت ہو گئے، اسے ترک کر دیا اور زہد و عبادت اور ریاضت و مجاہدہ میں مشغول ہو گئے یہاں تک کہ دین کے سرداروں میں سے ایک سردار بن گئے۔ (۱۸۷) آپ نے ۵۱۵ھ نظامیہ بغداد میں حدیث بیان کی اور مجلس وعظ قائم کی۔ (۱۸۸)

ربیع الاول ۵۳۵ھ میں ہرات اور بغشور (۱۸۹) کے درمیان بامیین (۱۹۰) کے مقام پر آپ کا انتقال ہوا۔ (۱۹۱)

۱۰۱۔ یوسف بن عبداللہ دمشقی:

یوسف بن عبداللہ، ابن بندار دمشقی، مدرس مدرسہ نظامیہ بغداد، آپ نے اسعد المیہنی سے فقہ سیکھی۔ اور مناظرہ میں مہارت حاصل کی۔ شافعیہ عراق کی ریاست آپ تک پہنچی۔ آپ نظامیہ بغداد کے متولی بنے، آپ نے حدیث کا سماع کیا اور کرایا، مجلس وعظ منعقد کی۔ عباسی خلیفہ مستنجد باللہ (۵۵۵ھ/ ۱۱۶۰ء۔ ۵۶۶ھ/ ۱۱۷۰ء) نے ۵۶۳ھ میں آپ کو قہستان کا سفیر بنا کر بھیجا، راستے میں ہی آپ کا انتقال ہو گیا۔ (۱۹۲)

حواشی وحوالہ جات (باب چہارم)

ا۔سبط ابن جوزی، ''مرآۃ الزمان فی تاریخ الاعیان''، حیدرآباد، انڈیا، ۱۳۷۰ھ، ص ۷۵

۲۔عماد الدین ابی الفداء اسماعیل ابن عمر بن کثیر، ''البدایۃ والنہایۃ فی التاریخ''، مطبعۃ السعادۃ مصر، ت ن، ج ۱۲، ص ۲۷۳

۳۔ یہ ایران کی ایک بستی ہے اور بعض اسے خوارزم شہر کہتے ہیں۔ (ابن کثیر، ج ۱۲، ص ۱۲۴)

۴۔ابن کثیر، ج ۱۲، ص ۱۲۴

۵۔ابی العباس شمس الدین احمد بن محمد بن ابی بکر بن خلکان، ''وفیات الاعیان وانباء ابناء الزمان''، تحقیق: ڈاکٹر احسان عباس، منشورات الرضی قم، ۱۳۶۴ء، ج ۱، ص ۲۹

۶۔ابن خلکان، ج ۱، ص ۳۱

۷۔ایضاً، ص ۲۹

۸۔تاج الدین ابی النصر عبدالوھاب ابن تقی الدین السبکی، ''طبقات الشافعیۃ الکبریٰ''، طبع اول، مطبعہ حسینیہ مصر، ت ن، ج ۴، ص ۲۱۰۔۲۱۹

۹۔ابن کثیر، ج ۱۲، ص ۱۲۵

۱۰۔ایضاً

۱۱۔ابن خلکان، ج ۱، ص ۳۱

۱۲۔ یہ نسبت انبار کی طرف ہے، یہ فرات پر ایک قدیم شہر ہے، اس کو انبار کا نام اس لیے دیا گیا کہ یہاں

کسریٰ نے کھانے کے اسٹور بنائے تھے۔ ''النبر'' اس جگہ کو کہتے ہیں، جس میں غلہ ڈالا جاتا ہے۔)

۱۳۔ابن خلکان، ج ۳، ص۱۳۹

۱۴۔ایضاً

۱۵۔ایضاً

۱۶۔ابن کثیر، ج ۱۳، ص ۴۶

۱۷۔اسنوی، ج ۲، ص ۱۳۹

۱۸۔ابن خلکان، ج ۳، ص ۳۳۷

۱۹۔ ہراسی کے نام سے آپ کی شہرت کی وجہ، آپ کا سلسلہ جبال ابرز کے علاقے ہراز کی طرف نسبت ہے۔

۲۰۔ابن خلکان، ج ۳، ص ۲۱۶

۲۱۔ابن کثیر، ج ۱۲، ص ۱۷۲

۲۲۔ابی الفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد بن علی الجوزی، ''المنتظم فی تاریخ الملوك والامم''، طبع اول، دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدرآباد دکن، ۱۳۵۹ھ، ج ۹، ص ۱۲۹۔۱۳۰

۲۳۔ابن خلکان، ج ۳، ص ۲۸۹

۲۴۔ایضاً، ج ۵، ص ۱۴۸

۲۵۔ابن کثیر، ج ۱۲، ص ۳۰۵

۲۶۔ابو الحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی المعروف بابن اثیر، ''الکامل فی التاریخ''، دارالاحیاء التراث

العربی، بیروت، ۱۹۹۶ء، ج، ۸ص ۱۴۹

۲۷۔ابن کثیر، ج ۱۲، ص ۲۷۳

۲۸۔ابن خلکان، ج ۳، ص ۱۳۹

۲۹۔جمال الدین عبدالرحیم الا سنوی، ''طبقات الشافعیۃ''، دارالکتب العلمیہ، بیروت، طبع اول، ۱۹۸۶ء، ج ۱، ص ۵۳۴

۳۰۔ابن کثیر، ج ۱۲، ص ۱۹۴

۳۱۔ابن خلکان، ج ۱، ص ۹۹

۳۲۔المیہنی خابران کی بستیوں میں سے ایک بستی ہے اور یہ سرخس اور ابیورد کے درمیان ایک جہت ہے جو خراسان کی ولدیت سے تعلق رکھتی ہے۔ (ابن خلکان، ج ۱، ص ۲۰۸)

۳۳۔ایضاً، ص ۲۰۷۔۲۰۸

۳۴۔المنتظم، ج ۹، ص ۲۴۶

۳۵۔جلال الدین ہمائی، ''غزالی نامہ''، انتشارات فروغی، تہران، طبع دوم، ص ۳۱۸

۳۶۔ابن خلکان، ج ۱، ص ۹۷

۳۷۔ابن اثیر، ج ۸، ص ۱۴۴۔۱۵۲

۳۸۔اسنوی، ج ۱، ص ۵۲۶

۳۹۔ابن اثیر، ج ۱۰، ص ۵۷

۴۰۔اسنوی، ج۱،ص۲۷۱

۴۱۔سبکی، ج۷،ص۲۸۷

۴۲۔ناجی معروف،علماء النظامیات و مدارس المشرق الاسلامی،مطبعۃ الارشاد، بغداد،۱۳۹۳/

۱۹۷۳ء،ص۲۴

۴۳۔ابن کثیر، ج۱۳، ج۱۵۸

۴۴۔ایضاً،ص۱۴۸

۴۵۔المنتظم، ج۱۰،ص۲۲۵

۴۶۔ابن خلکان، ج۳،ص۲۰۴

۴۷۔ایضاً،ص۲۰۵

۴۸۔صلاح الدین خلیل بن ایبک صفدی،''الوافی بالوفیات''،دارالنشر شتانیر،ویسبادن آلمان،

۱۹۶۱ء، ج۱،ص۱۴۴

۴۹۔عبدالرحمٰن بن محمد بن المظفر بن محمد بن داؤد، ابوالحسن بن ابی طلحہ داؤدی، صحیح بخاری کے راوی، آپ ۳۷۴ھ میں پیدا ہوئے۔ بہت سماع کیا۔ شیخ ابو حامد اسفرائینی اور ابوبکر القفال شاشی سے فقہ سیکھی، ابوعلی الدقاق اور ابوعبدالرحمٰن سلمیؒ کے ساتھ رہے اور بہت کچھ لکھا، پڑھا اور فتوی دیا۔ نظم اور نثر میں آپ کو کمال حاصل تھا۔ آپ بہت ذکر الٰہی کرتے تھے، آپ کی زبان ذکر الٰہی سے کبھی کوتاہی نہ کرتی تھی۔ آپ کی وفات ۴۶۷ھ میں ہوئی، آپ کی عمر ۹۰ سال سے متجاوز تھی۔ آپ کے شاندار اشعار میں سے یہ اشعار بھی ہیں:

كـان فـى الاجتمـاع بـالنـاس نـور

ذهـب الـنـور وادلهـم الـظـلام

فسـد الـنـاس والـزمـان جـميعـا

فـعـلـى الـنـاس والـزمـان السلام

''لوگوں کی ملاقات کرنے میں نور تھا، نور چلا گیا تو تاریکی چھا گئی، اور لوگ اور زمانہ بگڑ گئے، پس لوگوں اور زمانے کو سلام ہو۔'' (ابن کثیر، ج ۱۲، ص ۱۱۲)

۵۰۔ ابن خلکان، ج ۳، ص ۲۲۶

۵۱۔ ایضاً، ص ۲۲۷

۵۲۔ ایضاً، ج ۵، ص ۱۴۸

۵۳۔ سبکی، ج ۶، ص ۱۳۳

۵۴۔ ابن کثیر، ج ۱۲، ص ۳۳۷

۵۵۔ ابن خلکان، ج ۴، ص ۲۲۰

۵۶۔ المنتظم، ج ۹، ص ۱۶۶

۵۷۔ ابن خلکان، ج ۴، ص ۲۲۱

۵۸۔ ابن کثیر، ج ۱۲، ص ۱۷۷

۵۹۔ ابو سعد عبد الکریم بن محمد سمعانی، ''الانساب''، تحقیق: عبد الرحمٰن بن یحییٰ معلمی، حیدر آباد دکن، ۱۹۶۲ء

ج ۱، ص ۱۷۳-۱۷۴

۶۰۔ ابن کثیر، ج ۱۳، ص ۱۵۸

۶۱۔ ابن خلکان، ج ۴، ص ۲۱۶

۶۲۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۲/ ۱۴ ص ۴۸۲

۶۳۔ ابوالحسن علی بن اسمٰعیل، ایک مشہور عالم دین اور اہل سنت کے علمِ کلام کے بانی، جو انھیں کی طرف منسوب ہے۔ آپ ۲۶۰ھ میں بصرہ میں پیدا ہوئے۔ آپ بصرہ کے رئیس المعتزلہ الجبائی کے بہترین تلامذہ میں سے تھے۔ پھر آپ نے معتزلی عقائد کو چھوڑ دیا تھا۔ آپ کو یہ امتیاز حاصل تھا کہ آپ معتزلہ کے عقائد و آراء کا گہرا اور تفصیلی مطالعہ کر چکے تھے۔ آپ کے کثیر التعداد پیروکار اشاعرہ کے نام سے مشہور ہوئے۔ ۳۲۴ھ میں بغداد میں آپ کا انتقال ہوا۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۲، ص ۷۹۸)

۶۴۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۲/ ۱۴ ص ۴۸۴

۶۵۔ طابران، طوس کا ایک بڑا شہر ہے۔

۶۶۔ ابن خلکان، ج ۴، ص ۲۱۸

۶۷۔ سبکی، ج ۴، ۱۰۷

۶۸۔ ابن خلکان، ج ۴، ص ۲۱۷

۶۹۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۲/ ۱۴، ص ۴۸۲

۷۰۔ ابن خلکان، ج ۴، ص ۲۱۷

۷۱۔ابن کثیر، ج ۱۲، ص ۱۷۴

۷۲۔ابو حامد محمد بن محمد بن محمد بن احمد الغزالی، ''المنقذ من الضلال''، مطبعۃ السعادۃ، قاہرہ، ت ن، ص ۸۸

۷۳۔ابن خلکان، ج ۴، ص ۲۱۷

۷۴۔ایضاً، ص ۲۱۸

۷۵۔ابو حامد محمد بن محمد بن محمد بن احمد الغزالی، ''مکتوبات امام غزالی''، ص ۱۹

۷۶۔اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۱۴/۲، ص ۴۸۳

۷۷۔ابن خلکان، ج ۴، ص ۲۱۸

۷۸۔ابن عساکر، ''تبیین کذب المفتری''، ص ۲۹۶

۷۹۔ابن خلکان، ج ۴، ص ۲۱۹

۸۰۔ایضاً، ج ۶، ص ۱۹۱

۸۱۔ایضاً

۸۲۔ایضاً، ص ۱۹۲

۸۳۔ایضاً، ص ۱۹۶

۸۴۔ابن اثیر، ج ۹، ص ۳۰۵

۸۵۔ابن کثیر، ج ۱۳، ص ۸۶

۸۶۔ ایضاً، ج ۱۲، ص ۹۸

۸۷۔ ایضاً، ج ۱۲، ص ۱۲۴

۸۸۔ ابن خلکان، ج ۳، ص ۲۱۸

۸۹۔ ابن کثیر، ج ۱۲، ص ۱۲۸

۹۰۔ اسنوی، ج ۱، ص ۲۰۷

۹۱۔ ابن کثیر، ج ۱۲، ص ۲ ۱۵ا

۹۲۔ ایضاً، ص ۱۳۶

۹۳۔ ابن کثیر، ۱۳، ص ۵۳

۹۴۔ ایضاً، ص ۵۴

۹۵۔ سبکی، ج ۷، ص ۲۸۹

۹۶۔ ابن خلکان، ج ۳، ص ۱۰۲

۹۷۔ ایضاً

۹۸۔ ابن کثیر، ج ۱۲، ص ۳۲۶

۹۹۔ ایضاً، ص ۱۳۶

۱۰۰۔ ایضاً، ص ۱۶۸

۱۰۱۔ سعید نفیسی، ''مدرسہ نظامیہ بغداد''، مشمولہ مجلّہ مہر، تہران، ۱۳۱۷، س ۲، ش ۲

۱۰۲۔ابن خلکان، ج ۵،ص ۱۴۸

۱۰۳۔ایضاً

۱۰۴۔المنتظم، ج ۱۰،ص ۱۱۳

۱۰۵۔جلال الدین عبدالرحمٰن سیوطی، ''بغیة الوعاة فی طبقات اللغویین و النحاة ''،مطبعة السعادة،

مصر،۱۳۲۶ھ،،ص ۴۰۱

۱۰۶۔اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۷،ص ۴۹۱۔۴۹۲

۱۰۷۔المنتظم، ج ۱۰،ص ۱۱۸

۱۰۸۔ابن کثیر، ج ۱۲،ص ۲۲۰

۱۰۹۔ایضاً،ص ۱۲۶

۱۱۰۔ابن خلکان، ج ۳،ص ۲۱۷

۱۱۱۔ایضاً،ص ۲۱۸

۱۱۲۔المنتظم، ج ۹،ص ۱۲

۱۱۳۔ابن کثیر، ج ۱۲،ص ۱۲۶

۱۱۴۔المنتظم، ج ۱۰،ص ۲۴۴

۱۱۵۔ایضاً، ج ۹،ص ۲۴۶

۱۱۶۔کمال الدین ابوالفضل ابن فوطی،الحوادث الجامعه فی المایة السابعه،مطبعة الفرات، بغداد،

۱۳۵۱ھ، ص ۶۲

۱۱۷۔ ابن کثیر، ج ۱۲، ص ۱۹۶

۱۱۸۔ ایضاً، ص ۱۹۷

۱۱۹۔ ایضاً، ص ۲۱۲

۱۲۰۔ ایضاً، ص ۱۹۸

۱۲۱۔ ایضاً، ص ۲۰۲

۱۲۲۔ یہ نسبت باجہ کی طرف ہے، جو اندلس میں ایک شہر ہے، پھر دوسرا باجہ، افریقہ کا ایک شہر ہے، اور ایک تیسرا باجہ، اصبہان کی بستیوں میں سے ایک بستی ہے۔

۱۲۳۔ ابن خلکان، ج ۲، ص ۴۰۸

۱۲۴۔ ایضاً، ص ۴۰۹

۱۲۵۔ ایضاً، ج ۴، ص ۱۵۲

۱۲۶۔ ابن کثیر، ج ۱۳، ص ۶۹

۱۲۷۔ ایضاً، ص ۷۰

۱۲۸۔ ابن خلکان، ج ۴، ص ۱۵۳

۱۲۹۔ ایضاً، ص ۲۵۳

۱۳۰۔ اسنوی، ج ۱، ص ۲۰۸

۱۳۱۔ابن خلکان، ج ۴، ص ۲۵۳

۱۳۲۔المنتظم، ج ۱۰، ص ۲۲۵

۱۳۳۔ابن اثیر، ج ۸، ص ۳۲۴۔۳۲۵

۱۳۴۔حوادث الجامعۃ، ص ۱۸۸

۱۳۵۔ابن کثیر، ج ۱۲، ص ۳۴

۱۳۶۔ابن اثیر، ج ۹، ص ۲۰۵

۱۳۷۔اسنوی، ج ۲، ص ۳۵۳

۱۳۸۔ابن خلکان، ج ۷، ص ۸۴

۱۳۹۔ایضاً، ص ۸۷

۱۴۰۔ایضاً، ص ۹۹

۱۴۱۔ابن کثیر، ج ۱۳، ص ۲۱

۱۴۲۔ابن خلکان، ۱، ص ۱۰۹

۱۴۳۔سبکی، ج ۶، ص ۸۔۱۰

۱۴۴۔ابن خلکان، ج ۷، ص ۸۷

۱۴۵۔ابن اثیر، ج ۹، ص ۲/۱۷ المنتظم، ج ۱۰، ص ۲۴۴

۱۴۶۔ابن خلکان، ج ۵، ص ۳،۸

۱۴۷۔ابن کثیر، ج ۱۳، ص ۳۲۴

۱۴۸۔علماء النظامیات، ص ۲۴

۱۴۹۔ابن کثیر، ج ۱۲، ص ۲۱۹

۱۵۰۔حوادث الجامعۃ، ص ۳۷۔۴۳۹

۱۵۱۔ایضاً، ص ۴۲۰

۱۵۲۔ابن کثیر، ج ۱۳، ص ۱۴۳

۱۵۳۔ایضاً، ج ۱۲، ص ۱۷۴

۱۵۴۔المنتظم، ص ۹، ج ۱۷۱۔۲۰۶

۱۵۵۔ابن کثیر، ج ۱۳، ص ۹۸

۱۵۶۔ایضاً، ج ۱۲، ص ۲۵۴

۱۵۷۔ڈاکٹر احمد شلبی کی تحقیق کے مطابق ایفروز آبادی نظامیہ کے آخری طلباء میں سے تھے۔ان کے بعد نظامیہ کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔وہ لکھتے ہیں: ''میرا خیال ہے کہ یہ ادارے اسی وقت یعنی نویں صدی ہجری کے شروع میں معدوم ہو گئے تھے۔اس مفروضے کی تائید کے لیے ہمارے پاس اور ثبوت بھی موجود ہیں۔اس زمانے میں بغداد کے ترکمانی حکمران شام میں مصریوں کے خلاف اور اناطولیہ میں ایرانیوں اور ترکوں کے خلاف جنگ آزما تھے، اور یہ جنگ اس قدر تباہ کن تھی کہ بہت سی عمارتیں اور ادارے نیست و نابود ہو گئے۔ یقین ہے کہ نظامیہ بھی ان ہی تباہ کاریوں کی نذر ہو گیا۔علاوہ ازیں ان جنگوں کے بعد زبردست مالی بحران

رونما ہوا۔ حکمرانوں نے کالج کی اوقاف ضبط کرلیں اور ادارہ کو از سرِ نو تعمیر کرنے کی طرف توجہ نہ دی۔ کچھ ہی دنوں بعد یہ علاقہ نجی املاک میں شامل کرلیا گیا۔ اس افسوسناک طریقے پر یہ عظیم الشان کالج ختم ہوگیا۔ (احمد شلبی، ڈاکٹر، مسلمانوں کا نظام تعلیم، اردو ترجمہ: ادریس صدیقی، اردو اکیڈمی سندھ، طبع اول، ۱۹۸۵ء، ص۱۷۲)

۱۵۸۔ علماء النظامیات، ص۲۵

۱۵۹۔ ابن کثیر، ج۱۲، ص۱۳۵۔۱۳۶

۱۶۰۔ ایضاً، ج۱۳، ص۱۸۱

۱۶۱۔ بغیۃ الوعاۃ، ص۳۷۲

۱۶۲۔ ابن اثیر، ج۹، ص۷۶

۱۶۳۔ حوادث الجامعۃ، ص۴۳۴

۱۶۴۔ الجامع المختصر، ج۹، ص۲۹۷۔۲۹۸

۱۶۵۔ ابن کثیر، ج۱۳، ص۳۲

۱۶۶۔ ابن اثیر، ج۹، ص۳۵۸

۱۶۷۔ سبکی، ج۶، ص۸۸۔۸۹

۱۶۸۔ ابن الدبیثی ابوعبداللہ محمد بن سعید، ''ذیل تاریخ مدینۃ السلام بغداد''، تحقیق: بشار عواد، بغداد، ۱۹۷۴ء، ص۱۵۴

۱۶۹۔حوادث الجامعۃ،ص ۲۷۷

۱۷۰۔ابن کثیر،ج ۱۲،ص ۱۶۵

۱۷۱۔علماء النظامیات،ص ۲۵

۱۷۲۔ابوالعباس احمد بن علی قلقشندی،''صبح الاعشی فی صناعة الانشاء''،مطبعۃ الامیریہ،قاہرہ، ۱۳۳۸ھ،ج ۱۰،ص ۲۹۲

۱۷۳۔ابن کثیر،ج ۱۳،ص ۷۵

۱۷۴۔اسنوی،ج ۲،ص ۳۷۷

۱۷۵۔سبکی،ج ۸،ص ۳۶۸

۱۷۶۔علماء النظامیات،ص:۲۵

۱۷۷۔شہاب الدین عبدالرحمٰن ابوشامہ،''الروضتین فی اخبار الدولتین النوریہ والصلاحیہ''، تحقیق:محمد حلمی،قاہرہ،۱۹۵۶ء،ج ۷،ص ۸۶

۱۷۸۔ابن کثیر،ج ۱۳،ص ۱۷۴

۱۷۹۔اسنوی،ج ا،ص ۲۷۷

۱۸۰۔ابن کثیر،ج ۱۳،ص ۱۹۶

۱۸۱۔حوادث الجامعہ،ص ۴۵۶

۱۸۲۔ایضاً،ص ۳۷۶

۱۸۳۔ایضاً،ص۴۳۴۔۴۵۶

۱۸۴۔شہاب الدین ابوعبداللہ یاقوت حموی، ''معجم الادبا''،مصر،۱۹۲۳ء ج ۷،ص ۶۵

۱۸۵۔بوزنجرد: یہ ہمذان کی بستیوں میں سے ایک بستی ہے جو اس سے ایک مرحلہ پر ساوۃ کے نزدیک ہے۔

۱۸۶۔ابن خلکان، ج ۷،ص ۸۰

۱۸۷۔ایضاً،ص ۷۸

۱۸۸۔ایضاً

۱۸۹۔یہ مرو اور ہرات کے درمیان خراسان کا ایک چھوٹا سا شہر ہے۔

۱۹۰۔یہ بھی خراسان کا ایک چھوٹا سا شہر ہے۔

۱۹۱۔ابن خلکان، ج ۷،ص ۸۰

۱۹۲۔اسنوی، ج ۱،ص ۲۶۳

باب پنجم

طلباءِ نظامیہ بغداد

کسی بھی جامعہ کے قیام واستحکام میں تین عناصر بنیادی کردار ادا کرتے ہیں:

۱۔اساتذہ(Faculty)

۲۔انتظامیہ(Administration)

۳۔طلباء(Students)

گذشتہ ابواب میں اساتذہ اور انتظامیہ کے حوالے سے بات کی جاچکی ہے۔ اپنے وقت بہترین علماء واساتذہ کی جامعہ نظامیہ میں موجودگی اور وابستگی نے ہزاروں تشنگانِ علم کی توجہ اپنی طرف مبذول کرلی۔ سرکاری سرپرستی اور بہترین اساتذکی کی موجودگی نے جامعہ نظامیہ بغداد کو ایک اہم عصری علمی مرکز میں تبدیل کردیا تھا۔

جامعہ نظامیہ بغداد کی عالمگیر شہرت اور علماء وفقہاء اور مدرسین کا مرکز ہونے کی بناء پر عالمِ اسلام کے دور دراز علاقوں سے تشنگانِ علم وتحقیق شہرِ بغداد کا رخ کیا کرتے تھے۔ تحصیلِ علم ومعرفت وکمال اور کسبِ معاش کے حصول کے لیے دور ونزدیک سے لوگ نظامیہ بغداد آتے اور اس مدرسہ کے علماء وفقہاء کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرتے۔

کسی بھی طالبِ علم کے لیے یہ بات باعثِ افتخار تھی کہ وہ کچھ ساعتیں نظامیہ بغداد میں تحصیلِ علم میں گزارے۔ نظامیہ بغداد کے بیشتر طلباء نظامیہ بغداد سے اپنی نسب کے باعث ہی ممتاز ہوئے۔ انہوں نے اعلیٰ تعلیم کے مدارج طے کیے، انہیں یا تو اس جامعہ میں پڑھانے کا اعزاز حاصل ہوا، یا دیگر علمی واجتماعی مناصب حاصل ہوئے۔ جیسے قضاء، ریاستِ مذہبی یا درس وتدریس۔

نظامیہ بغداد کے علماء وفقہاء نیکوکاری اور ریاستِ مذہبی سے آراستہ اور ''انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء'' (۱) کی تفسیر ہوا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر لوگوں کا یہ عقیدہ تھا کہ جو طالبِ علم بھی اس مدرسہ میں قدم رکھے گا، اللہ تعالیٰ اسے دانش ومعرفت حق نصیب کرے گا۔ (۲)

نظامیہ بغداد چونکہ اعلیٰ تعلیم (Higher Education) کا مرکز تھا اس لیے یہاں آنے والے

طلباء اپنے وقت کے ذہین اور مخلص طالبانِ علم ہوا کرتے تھے جو اپنی تعلیم کے ابتدائی مدارج کامیابی سے طے کرنے کے بعد نظامیہ بغداد میں داخل ہوتے تھے۔

ابن خلکان، قاضی ابوالمحاسن معروف بہ ابن شداد (م ۶۳۲ھ/۱۲۳۴ء) کے بارے میں لکھتا ہے:

''آپ ۱۰ رمضان ۵۳۹ھ/۱۱۴۴ء کی شب کو موصل میں پیدا ہوئے، وہیں قرآن کریم حفظ کیا، پھر شیخ ابوبکر یحییٰ بن سعدون قرطبی موصل آئے تو سبع طرق آپ کو سنائے اور فنِ قرات کو آپ سے پختہ کیا۔ مکمل اہلیت کے بعد آپ بغداد آئے اور مدرسہ نظامیہ کے رہائشی طالب علم بن گئے۔ تھوڑی عرصے بعد ہی آپ کو اس میں دہرائی کرنے پر مقرر کر دیا گیا۔ اور آپ چار سال دہرائی کرتے رہے۔'' (۳)

کامیاب طلباء:

ایڈورڈ گبن کے مطابق:

''مختلف اوقات میں نظامیہ بغداد سے چھ ہزار طلباء ہر درجے کے کامیاب ہو کر نکلے ہیں۔ جن میں امراء اور اہلِ حرفہ دونوں کے لڑکے شامل تھے۔'' (۴)

لیکن یہ تعداد جامعہ نظامیہ کی عمر کے لحاظ سے بہت کم ہے اور اس پر اضافہ کثیر کی گنجائش ہے۔ (۵) مگر افسوس ہے کہ نظامیہ کے عہد میں، وہاں کا سند یافتہ اپنے نام کے ساتھ نظامی نہیں لکھتا تھا، بلکہ اپنے استاد کے نام سے شہرت پاتا تھا۔ (۶) ورنہ اسمائے رجال سے فیصلہ ہو جاتا کہ زائد از تین صدیوں میں کس قدر اربابِ کمال، جامعہ نظامیہ سے فیضیاب ہوئے۔ یہ بات ویسے بھی قرین قیاس نہیں کہ جامعہ نظامیہ بغداد کی

پوری تاریخ یعنی تین سواڑتیں سالوں میں صرف چھ ہزار کامیاب طلبہ نکلے۔ اس مطلب یہ ہوا کہ ہر سال صرف ۱۸ طالب علم اوسطاً فارغ التحصیل ہوتے تھے۔

نظامیہ بغداد نے تقریباً تین سو سال کے عرصہ پر محیط اپنی علمی زندگی میں علماء، ادباء اور فقہاء کی کثیر تعداد پیدا کی جنہوں نے اسلامی معاشرے میں علمی سرگرمیوں کو مہمیز دی۔ علم کے شیدائیوں اور تشنہ لبوں کی ایک بڑی تعداد تھی جو مشرق میں ماورائے جیحون سے لے کر مغرب میں اسلام کے بعید ترین نکتہ یعنی اندلس تک سے اس باشکوہ علمی مرکز کا رخ کیا کرتے تھے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ نظامیہ کے طلباء کی تعداد ہر دور میں ہی زیادہ رہی ہے اور کئی ادوار میں تو ان کی تعداد کئی ہزار رہی۔ استاد کے سبق کو شاگردوں کے لیے دہرانے والوں یعنی معیدوں کی موجودگی خود اس بات کی دلیل ہے کہ طلبہ کی تعداد بہت زیادہ ہوتی تھی اور وہ مجالسِ درس میں بہت کثرت سے شرکت کرتے تھے۔ (۷)

ابن کثیر کے مطابق، شعبان ۵۱۷ھ میں الباقرحی کی جگہ جب اسعد میہنی نظامیہ بغداد کے ناظر اور مدرس کی حیثیت سے آئے تو انہوں نے نظامیہ کے طلبہ کی فہرست سے بہت سے وظیفہ پانے والوں کے نام کاٹ دیے اور طلبہ کی اتنی بڑی تعداد میں سے صرف دو سو پر اکتفا کیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ یہ حرکت طلبہ پر گراں گزری اور کئی حوادث وواقعات کے ظہور کا سبب بنی۔ (۸)

المختصر جن ناموروں نے مختلف اوقات میں اس چشمہ علم وعرفان سے فیض پایا، ان کی تعداد چھ ہزار سے کہیں اوپر ہے۔ ان میں سینکڑوں مشہور اور معروف زمانہ ہوئے۔ مثلاً فخر الاسلام ابوبکر الشاشی، متعدد علوم کے حامل ابوالفتح کمال موسیٰ بن یونس، نامور ادب امام خطیب تبریزی، ابومنصور موھوب بن احمد الجوالیقی،

فارسی زبان کے مشہور شاعر و نثر نگار شیخ مصلح الدین شیرازی، مشہور شاعر ابوالدر یاقوت بن عبداللہ رومی، مراکش واندلس میں موحدون (۹) کی حکومت قائم کرنے والے روحانی پیشوا ابوعبداللہ ابن تومرت بھی شامل ہیں۔ (۱۰)

درجِ ذیل وجوہ کی بناء پر جامعہ نظامیہ بغداد کے تمام فارغ التحصیل طلباء کی فہرست نہیں بنائی جاسکتی:

اولاً۔ ایسی سرکاری دستاویزات دستیاب نہیں جن سے داخلہ لینے والے طلباء یا جامعہ کی اقامت گاہ میں مقیم رہائشی طلباء کے کوائف معلوم کیے جاسکیں۔

ثانیاً۔ جیسا کہ پہلے بھی نشاندہی کی گئی، اُس دور میں جامعہ سے وابستہ طلباء اپنے نام کے ساتھ کوئی لاحقہ نہیں لگاتے تھے۔

ثالثاً۔ بعض قدیم کتب اور منابع و مصادر کے ضائع ہوجانے سے یہ ممکن نہیں رہا کہ جامعہ کے تمام فارغ التحصیل طلباء کی فہرست مرتب کی جاسکے۔

بہرحال ذیل میں ہم ان طلباء کے اسمائے گرامی اور مختصر حالات درج کرتے ہیں جنہیں تاریخ نے محفوظ رکھا ہے۔

۱۔ابراہیم بن محمد بن منصور:

ابراہیم بن محمد بن منصور، ابن عمر ابوالید کرخی، آپ نے شیخ ابواسحاق شیرازی اور ابوسعد المتولی سے فقہ سیکھی، حتیٰ کے آپ فقہ اور نیکی میں اپنے زمانے کے یکتا ہو گئے۔ ۵۳۸ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔(۱۱)

۲۔ابن الرجیعی، محمد بن طاہر العباسی:

محمد بن طاہر العباسی، آپ ابن الرجیعی کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ نے ابن الصباغ سے فقہ سیکھی اور فیصلوں میں نیابت کی۔ ۴۷۸ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔(۱۲)

۳۔ابن شداد، بہاءالدین ابوالمحاسن یوسف بن رافع:

ابوالمحاسن یوسف بن رافع بن تمیم بن عتبہ بن محمد بن عتاب الاسدی، قاضی حلب، المعروف بابن شداد، الملقب بہاءالدین، الفقیہ الشافعی، مدرس نظامیہ بغداد، آپ ۱۰رمضان ۵۳۹ھ کی شب کو موصل میں پیدا ہوئے، وہیں قرآن کریم حفظ کیا، پھر شیخ ابوبکر یحییٰ بن سعدون قرطبی موصل آئے تو سبع طرق آپ کو سنائے اور فنِ قرات کو آپ سے پختہ کیا۔ مکمل اہلیت کے بعد آپ بغداد آئے اور مدرسہ نظامیہ کے رہائشی طالب علم بن گئے۔ تھوڑی عرصے بعد ہی آپ کو اس میں دہرائی کرنے پر مقرر کر دیا گیا۔ آپ نے چار سال تک معید کے فرائض انجام دیے۔(۱۳) ۱۴صفر۶۳۲ھ کو بدھ کے روز آپ کا انتقال ہوا۔(۱۴)

۴۔ابن ودعۃ محمد بن اسماعیل البقال:

ابن ودعۃ محمد بن اسماعیل البقال، آپ نظامیہ بغداد کے طالب علم تھے۔آپ نے معید کے فرائض بھی انجام دیے۔۵۸۸ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔(۱۵)

۵۔ابواسحاق ابراہیم بن محمد بن نبھان:

ابواسحاق ابراہیم بن محمد بن نبھان بن محرز الغنوی، الرقی، الصوفی، آپ کی ولادت ۴۵۹ھ میں ہوئی۔آپ نے نظامیہ بغداد میں امام غزالی اور ابوبکر الشاشی سے کسب علم کیا۔ذی الحجہ ۵۴۳ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔(۱۶)

۶۔ابواسحاق ابراہیم بن نصر بن عسکر الموصلی:

ابواسحاق ابراہیم بن نصر بن عسکر الملقب ظہیر الدین قاضی السّلامیہ، الفقیہ الشافعی، الموصلی، آپ نے موصل میں قاضی ابوعبداللہ الحسنین ابن نصر بن خمیس موصلی سے فقہ سیکھی اور آپ سے سماع کیا۔پھر بغداد آئے اور وہاں ایک جماعت سے سماع کیا اور اپنے شہر واپس چلے گئے، اور السلامیہ (۱۷) کے قاضی بنے۔ اربل میں ابوالبرکات عبدالرحمٰن بن محمد بن انبار نحوی سے ان کی کچھ تصانیف کی بھی روایت کی۔(۱۸)

آپ فاضل فقیہ تھے۔اصلاً آپ عراق کے السندیہ سے تھے، آپ نے بغداد میں مدرسہ نظامیہ میں فقہ سیکھی، حدیث کا سماع کیا اور اسے روایت کیا۔(۱۹) ۳ ربیع الثانی ۶۱۰ھ بروز جمعرات السّلامیہ میں آپ

نے وفات پائی۔(۲۰)

۷۔ابواسحٰق ابراہیم بن یحییٰ کلبی غزی:

ابواسحٰق ابراہیم بن یحییٰ کلبی غزی، آپ مشہور شاعر ہیں۔۴۸۱ھ میں آپ بغداد آئے اور چند سال نظامیہ بغداد میں مقیم رہ کر کسبِ علم کیا۔ پھر آپ خراسان چلے گئے۔۵۲۴ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔(۲۱)

۸۔ابوالبدر ابراہیم بن محمد الکرخی:

ابوالبدر ابراہیم بن محمد، ابن منصور بن عمر الکرخی، آپ نے ابوالحسین ابن النقور اور ابومحمد الصریفینی و دیگر سے سماع حدیث کیا۔ نظامیہ بغداد میں شیخ ابواسحاق شیرازی اور ابوسعد المتولی سے فقہ سیکھی۔ بروز جمعہ ۲۹ ربیع الاول ۵۳۹ھ کو آپ نے وفات پائی۔(۲۲)

۹۔ابوالبرکات سعید بن ھبۃ اللہ ابن الصباغ:

ابوالبرکات سعید بن ھبۃ اللہ ابن الصباغ، آپ نظامیہ بغداد کے طالب علم تھے۔۶۱۰ھ میں آپ نے وفات پائی۔(۲۳)

۱۰۔ابوالبرکات عبدالرحمٰن بن ابی الوفاء الانباری النحوی:

ابوالبرکات عبدالرحمٰن بن ابی الوفاء، محمد بن عبیداللہ ابن سعید محمد بن الحسن بن سلیمان الانباری، الملقب کمال الدین النحوی، آپ علم نحو میں ان آئمہ میں سے تھے، جن کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔آپ نے بچپن سے لے کر وفات تک بغداد میں سکونت رکھی۔آپ نے نظامیہ بغداد میں فقہ شافعی کی تعلیم حاصل کی، ابومنصور ابن الجوالیقی سے لغت پڑھی اور الشریف ابوالسعادات ہبۃ اللہ الشجری کی صحبت اختیار کی اور علم ادب میں تبحر حاصل کیا۔(۲۴)

آپ کی وفات ۹ شعبان ۵۷۷ھ کی شب جمعہ کو بغداد میں ہوئی۔آپ کو باب ابرز میں شیخ ابواسحاق شیرازی کے قبرستان میں دفن کیا گیا۔(۲۵)

۱۱۔ابوالبرکات عبداللہ بن خضر بن حسین موصلی:

ابوالبرکات عبداللہ بن خضر بن حسین موصلی، المعروف بابن الشیر جی، آپ عالم وزاہد، سیرت و کردار میں سلف کا نمونہ تھے۔آپ کی پیدائش موصل میں ہوئی۔وہیں آپ نے قرآن پڑھا اور سماع حدیث کیا۔پھر آپ بغداد آئے اور نظامیہ میں ابن الرزاز سے کسب علم کیا اور معید کے منصب پر پہنچے۔آپ نے بصرہ کے قاضی کی حیثیت سے بھی اپنے فرائض انجام دے۔آپ موصل کی مسجد میں درس دیتے تھے۔خلق کثیر نے آپ سے اشتغال کیا۔۵۷۴ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔(۲۶)

۱۲۔ابوالبرکات محمد بن الموفق بن سعید:

ابوالبرکات محمد بن الموفق بن سعید بن علی بن الحسن بن عبداللہ الخبوشانی، الملقب نجم الدین، الفقیہ الشافعی، آپ فاضل فقیہ اور بہت متقی تھے۔آپ کی ولادت ۱۳ رجب ۵۱۰ھ کو استوی خبوشان (۲۷) میں ہوئی۔

آپ نے محمد ابن یحییٰ سے فقہ سیکھی۔ جب سلطان صلاح الدین ایوبی، مصر میں بااختیار ہوگیا تو اس نے آپ کو مقرب بنایا اور آپ کا اکرام کیا۔ کہتے ہیں کہ اس نے آپ کو امام شافعیؒ کی قبر کے نزدیک مدرسہ تعمیر کرنے کا حکم دیا۔اور جب مدرسہ تعمیر ہوگیا تو اس نے اس کی تدریس آپ کے سپرد کردی۔

آپ کی تصانیف میں ''المحیط فی شرح الوسیط ''اور ''تحقیق االمحیط '' شامل ہیں۔ آپ کی وفات ۱۲ ذوالقعدہ ۵۸۷ھ کو بدھ کے روز مدرسہ مذکورہ میں ہوئی۔(۲۸)

۱۳۔ابوالحسن الشاشی الرملی العثمانی:

ادریس بن حمزہ ابوالحسن الشاشی الرملی العثمانی، آپ شافعی مذہب کے بڑے مناظر تھے۔آپ نے سب سے پہلے نصر بن ابراہیم سے فقہ سیکھی، پھر بغداد میں ابواسحاق شیرازی سے فقہ سیکھی۔ پھر خراسان چلے گئے، حتیٰ کہ ماوراءالنہر تک پہنچ گئے، سمرقند میں قیام کیا اور اس کے مدرسہ میں پڑھایا۔

۵۰۴ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔(۲۹)

۱۴۔ابوالحسن سعدالخیر بن محمد بن سھل بن سعد:

ابوالحسن سعدالخیر بن محمد بن سھل بن سعد الاندلسی الانصاری، آپ نے اندلس سے بلادِ ہند اور چین کا سفر کیا۔ پھر بغداد آئے اور ابو حامد غزالی سے فقہ سیکھی، سماع حدیث کیا، اور خطیب تبریزی سے ادب کی تعلیم حاصل کی۔ آپ کی تصانیف بھی ہیں۔ ۱۰ محرم ۵۴۱ھ بروز ہفتہ آپ کا انتقال ہوا۔(۳۰)

۱۵۔ابوالحسن علی بن احمد بن بکری:

ابوالحسن علی بن عمر بن عبدالباقی بن بکری، آپ نظامیہ بغداد کے طالب تھے۔ آپ نے ابومنصور الجوالیقی سے ادب اور نحو کی معرفت حاصل کی۔ ادب پر آپ نے کئی کتابیں لکھیں۔ آپ خوشخط تھے۔ آپ نظامیہ کے کتب خانے کے خازن بھی رہے۔ ۱۸ رمضان ۵۷۵ھ کو آپ کا انتقال ہوا۔(۳۱)

۱۶۔ابوالحسن علی بن علی بن سعادۃ الفارقی:

ابوالحسن علی بن علی بن سعادۃ الفارقی، آپ فاضل فقیہ، مناظر اور واعظ تھے۔ میافارقین میں آپ کی پیدائش ہوئی۔ آپ نے تبریز کا سفر کیا اور وہاں فقیہ علی ابوعمر سے فقہ پڑھی اور سماع حدیث کیا۔ پھر آپ بغداد آئے اور شیخ ابوالنجیب سہروردی کی صحبت اختیار کی اور کچھ عرصے وعظ کیا۔ پھر آپ نے نظامیہ بغداد میں سکونت اختیار کر لی اور مدرس نظامیہ بغداد ابن بندار دمشقی سے کسب فیض کیا، دہرائی کی اور مدرس کے منصب پر پہنچے۔

آپ نے عباسی خلیفہ ناصر الدین (۵۷۵ھ/۱۱۷۹ء-۶۲۱ھ/۱۲۲۵ء) کی والدہ کے مدرسہ میں بھی پڑھایا۔۶۰۲ھ میں آپ نے وفات پائی۔(۳۲)

۱۷۔ابوالحسن علی بن عنتر بن ثابت الحلی:

ابوالحسن علی بن عنتر بن ثابت الحلی، آپ شمیم کے نام سے مشہور ہیں۔ ادیب، شاعر اور ماہر لغت تھے۔ آپ نے اپنے اشعار کا ایک حماسہ مرتب کیا ہے۔ آپ نے بغداد آ کر ابن الخشاب سے نحو سیکھی، اس سے عمدہ باتیں حاصل کیں، اور لغت اور عربوں کے اشعار بھی حاصل کیے۔ آپ نے موصل میں اقامت اختیار کر لی اور وہیں ۶۰۱ھ میں وفات پائی۔(۳۳)

۱۸۔ابوالحسن علی بن محمد بن علی الطبری الکیاالھراسی:

ابوالحسن علی بن محمد بن علی الطبری، الملقب عماد الدین، المعروف بالکیاالھراسی، الفقیہہ الشافعی، آپ طبرستان کے باشندے تھے۔ آپ نیشاپور گئے اور مدت تک امام الحرمین ابوالمعالی الجوینی سے فقہ سیکھتے رہے حتیٰ کہ ماہر ہو گئے۔ پھر نیشاپور سے بیہق چلے گئے اور وہاں مدت تک پڑھایا، پھر عراق چلے گئے اور نظامیہ بغداد کی تدریس سنبھال لی اور تاحیات پڑھاتے رہے۔ آپ درس میں امام الحرمین کی دہرائی کرنے والوں کے سرکردہ لوگوں میں سے تھے اور ابو حامد غزالی کے ثانی تھے۔(۳۴)

الکیاالھراسی کی ولادت ذوالقعدہ ۴۵۰ھ میں ہوئی اور وفات یکم محرم ۵۰۴ھ کو جمعرات کے روز عصر

کے وقت بغداد میں ہوئی اور تدفین شیخ ابو اسحاق شیرازی کے قبرستان میں ہوئی۔(۳۵)

۱۹۔ بوالحسن محمد بن عبدالملک الکرخی:

ابوالحسن محمد بن عبدالملک الکرخی ابن محمد بن عمر، مفتی، فقیہ، آپ نے مختلف شہروں میں بہت سماع کیا۔ آپ نے ابو اسحاق شیرازی اور دیگر علمائے شافعیہ سے فقہ سیکھی۔ آپ فصیح شاعر تھے۔ آپ کی بہت سی تصانیف ہیں جن میں سے ''الفصول فی اعتقا الائمة الفحول'' بھی ہے۔

آپ کے اشعار ہیں:

تناءت داره عنی ولکن

خیال جماله فی القلب ساکن

اذا امتلاء الفواد به فماذا

یضر اذا خلت منه الاماکن

''اس کا گھر مجھ سے دور ہے لیکن اس کے حسن و جمال کا خیال میرے دل میں جاگزیں ہے۔ جب دل ہی اس سے بھر جائے تو دل کی تنہائی نقصان نہیں دیتی۔''

آپ نے ۵۳۲ھ میں ۹۰ سال کی عمر میں وفات پائی۔(۳۶)

۲۰۔ابوالحسن محمد بن علی بن الحسن بن عمر:

ابوالحسن محمد بن علی بن الحسن بن عمر، المعروف باابن ابی الصقر الواسطی، الفقیہ الشافعی، آپ نے شیخ ابو اسحاق شیرازی سے فقہ سیکھی، لیکن ادب وشعر آپ پر غالب آ گیا اور اسی سے آپ مشہور ہوئے۔ آپ بلاغت، فضل، خوشخطی، اور جودت شعر میں کامل تھے۔(۳۷)

آپ کی ولادت ۱۳ ذوالقعدہ ۴۰۹ھ کو سوموار کی رات ہوئی اور وفات ۱۴ جمادی الاولی ۴۹۸ھ بروز جمعرات واسط میں ہوئی۔(۳۸)

۲۱۔ابوالدر یاقوت بن عبداللہ رومی:

ابوالدر یاقوت بن عبداللہ رومی، الملقب مہذب الدین، مشہور شاعر، مولی ابومنصور الجیلی، تاجر، آپ نے علم میں اشتغال کیا اور ادب میں کمال حاصل کیا۔ جب آپ ممتاز اور ماہر ہو گئے تو اپنا نام عبدالرحمٰن رکھا اور نظامیہ بغداد میں قیام کیا۔

ابن الدبیثی (۳۹) نے اپنی کتاب ''الـــذیـــل'' میں آپ کو ان لوگوں میں شمار کیا ہے جن کا نام عبدالرحمٰن ہے۔ اس نے بیان کیا ہے کہ آپ نے بغداد میں پرورش پائی، قرآن کریم حفظ کیا، ادب پڑھا، خوبصورت تحریر لکھی اور شعر کہے۔(۴۰)

۶۲۲ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔(۴۱)

۲۲۔ابوالدر یاقوت بن عبداللہ موصلی:

ابوالدر یاقوت بن عبداللہ موصلی کاتب، الملقب امین الدین، سلطان ابوالفتح ملک شاہ بن سلجوقی کی طرف نسبت سے ملکی کے نام سے مشہور، آپ موصل آئے اور ابومحمد سعید بن المبارک ابن الدھان نحوی سے نحو سیکھی اور اپنی جملہ تصانیف انہیں سنائیں۔

ابوالدر یاقوت بن عبداللہ کی تحریر نہایت خوبصورت تھی، آپ بہت بسیار نویس تھے۔آپ کے آخری زمانے میں کوئی شخص حسنِ خط میں آپ کی مثل نہ تھا۔(۴۲) آپ نے ۶۱۸ھ میں موصل میں وفات پائی۔(۴۳)

۲۳۔ابوالرضا کمال الدین عبدالرحیم بن محمد بن یاسین:

ابوالرضا کمال الدّین عبدالرحیم بن محمد بن یاسین، آپ نظامیہ بغداد کے طالب علم تھے۔آپ نے معید کے فرائض بھی انجام دیے۔۶۳۰ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔(۴۴)

۲۴۔ابوالشکر محمود بن سلیمان بن الشہر زوری:

ابن المحتسب، ابوالشکر محمود بن سلیمان بن شہرزوری، آپ نے نظامیہ بغداد میں تعلیم حاصل کی۔ ۵۹۸ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔(۴۵)

۲۵۔ابوالعباس احمد بن سلامہ ابن عبداللہ الرطبی:

احمد بن سلامہ ابن عبداللہ بن مخلد بن ابراہیم، ابوالعباس الرطبی، آپ نے بغداد میں ابواسحاق شیرازی اور ابن الصباغ سے اور اصبہان میں محمد بن ثابت خجندی سے فقہ سیکھی، پھر بغداد میں الحریم کے فیصلوں کا کام اور بغداد میں انسپیکشن کا کام سنبھالا۔ رجب ۵۲۷ھ میں آپ نے وفات پائی اور ابواسحاق کے پاس دفن ہوئے۔(۴۶)

۲۶۔ابوالعباس احمد بن عمر بن الحسن الکردی:

ابوالعباس احمد بن عمر بن الحسن الکردی، آپ نے تبریز میں فقیہ ابن ابی عمر سے فقہ سیکھی۔ پھر آپ بغداد آئے اور اسے ہی اپنا وطن بنالیا۔ نظامیہ بغداد میں آپ معید کے منصب پر پہنچے۔ کہا جاتا ہے کہ شیخ ابو اسحاق شیرازی کی کتاب ''المہذب'' آپ کو مکمل حفظ تھی۔ آپ ان فقہاء میں سے تھے جو اپنے فضل، زہد، دیانت اور تقویٰ کی وجہ سے مشہور تھے۔(۴۷) ذی الحجہ ۵۹۱ھ میں آپ نے وفات پائی۔(۴۸)

۲۷۔ابوالعباس احمد بن محمد بن احمد الدوری:

ابوالعباس احمد بن محمد بن احمد الدوری، آپ نظامیہ میں رہائش رکھتے تھے۔ آپ نے فقہ، خلاف اور اصول کی تعلیم مجیر بغدادی سے حاصل کی۔ آپ بہت خوشخط تھے۔ ربیع الاول ۵۹۸ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔(۴۹)

۲۸۔ابوالعباس الخضر بن نصر بن عقیل الاربلی:

ابوالعباس الخضر بن نصر بن عقیل بن نصر الاربلی، الفقیہ الشافعی، آپ نے بغداد میں الکیاالہراسی اور ابن الشاشی سے علم حاصل کیا۔ بغداد کے متعدد مشائخ سے ملاقات کی، پھر اربل واپس آ گئے۔ وہاں امیر ابومنصور سرفتکین الزینی نائب حاکمِ اربل نے آپ کے لیے قلعہ کا مدرسہ بنایا۔ آپ نے ایک زمانہ تک اس میں پڑھایا۔ آپ اربل میں پڑھانے والے پہلے شخص ہیں۔

تفسیر وفقہ وغیرہ کے بارے میں آپ کی شاندار کثیر تصانیف ہیں۔ آپ کی ایک کتاب ہے، جس میں آپ نے رسول کریم ﷺ کے ۲۶ خطبات کا ذکر کیا ہے، جو سب کے سب مسندہ (یعنی ان کی سند ان کے قائل تک پہنچائی گئی ہے) ہیں۔ بہت سے لوگوں نے آپ سے علم حاصل کیا اور آپ سے فائدہ اٹھایا۔ آپ صالح، زاہد، عابد، متقی، مبارک اور منکسر المزاج تھے۔ (۵۰)

آپ دمشق آئے اور یہاں کچھ عرصہ قیام کیا، پھر اربل واپس چلے گئے۔ آپ سے تربیت پانے والوں میں شیخ فقیہ ضیاء الدین ابوعمرو عثمان بن عیسیٰ بن درباس الھدیانی، شارح المہذب بھی ہیں۔ نیز آپ کے بھتیجے عزالدین ابوالقاسم نصر بن عقیل بن نصر وغیرہ نے بھی آپ سے تربیت پائی۔ آپ کی ولادت ۴۷۴ھ میں اور وفات ۱۴ جمادی الثانی ۵۶۷ھ میں جمعہ کی رات کو اربل میں ہوئی۔ (۵۱)

۲۹۔ابوالعز شرف بن علی:

ابوالعز شرف بن علی ابن ابی جعفر بن کامل الخالصی المقری، الفقیہ الشافعی، نابینا، آپ نے نظامیہ

بغداد میں فقہ سیکھی اور حدیث کا سماع کیا۔ ۶۱۸ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ (۵۲)

۳۰۔ ابوالفتح احمد بن علی بن برہان:

ابوالفتح احمد بن علی بن برہان جو ابن الحمامی کے نام سے مشہور ہیں، آپ نے ابوالوفا بن عقیل سے فقہ سیکھی، اور امام احمد کے مذہب میں یکتا ہو گئے۔ پھر کچھ باتوں کے باعث آپ کے اصحاب ناراض ہو گئے، تو اس بات نے آپ کو امام شافعی کے مذہب کی طرف منتقل ہونے پر آمادہ کیا۔ آپ نے الشاشی اور امام غزالی سے اشتغال کیا اور ماہر ہو گئے۔ آپ نے ایک ماہ نظامیہ بغداد میں پڑھایا۔

جمادی الاولیٰ ۵۱۷ھ میں آپ نے وفات پائی اور باب البرز میں دفن ہوئے۔ (۵۳)

۳۱۔ ابوالفتح احمد بن علی بن محمد الوکیل:

ابوالفتح احمد بن علی بن محمد الوکیل، المعروف با بن برہان، الفقیہ الشافعی، آپ اصول وفروع اور متفق اور مختلف میں تبحر تھے۔ آپ نے ابوحامد غزالی، ابوبکر الشاشی اور الکیا الھراسی سے فقہ سیکھی اور اس میں ماہر ہو گئے۔

آپ نے اصول فقہ میں کتاب ''الوجیز'' تصنیف کی اور بغداد میں ایک ماہ سے کم عرصہ مدرسہ نظامیہ کی تدریس کی ذمہ داری کو سنبھالا اور ۵۲۰ھ میں بغداد میں وفات پائی۔ (۵۴)

۳۲۔ابوالفتح الاشری:

ابوالفتح الاشری، الفقیہ الشافعی، آپ نظامیہ بغداد کے طالب علم اور اس کے دہرائی کرنے والوں میں سے ایک تھے۔ آپ نے سلطان نورالدین زنگی کی مختصر سیرت بھی تالیف کی ہے۔(۵۵)

۳۳۔ابوالفتح بن باقرحی:

ابوالفتح بن باقرحی، عبدالواحد بن حسن، آپ فقہائے نظامیہ بغداد میں سے تھے۔ جمادی الثانی ۵۱۷ھ میں سلطان سنجر کا شاہی فرمان لے کر بغداد آئے اور منصبِ تدریس اور امورِ ادارہ کی ذمہ داری سنبھالی۔شعبان ۵۱۷ھ تک آپ اس عہدے پر رہے۔ پھر آپ کی جگہ اسعد میہنی کا انتخاب عمل میں آ گیا۔ ۵۳۳ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔(۵۶)

۳۴۔ابوالفتح کمال الدین موسیٰ بن یونس:

ابوالفتح موسیٰ بن ابی الفضل یونس بن محمد بن منعۃ بن مالک بن محمد، الملقب کمال الدین، الفقیہ الشافعی، آپ نے موصل میں اپنے والد سے فقہ سیکھی۔ پھر ۵۷۱ھ میں بغداد آئے، مدرسہ نظامیہ میں قیام کیا اور معید نظامیہ بغداد سدید سلماسی سے اشتغال کیا۔ ان دنوں شیخ رضی الدین ابوالخیر احمد بن اسماعیل بن یوسف بن محمد بن عباس قزوینی مدرسہ نظامیہ کے مدرس تھے، ان سے آپ مسائل خلافیہ اور اصول پڑھے اور ابوالبرکات عبدالرحمٰن بن محمد انباری سے ادب کی تحقیق کی، یہاں تک کہ ممتاز اور ماہر ہو گئے۔(۵۷)

آپ نے موصل میں متعدد مدارس میں پڑھایا اور ہر فن میں بہت سے لوگوں نے آپ سے مہارت حاصل کی۔(۵۸)

ابن خلکان کا بیان ہے کہ جب آپ کی فضیلت کا چرچا ہو گیا تو فقہاء آپ پر ٹوٹ پڑے۔آپ تمام علوم میں تبحر تھے۔آپ نے اس قدر علوم کو اکٹھا کیا کہ کسی نے انہیں اکٹھا نہیں کیا تھا، آپ علم ریاضت میں متفرد تھے۔فقہاء کہا کرتے تھے کہ آپ چوبیس فنون کو بہت اچھی طرح جانتے تھے ان میں سے مذہب بھی ہے، آپ اس میں یگانہ روزگار تھے۔آپ فن حکمت، منطق اور طبیعی اور الٰہی طب بھی جانتے تھے اور فنون ریاضت میں سے اقلیدس، ہیئت، مخروطات، متوسطات اور مجسطی (۵۹) کو جانتے تھے۔اور انواع حساب، مفتوح، جبر و مقابلہ، ارتھ میٹک، طریق الخطاین، موسیقی، مساحت کی ایسی واقفیت رکھتے تھے کہ کوئی دوسرا ان میں آپ سے شراکت نہ رکھتا تھا۔(۶۰) آپ شاعر کے اس شعر کا مصداق تھے۔

وکان من العلوم بحیث یقضی

لہ فی کل فن بالجمیع(۶۱)

وہ علوم میں ایسے مقام پر تھا کہ ہر فن میں اسی کے حق میں فیصلہ دیا جاتا تھا کہ وہ پورے فن کو جانتا ہے۔

آپ نے علم الاوفاق میں ایسے طریقوں کا استخراج کیا کہ کسی نے ان کی طرف راہ نہیں پائی۔آپ عربی اور تصریف میں مکمل تحقیق کرتے تھے۔آپ کو تفسیر، حدیث، اسماء الرجال اور اس کے متعلقہ امور میں بہت دسترس حاصل تھی۔تواریخ، ایام العرب، ان کے وقائع، اشعار اور خطبات کا بہت سا حصہ بھی یاد تھا۔

آپ توراۃ اور انجیل کے زبردست شارح تھے، خود اہل ذمہ تسلیم کرتے کہ ان کے پاس ابوالفتح جیسا شارح انجیل وتوراۃ نہیں۔ (۶۲)

آپ کے اشعار عمدہ ہیں، شاہ موصل بدرالدین لولو کی مدح میں آپ کہتے ہیں:

لئن شرفت ارض بمالک رقها

فمملكة الدنيا بكم تتشرف

بقيت بقاء الدهر امرک نافذ

وسعيک مشكور وحكمک منصف(۶۳)

''اگر دنیا کو زینت دی گئی ہے تو تجھے اس سے کیا واسطہ، دنیا کی حکومت تجھ سے شرف حاصل کرتی ہے، تو ہمیشہ زندہ رہے اور تیرا امر نافذ رہے اور تیری کوشش کا تجھے بدلہ ملے اور تیرا فیصلہ منصفانہ ہو۔''

آپ کی ولادت ۵ صفر ۵۵۱ھ کو جمعرات کے روز موصل میں ہوئی اور وہیں آپ نے ۱۴ شعبان ۶۳۹ھ کو وفات پائی۔ (۶۴)

۳۵۔ ابوالفتوح نصر اللہ بن منصور بن سھل الدوینی:

ابوالفتوح نصر اللہ بن منصور بن سھل الدوینی، (۶۵) آپ بغداد آئے اور نظامیہ میں امام غزالی سے علم حاصل کیا۔ آپ صالح اور فقیہ تھے۔ رمضان ۵۴۶ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ (۶۶)

۳۶۔ابوالفضائل قاسم بن یحییٰ بن عبداللہ بن قاسم بن شہرزوری:

ابوالفضائل قاسم بن یحییٰ بن عبداللہ بن قاسم بن شہرزوری، ۵۳۴ھ کوآپ ایک علمی گھرانے میں پیدا ہوئے۔آپ کا گھرانا علم وفضل کے حوالے سے مشہور ہے۔ آپ نے نظامیہ بغداد میں یوسف دمشقی سے فقہ سیکھی۔ابوطاہر سلفی سے سماع حدیث کیا۔آپ بغداد کے قاضی القضاۃ بھی رہے۔

رجب ۵۹۹ھ میں آپ نے وفات پائی۔(۶۷)

۳۷۔ابوالفضل احمد بن یحییٰ بن عبدالباقی:

ابوالفضل احمد بن یحییٰ بن عبدالباقی بن عبدالواحد بن محمد الزہری البغدادی، المعروف بابن شقران، آپ کی ولادت ۴۸۳ھ میں ہوئی۔آپ نے ابوالحسن بن العلاف، ابوالغنائم بن المہتدی باللہ، ابوالقاسم بن بیان الرزاز وغیرہ سے سماع حدیث کیا۔نظامیہ بغداد میں معید کے منصب پر پہنچے۔محرم ۵۶۱ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔(۶۸)

۳۸۔ابوالفضل بن الیاس بن جامع اربلی:

ابوالفضل بن الیاس بن جامع اربلی، آپ نے نظامیہ بغداد میں فقہ سیکھی اور حدیث کا سماع کیا۔ تاریخ وغیرہ کو تصنیف کیا اور حسنِ کتابت شروط میں متفرد ہوگئے۔آپ کو فضیلت اور نظم حاصل ہے۔۶۰۱ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔(۶۹)

۳۹۔ابوالفضل عبداللہ بن احمد طوسی، خطیب موصل:

ابوالفضل عبداللہ بن احمد طوسی، آپ نے نظامیہ بغداد میں فقہ اور اصول کی تعلیم ابوبکر الشاشی سے اور ادب کی معرفت ابوزکریا تبریزی سے حاصل کی۔ایک زمانے تک موصل کے خطیب بھی رہے۔۵۷۸ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔(۷۰)

۴۰۔ابوالفضل محمد بن ابی محمد شہرزوری:

ابوالفضل محمد بن ابی محمد بن عبداللہ بن ابی احمد القاسم الشہرزوری، الملقب بہ کمال الدین، الفقیہ الشافعی، آپ نے بغداد میں اسعد المیہنی سے فقہ سیکھی اور ابوالبرکات محمد بن محمد بن خمیس الموصلی سے حدیث کا سماع کیا۔آپ موصل کے قاضی بنے اور وہاں شافعیہ کے لیے مدرسہ بنایا اور مدینۃ الرسول ﷺ میں خانقاہ بنائی، آپ وہاں سے عمادالدین زنگی اتابک کی طرف سے خط لے کر بغداد آیا کرتے تھے۔

جب عمادالدین زنگی کا بیٹا سیف الدین غازی حاکم بنا، تو اس نے موصل میں تمام امور کو قاضی کمال الدین اور ان کے بھائی کے سپرد کر دیا۔(۷۱)

۵۵۰ھ میں آپ حاکم شام نورالدین محمود کے پاس دمشق چلے گئے۔صفر ۵۵۵ھ میں آپ نے قضاء سنبھالی۔نورالدین محمود کے انتقال کے بعد سلطان صلاح الدین ایوبی دمشق کا مالک بنا تو اس نے آپ کو برقرار رکھا۔آپ فقیہ، ادیب، شاعر، کاتب، دانشمند اور خوش طبع ہمنشین تھے۔آپ بہت صدقہ وخیرات اور نیک کام کرنے والے تھے۔آپ نے موصل، نصیبین، اور دمشق میں بہت اوقاف وقف کیے۔آپ عظیم

سردار، اور تدبیر حکومت کے بڑے ماہر تھے۔(۷۲)

آپ کی ولادت ۴۹۲ھ میں موصل میں ہوئی اور وفات ۶ محرم ۵۷۲ھ کو بروز جمعرات دمشق میں ہوئی۔(۷۳)

۴۱۔ابوالفضل محمد بن عبدالکریم رافعی قزوینی:

محمد بن عبدالکریم بن الفضل ابوالفضل القزوینی الرافعی الشافعی، آپ نے اپنے شہر میں ملکداز بن علی العمرکی سے فقہ سیکھی۔ پھر آپ بغداد آئے اور نظامیہ میں الرزاز سے کسبِ فیض کیا۔۵۸۰ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔(۷۴)

۴۲۔ابوالفضل یحییٰ بن علی بن عبدالعزیز:

ابوالفضل یحییٰ بن علی بن عبدالعزیز، قاضی دمشق، آپ ۴۴۴ھ میں پیدا ہوئے۔آپ نے نظامیہ بغداد میں ابوبکر الشاشی سے فقہ سیکھی اور دمشق میں قاضی علی المروزی سے کسبِ فیض کیا۔۵۲۴ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ (۷۵)

۴۳۔ابوالفضل یونس بن محمد بن منعہ:

ابوالفضل یونس بن محمد بن منعہ بن مالک بن محمد بن سعد بن سعید بن عاصم بن عائذ بن کعب بن قیس،

الملقب بہ رضی الدین الاربلی، شیخ عماد الدین ابو حامد محمد اور شیخ کمال الدین ابوالفتح موسیٰ کے والد۔ آپ کی ولادت اربل میں ہوئی۔ (۷۶)

موصل آ کر آپ نے تاج الاسلام ابوعبداللہ الحسین بن نصر المعروف بابن خمیس الکعبی الجھنی سے فقہ سیکھی اور آپ کو آپ کی بہت سی کتب اور مسموعات کا سماع کرایا۔

پھر آپ بغداد آئے اور وہاں شیخ ابومنصور سعید بن محمد بن عمر المعروف بابن الرزاز مدرس نظامیہ سے فقہ سیکھی اور پھر موصل چلے گئے اور وہاں رہائش اختیار کر لی۔ آپ کو موصل کے متولی امیر زین الدین ابوالحسن علی بن بکتکین والد ملک معظم مظفر الدین حاکم اربل کے ہاں قبول تام حاصل ہوا اور اس نے آپ کو اپنی مسجد جو اسی کے نام سے مشہور ہے کی تدریس کا کام سپرد کر دیا اور اس کی نگرانی بھی آپ کے سپرد کر دی، پس آپ پڑھاتے، فتویٰ دیتے اور مناظرے کرتے تھے اور طلباء آپ کے دونوں بیٹوں کے ساتھ آپ سے علم حاصل کرنے اور مباحثہ سیکھنے کے لیے آپ کا قصد کرتے۔ آپ ہمیشہ فتویٰ، تدریس اور مناظرہ پر قائم رہے حتیٰ کہ ۶ محرم ۵۷۶ھ کو سوموار کے روز موصل میں انتقال کر گئے۔ انتقال کے وقت آپ کی عمر ۶۸ سال تھی۔ (۷۷)

۴۴۔ ابوالفوارس سلمان بن وھب بن مھاجر الضریر:

ابوالفوارس سلمان بن وھب بن مھاجر الضریر، آپ نے نظامیہ بغداد میں کسب علم کیا۔ ۶۱۸ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ (۷۸)

۴۵۔ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن محمد الصائن:

ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن محمد ابن احمد بن حمدان الطیبی، معروف بہ الصائن، آپ نظامیہ بغداد کے طالب علم اوراس کے دہرائی کرنے والوں میں سے ایک ہیں۔آپ نے الثقفیہ میں درس بھی دیا۔آپ مذہب،فرائض اورحساب کے جاننے والے تھے۔آپ نے''التنبیہ'' کی شرح بھی لکھی۔

۶۲۴ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔(۷۹)

۴۶۔ابوالقاسم علی بن ابی المکارم بن فتیان دمشقی:

ابوالقاسم علی بن ابی المکارم بن فتیان دمشقی،آپ مصر کے آئمہ شافعیہ میں سے تھے۔آپ نے نظامیہ بغداد میں یوسف دمشقی سے کسب علم کیا۔۵۷۹ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔(۸۰)

۴۷۔ابوالقاسم علی بن ابی محمد الحسن ابن عساکر:

الحافظ ابوالقاسم علی بن ابی محمد الحسن بن ہبۃ اللہ ابی الحسن بن عبداللہ بن الحسین المعروف بابن عساکر، الدمشقی الملقب ثقۃ الدین، الفقیہ الشافعی،آپ اپنے وقت میں شام کے محدث تھے۔آپ نے حدیث کی جستجو میں حد سے بڑھ کر کوشش کی، یہاں تک کہ آپ نے اس سے وہ کچھ جمع کیا جس کا کسی دوسرے کو اتفاق نہیں ہوا،آپ نے حدیث کی جستجو میں سفر کیے اور شہروں کے چکر لگائے اور مشائخ سے ملے۔۵۲۰ھ میں آپ نے بغداد میں برکی،تنوخی اور جوہری کے اصحاب سے سماع کیا۔آپ کے بھائی صائن الدین ھبۃ اللہ کے بیان

کے مطابق آپ نے بغداد میں اسعد المیہنی اور ابن برہان سے پڑھا اور دمشق واپس چلے گئے۔(۸۱)

پھر خراسان، نیشاپور، ہرات، اصبہان اور الجبال کا سفر کیا اور مفید تصانیف کیں۔آپ نے دمشق کی تاریخ کبیر دوجلدوں میں لکھی جس میں آپ نے عجیب باتیں بیان کی ہیں اور وہ "تاریخ بغداد" کی طرز پر ہے۔(۸۲)

آپ کی ولادت یکم محرم ۴۹۹ھ میں ہوئی اور وفات ۱۱ رجب ۵۷۱ھ سوموار کی رات دمشق میں ہوئی، باب الصغیر کے قبرستان میں اپنے والد اور اپنے اہل کے پاس دفن ہوئے۔شیخ قطب الدین نیشاپوری نے آپ کا جنازہ پڑھایا۔(۸۳)

۴۸۔ابوالقاسم عمر بن محمد بن احمد بن عکرمہ:

ابوالقاسم عمر بن محمد بن احمد بن عکرمہ، المعروف بابن البزری (۸۴) الجزری، الفقیہ الشافعی، جزیرہ ابن عمر کے امام اور اس کے فقیہ اور مفتی تھے۔آپ نے سب سے پہلے جزیرہ میں شیخ ابوالغنائم محمد بن الفرج بن منصور بن ابراہیم بن الحسن السلمی الفارقی نزیل جزیرہ بنی عمر سے فقہ سیکھی، پھر بغداد چلے گئے اور امام غزالی، ان کے بھائی اور الکیا الھراسی سے اشتغال کیا۔امام غزالی اور ان کے بھائی احمد سے سماع کیا۔مولف کتاب "المستظہری" الشاشی کی مصاحبت کی۔(۸۵) علماء کی ایک جماعت سے ملے، ان سے استفادہ کیا اور جزیرہ واپس آگئے اور وہاں پڑھایا۔شہروں سے آپ کے اشتغال کرنے اور آپ کے مذہب کو اپنانے کے لیے آپ کا قصد کیا گیا۔

آپ نے ایک کتاب بھی تصنیف کی، جس میں شیخ ابواسحاق شیرازی کی کتاب ''المہذب'' کے اشکالات اور غریب الفاظ، اور اس کے رجال کے اسماء کی شرح کی اور اس کا نام ''الاسامی والعلل من کتاب المہذب'' رکھا۔

علم دین آپ کا مقام بلند تھا۔ کہتے ہیں کہ دنیا میں جو لوگ باقی رہ گئے تھے، آپ ان میں سے امام شافعی کے مذہب کے سب سے بڑے حافظ تھے۔ مذہب آپ پر حاوی تھا، آپ سے خلقِ کثیر نے فائدہ اٹھایا۔ آپ کی ولادت ۴۷۱ھ میں ہوئی اور وفات ربیع الاول، اور بعض کے قول کے مطابق ربیع الثانی ۵۶۰ھ میں جزیرہ میں ہوئی۔ (۸۶)

۴۹۔ ابوالقاسم محمود بن مبارک، مجیر بغدادی:

ابوالقاسم محمود بن مبارک، مجیر بغدادی، آپ نظامیہ بغداد کے طلباء میں سے ہیں۔ ابوالنجیب سہروردی کے درس کے معید بھی رہے۔ آپ علوم کے جامع تھے۔ (۸۷)

رمضان ۵۹۲ھ میں ابن القصاب کی دعوت پر آپ نے نظامیہ میں درس دینا شروع کیا اور اسی سال ذوالقعدہ میں آپ کا انتقال ہوگیا۔ (۸۸)

۵۰۔ ابوالقاسم نصر بن عقیل بن نصر اربلی:

ابوالقاسم نصر بن عقیل بن نصر اربلی، آپ ۵۳۴ھ میں اربل میں پیدا ہوئے۔ آپ نے اپنے والد

ابوالعباس خضر بن نصر سے فقہ پڑھی۔ پھر آپ بغداد آئے اور مدرس نظامیہ بغداد یوسف دمشقی سے کسب علم کیا۔ تکمیل علم کے بعد آپ اربل لوٹ گئے اور وہاں درس وتدریس میں مشغول ہو گئے۔ ۱۴ ربیع الثانی ۶۱۹ھ کو آپ کی وفات ہوئی۔(۸۹)

۵۱۔ ابوالمظفر بن ابی القاسم عبدالودود بن محمود بن مبارک:

ابوالمظفر بن ابی القاسم عبدالودود بن محمود بن مبارک ابن علی بن مبارک بن حسن، اصلاً واسطی اور پیدائش اور گھرانے کے لحاظ سے بغدادی، آپ نے اپنے والد کمال الدین جو کہ المجید کے نام سے مشہور ہیں، سے فقہ سیکھی اور انہیں علم کلام سنایا۔ آپ نے دیانت وامانت میں شہرت پائی اور بڑے بڑے مناصب حاصل کیے۔ آپ متواضع اور خوش اخلاق تھے۔ ۶۱۸ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

آپ سنایا کرتے تھے:

العلم یاتی کل ذی خفض

ویابی علی کل آبی

کالماء ینزل فی الوھا

دولیس یصعد فی الروابی

''علم ہر جھکنے والے کے پاس آتا ہے، اور ہر اکڑ باز کے پاس سے انکار کرتا ہے۔ اور وہ پانی کی طرح گڑھوں میں اترتا ہے اور ٹیلوں پر نہیں چڑھتا۔'' (۹۰)

۵۲۔ابوالمظفر عبدالصمد بن حسن الکلاهینی الزنجانی:

ابوالمظفر عبدالصمد بن حسن بن عبدالغفار الکلاهینی الزنجانی، آپ نے نظامیہ بغداد میں اسعد میہنی سے فقہ سیکھی۔ ھبۃ اللہ بن محمد بن الحصین، ابوغالب محمد بن ابوالحسن الماوردی وغیرہ سے حدیث کا سماع کیا۔(۹۱) پھر آپ نے شیخ ابوالنجیب سہروردی کی مصاحبت اختیار کر لی اور عبادت و ریاضت، صوم وصلوٰۃ میں مستغرق ہو گئے۔ لوگ آپ سے تبرک حاصل کرنے کے لیے آپ کی طرف رجوع کرنے لگے۔

بروز اتوار ۱۴ ربیع الثانی ۵۸۱ھ کو آپ نے وفات پائی۔(۹۲)

۵۳۔ابوالمظفر محمد بن علوان بن مھاجر موصلی:

محمد بن علوان بن مھاجر بن علی بن مھاجر ابوالمظفر ابن ابی المشرف، الفقیہ الشافعی، ۵۴۲ھ میں آپ موصل میں پیدا ہوئے۔ ۵۶۰ھ میں آپ بغداد آئے اور نظامیہ میں علی بن یوسف دمشقی سے مذہب وخلاف کی تعلیم حاصل کی۔ معید کے منصب پر پہنچے۔ پھر آپ موصل لوٹ گئے اور وہاں کی مسجد میں درس دینے لگے۔ موصل میں آپ نے متعدد مدارس میں پڑھایا۔ آپ کے والد نے آپ کے لیے گھر کے قریب مدرسہ بنوایا۔

آپ اہل ثروت ونعمت وعدالت وریاست تھے۔ بہت زیادہ عبادت کرنے والے اور صاحبِ فضل تھے۔

آپ ایک بار حج کے ارادے کے لیے نکلے تو بغداد آئے اور پھر وہاں سے حج کے لیے تشریف لے گئے۔ ایک سال تک مکہ مکرمہ میں قیام کیا پھر واپس بغداد آئے اور وہیں تاحیات قیام کیا۔ آپ اعلیٰ فضیلت، دینداری اور حسن کارکردگی سے متصف تھے۔ آپ میں مروت بدرجہ کمال تھی اور طالبانِ علم کے متلاشی رہتے

تھے۔آپ کے اشعار ہیں:

کلما قلت للحبیب حبیبی

صل فجسمی من البعاد سقیم

قال مستهجنا فاین اذاً قوم

لک لی انت فی الفواد مقیم

''میں نے اپنے محبوب سے جب بھی یہ کہا کہ ملو، اس لیے کہ میرا جسم دوری کی وجہ سے بیمار ہے تو اس نے میری اس عرض کو ناپسند کرتے ہوئے کہا کہ کہاں ہیں وہ لوگ؟ جن کے بارے میں تم کہتے ہو کہ تم میرے دل میں بستے ہو۔''

۶۱۵ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔(۹۳)

۵۴۔ابوالمظفر محمد بن محمد الدوی:

محمد بن محمد بن محمد ابوالمظفر الدوی، آپ نے محمد بن یحییٰ، تلمیذِ امام غزالی سے فقہ سیکھی اور مناظرہ کیا۔ بغداد میں وعظ بھی کیا۔ رمضان ۵۶۷ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔(۹۴)

۵۵۔ابوالمظفر منصور بن عبداللہ السمعانی:

منصور بن عبداللہ بن عبدالجبار بن احمد بن محمد، ابوالمظفر السمعانی، آپ مرو کے باشندے تھے۔آپ

نے پہلے فقہ حنفی اپنے والد سے سیکھی، پھر امام شافعی کا مذہب اختیار کر لیا اور ابو اسحاق شیرازی اور ابن الصباغ سے علم حاصل کیا۔ (۹۵) آپ کو فنونِ کثیرہ میں کمال حاصل تھا۔ آپ نے تفسیر لکھی اور حدیث کے بارے میں ''کتاب الانتصار'' اور فقہ کے متعلق ''البرہان والقواطع'' اور ''الاصطلام'' وغیرہ تصنیف کیں۔ نیشاپور میں وعظ بھی کیا۔

ربیع الاول ۴۸۹ھ میں آپ کا انتقال ہوا اور مرو کے قبرستان میں دفن ہوئے۔ (۹۶)

۵۶۔ ابوالمکارم البندنیجی عرفہ بن علی بن الحسین معروف بہ ابن بصلا:

ابوالمکارم البندنیجی عرفۃ بن علی بن الحسین بن حمدویہ المعروف بابن بصلا اللبنی، (۹۷) آپ نے حصولِ علم کے لیے نظامیہ بغداد میں قیام کیا اور فقہ سیکھی۔ ابوالفضل الارموی اور عبدالصبور الھروی سے آپ نے سماعِ حدیث کیا۔ شیخ ابوالنجیب سہروردی کی مصاحبت اختیار کی۔ ۶۰۲ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ (۹۸)

۵۷۔ ابوالنجم محمد بن القاسم بن ھبۃ اللہ التکریتی:

ابوالنجم محمد بن القاسم بن ھبۃ اللہ التکریتی، الفقیہ الشافعی، آپ نے مدرس نظامیہ بغداد ابوالقاسم بن فضلان سے فقہ سیکھی۔ پھر نظامیہ بغداد میں دہرائی کی اور ایک مدرسہ میں درس دیا۔ آپ ہر روز بیس درس دیتے تھے۔ آپ کا کام صرف پڑھانا اور دن رات قرآن کریم کی تلاوت کرنا تھا۔

آپ بہت سے علوم کے ماہر تھے۔ مذہب اور خلافیات میں قابل اعتماد تھے۔ قاضی القضاۃ ابوالقاسم

عبداللہ بن الحسین الدمغانی آپ سے ناراض ہوگیا تو آپ کو تکریت کی طرف نکال دیا گیا۔ آپ نے وہیں اقامت اختیار کرلی۔ کچھ عرصے بعد آپ کو بغداد بلالیا گیا۔ قاضی القضاۃ نصر بن عبدالرزاق نے نظامیہ میں دوبارہ آپ کو دہرائی پر مقرر کردیا۔ آپ پھر اشتغال علم اور فتوے میں مصروف ہوگئے۔ ۶۲۴ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ (۹۹)

۵۸۔ ابوالنجیب عبدالرحمٰن بن احمد بن المفرج التکریتی:

ابو النجیب عبدالرحمٰن بن احمد بن المفرج التکریتی، آپ نے نظامیہ بغداد میں تعلیم حاصل کی۔ ۵۷۶ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ (۱۰۰)

۵۹۔ ابوالنعمان بشیر بن حامد الجعفری التبریزی:

ابوالنعمان بشیر بن حامد الجعفری التبریزی، آپ نے نظامیہ بغداد میں تعلیم حاصل کی۔ آپ نے معید کے فرائض بھی انجام دیے۔ ۶۴۶ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ (۱۰۱)

۶۰۔ ابوبکر بن العربی:

ابوبکر بن العربی، المالکی، شارح ترمذی، آپ فقیہ، عالم، زاہد، اور عابد تھے۔ آپ نے فقہ میں اشتغال کے بعد حدیث کا سماع کیا۔ امام غزالی کی صحبت اختیار کی اور آپ سے علم حاصل کیا۔ ۵۴۵ھ میں

آپ کا انتقال ہوا۔(۱۰۲)

۶۱۔ابوبکر محمد بن ابی عثمان موسیٰ بن عثمان بن حازم:

ابوبکر محمد بن ابی عثمان موسیٰ بن عثمان بن حازم، الحازمی (۱۰۳)، الہمذانی، الملقب بہ زین الدین، آپ کی ولادت ۵۴۸ھ یا ۵۴۹ھ میں ہوئی۔آپ نے قرآن کریم کو حفظ کیا اور ہمذان میں ابوالوقت عبدالاول بن عیسیٰ السنجری کے پاس آئے، اور وہاں ابومنصور شہردار بن شیرویہ دیلمی، ابوزرعۃ طاہر بن محمد المقدسی اور ابوالعلاء الحسن بن احمد الحافظ اور کثیر جماعت سے سماع کیا اور شیخ جمال الدین واثق بن فضلان وغیرہ سے بغداد میں فقہ سیکھی، اور بغداد میں ہی عبدالخالق بن احمد بن یوسف کے دو بیٹوں ابوالحسین عبدالحق اور ابونصر عبدالرحیم، اور ابوالفتح عبیداللہ بن عبداللہ شاتیل وغیرہ سے حدیث کا سماع کیا۔(۱۰۴)

حدیث کی تلاش کے لیے عراق کے متعدد شہروں کے علاوہ شام، موصل، بلادِ فارس، اصبہان، ہمذان اور آذربائیجان کے بہت سے شہروں کی طرف سفر کیا اور اس میں کمال حاصل کیا اور اسی سے مشہور ہوئے، اور اس کے متعلق، اور دیگر علوم کے متعلق مفید کتابیں تصنیف کیں۔جن میں سے ''الناسخ والمنسوخ'' حدیث کے متعلق ہے، اور ''الفصیل'' مشتبہ النسبہ کے متعلق ہے، ''العجالۃ'' نسب کے متعلق ہے، ''ما اتفق وافترق مسملۃ'' ان جگہوں اور شہروں کے متعلق ہے جو تحریر میں متشابہ ہیں، ''سلسلۃ الذہب'' اِن روایات کے بارے میں ہے جو امام احمد بن حنبل نے امام شافعی سے روایت کی ہیں اور ''شروط الائمۃ'' وغیرہ مفید کتابیں بھی ہیں۔

آپ نے بغداد کو وطن بنالیا اور مشرقی جانب میں رہائش اختیار کرلی۔ آپ ہمیشہ اشتغال کرتے رہے اور بھلائی کے کاموں سے وابستہ رہے یہاں تک کہ موت نے آپ کی جوانی کی تروتازہ شاخ کو قطع کردیا۔

۲۸ جمادی الاولی ۴۸۴ھ کو سوموار کی رات بغداد میں آپ کا انتقال ہوا۔ آپ کو قبرستانِ شونیزیہ میں، سمنون بن حمزہ کے پہلو میں حضرت جنیدؒ کی قبر کے سامنے دفن کیا گیا۔ (۱۰۵)

۶۲۔ ابوبکر محمد بن احمد بن الحسین المستظہری:

ابوبکر محمد بن احمد بن الحسین بن عمر الشاشی الاصل الفارقی المولد المعروف بالمستظہری، الملقب فخر الاسلام، الفقیہ الشاشی، آپ کی ولادت محرم ۴۲۹ھ میں میافارقین میں ہوئی۔ آپ اپنے وقت کے فقیہ تھے۔ آپ نے سب سے پہلے میافارقین میں ابوعبداللہ محمد بن بیان الکازرونی، ابومحمد الجوینی کے دوست قاضی ابومنصور طوسی سے فقہ سیکھی۔ پھر بغداد کی طرف سفر کیا اور شیخ ابواسحاق شیرازی کے ساتھ رہے۔ فقہ کی کتاب ''الشامل'' کو اس کے مصنف ابونصر ابن صباغ کو سنائی اور شیخ ابواسحاق شیرازی کے ساتھ نیشاپور آئے اور امام الحرمین کے سامنے ایک مسئلہ کے متعلق گفتگو کی، اور اس میں کمال کیا اور بغداد واپس آگئے۔

آپ نظامیہ بغداد کے فارغ التحصیل اور اپنے استاد ابواسحاق شیرازی کے درس کے معید تھے۔

۵۰۴ھ میں الکیا الھراسی کی وفات کے بعد نظامیہ بغداد میں مدرس کے منصب پر فائز ہوئے۔ (۱۰۶)

۱۵ شوال ۵۰۷ھ کو ہفتے کے روز آپ کا انتقال ہوا۔ آپ کو آپ کے شیخ ابواسحاق شیرازی کے ساتھ

باب البرز کے قبرستان میں دفن کیا گیا۔(۱۰۷)

۶۳۔ابوبکر محمد بن القاسم الشہر زوری:

ابوبکر محمد بن القاسم الشہر زوری، معروف بہ قاضی الخافقین (۱۰۸)، آپ نے ابواسحاق شیرازی سے علم حاصل کیا۔عراق، خراسان اور جبال کی طرف سفر کیا اور حدیث کا بہت سماع کیا۔آپ کی ولادت ۴۰۳ھ یا ۴۰۴ھ میں اربل میں ہوئی اور وفات جمادی الثانی ۵۳۸ھ میں بغداد میں ہوئی۔(۱۰۹)

۶۴۔ابوبکر محمد بن الولید بن محمد:

ابوبکر محمد بن الولید بن محمد بن خلف بن سلیمان بن ایوب القرشی الفہری، الاندلسی الطرطوشی (۱۱۰)، الفقیہ المالکی الزاہد، المعروف بابن ابی رندقہ (۱۱۱)، آپ نے سرقسطہ شہر میں ابوالولید الباجی کی مصاحبت کی، اوران سے مسائل الخلاف سیکھے اور سماع کیا۔آپ نے اپنے وطن میں فرائض اور حساب پڑھا اور اشبیلیہ شہر میں ابومحمد ابن حزم سے ادب پڑھا۔

۴۷۶ھ میں آپ نے حج کیا، بغداد اور بصرہ آئے اور ابوبکر محمد بن احمد الشاشی المعروف بالمستظہری، الفقیہ الشافعی، سے اور ابو احمد جرجانی سے فقہ سیکھی، اور مدت تک شام میں سکونت اختیار کی اور وہاں پڑھایا۔(۱۱۲)

آپ امام، عالم، عامل، زاہد، متقی، دیندار، متواضع، متقشف اور دنیا سے کم حصہ لینے والے اوراس

سے تھوڑی سی چیز پر قناعت کرنے والے تھے، اور کہا کرتے تھے:

"اذا عرض لک امر ان امر دنیا وامر اخری

فبادر بامر الاخری یحصل لک امر الدنیا

والاخری"

"جب تجھے دو امور کی پیشکش ہو، ایک امرِ دنیا کی اور امرِ اخریٰ کی، تو تو امرِ اخریٰ کی طرف سبقت کر، تجھے امرِ دنیا اور اخریٰ حاصل ہو جائے گا۔"

آپ کی تصانیف میں "سراج الہدیٰ"، "سراج الملوك"، "برّ الوالدين" اور "الفتن" وغیرہ ہیں۔ (۱۱۳) آپ کی ولادت ۴۵۱ھ میں ہوئی اور وفات ۲۶ جمادی الاولیٰ ۵۲۰ھ میں ہفتے کی رات کی آخری تہائی میں اسکندریہ کی سرحد میں ہوئی۔ آپ کے بیٹے محمد نے آپ کا جنازہ پڑھایا۔ (۱۱۴)

۶۵۔ ابوبکر محمد بن حسین ارموی:

ابوبکر محمد بن حسین ارموی، آپ ابو اسحاق شیرازی کے شاگرد تھے۔ آپ نظامیہ بغداد میں مدرس فقہ کے منصب پر فائز ہوئے۔ ۵۳۶ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ (۱۱۵)

۶۶۔ ابوبکر محمد بن عبداللہ بن محمد العربی المعافری:

ابوبکر محمد بن عبداللہ بن محمد بن عبداللہ بن احمد، المعروف بابن العربی المعافری (۱۱۶) الاندلسی

الاشبیلی، الحافظ المشہور، آپ کثیر العلم حافظ علمائے اندلس کی مہر، اور اس کے آئمہ اور حفاظ کا آخر تھے۔

۴۸۵ھ میں اپنے والد کے ساتھ مشرق کی طرف سفر کیا، شام آئے اور وہاں ابوبکر محمد بن الولید طرطوشی سے ملے اور ان سے فقہ سیکھی۔ بغداد آئے اور وہاں کے اعیان مشائخ کی ایک جماعت سے سماع کیا۔ پھر حجاز آئے، ۴۸۹ھ میں حج کیا اور پھر بغداد واپس آگئے اور وہاں ابوبکر الشاشی اور ابو حامد غزالی وغیرہ علماء اور ادباء کی مصاحبت کی، پھر ان کو چھوڑ کر واپس آگئے۔ مصر اور اسکندریہ میں محدثین کی ایک جماعت سے ملے، ان سے استفادہ کیا اور ان کو افادہ کیا۔ ۴۹۳ھ میں اندلس واپس آگئے اور علم کثیر کے ساتھ اشبیلیہ آئے۔ آپ سے قبل مشرق کی طرف سفر کرنے والا کوئی شخص اس میں داخل نہیں ہوا۔ (۱۱۷)

آپ علوم میں خوش اسلوب، تبحر اور ان کے جامع تھے، سب معارف میں مقدم اور ان کی انواع کے متکلم، اور ان سب میں آگے تھے، ان کی نشر واشاعت کے حریص تھے اور ان میں سے صحیح کے الگ کرنے میں روشن ذہن تھے۔ ان سب باتوں کے ساتھ آپ اچھے میل جول والے، نرم گوشہ، بہت بردبار، کریم النفس، اچھے عہد والے، محبت پر ثابت قدم اور آداب واخلاق کے جامع تھے۔

آپ کو آپ کے شہر کا قاضی بنایا گیا تو اس کے اہل کو آپ کی پختگیء رائے اور شدت اور آپ کے نفوذ احکام سے اللہ نے فائدہ دیا اور ظالموں کے متعلق آپ کو خوفناک دبدبہ حاصل تھا۔ پھر آپ کو قضاء سے ہٹا دیا گیا اور آپ علم کے پھیلانے کی طرف متوجہ ہو گئے۔

آپ کی ولادت ۲۲ شعبان ۴۶۸ھ کو جمعرات کی رات کو ہوئی اور بعض کا قول ہے کہ آپ کی ولادت ۴۶۹ھ میں ہوئی۔ اور آپ کی وفات جمادی الاولیٰ ۵۴۳ھ میں مراکش سے واپسی پر فاس سے

ایک مرحلہ پر ہوئی، آپ کو فاس لایا گیا اور الجیانی کے قبرستان میں دفن کیا گیا۔ (۱۱۸)

۶۷۔ابوبکر محمد بن عشیر الشروانی:

ابوبکر محمد بن عشیر معروف بہ شروانی، آپ بغداد آئے اور حصول علم کے لیے نظامیہ بغداد میں قیام کیا۔ آپ نے الکیا الھر اسی سے فقہ سیکھی اور ھبۃ اللہ بن المبارک بن السقطی و دیگر سے سماع حدیث کیا۔ شوال ۵۳۹ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ (۱۱۹)

۶۸۔ابوجعفر اللارزی محمد بن علی بن محمد:

محمد بن علی بن محمد بن شہفیر وز بن ماھیا اللارزی الطبری ابوجعفر، الفقیہ الشافعی، آپ نے طبرستان میں فقیہ ابوالمحاسن الواحد بن اسماعیل رویانی سے، نیشاپور میں علی بن عبداللہ ابی صادق الحیری اور ابوبکر عبدالغفار بن محمد الشیروی سے، اور مکۃ المکرمہ میں قاضی ء مکہ ابو نصر عبدالملک بن ابی مسلم بن ابی نصر النہاوندی سے سماع کیا۔ پھر آپ بغداد آئے، نظامیہ میں قیام کیا اور اپنے وقت کے شیوخ سے بہت سماع کیا۔

آپ صادق، فاضل، متدین اور احسن طریقے پر تھے۔ آپ نے اپنی کتابیں نظامیہ کو وقف کیں۔ ۵۱۸ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ (۱۲۰)

۶۹۔ابوجعفر بن احمد بن صباغ محمد بن عبدالواحد:

ابوجعفر بن احمد بن صباغ محمد بن عبدالواحد بن محمد بن علی بن عبدالواحد، ۱۰ ذیقعد ۵۰۸ھ ہفتہ کے دن آپ کی ولادت ہوئی۔ آپ نے نظامیہ بغداد میں اسعد میہنی اور ابومنصور الرزاز سے فقہ سیکھی۔ ھبۃ اللہ بن محمد بن الحصین، ابوالسعادات بن المتوکل علی اللہ، قاضی ابوبکر محمد بن عبدالباقی الانصاری، ابومنصور محمد بن عبدالملک ابن خیرون اور ابوالقاسم اسماعیل بن احمد بن عمر السمر قندی سے سماع حدیث کیا۔ (۱۲۱)

یوسف دمشقی کی موت پر آپ نے ان کی نیابت میں نظامیہ میں درس بھی دیا۔ ۱۲ ذی الحجہ ۵۸۵ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ (۱۲۲)

۷۰۔ابوجعفر محمد بن ھبۃ اللہ:

ابوجعفر محمد بن ھبۃ اللہ بن المکرم بن عبداللہ صوفی بغدادی، آپ کی ولادت ۲۷ رمضان ۵۳۸ھ میں ہوئی، بعض نے ۵۳۷ھ بیان کی ہے۔ آپ نے مدرسہ نظامیہ بغداد میں شیخ ابوالوقت عبدالاول بن ابی عبداللہ سے ربیع الاول ۵۵۳ھ میں مدرسہ نظامیہ بغداد میں صحیح بخاری کا سماع کیا۔

محرم ۶۲۱ھ میں جمعرات کی شب بغداد میں آپ کا انتقال ہوا اور دوسرے دن شونیزیہ میں آپ کو دفن کیا گیا۔ (۱۲۳)

۷۱۔ابوحامد محمد بن القاضی کمال الشہر زوری:

ابوحامد محمد بن القاضی کمال الشہر زوری، الملقب محی الدین، آپ بغداد آئے اور شیخ ابومنصور بن الرزاز سے فقہ سیکھی اور ممتاز ہوگئے۔ پھر شام گئے، اور اپنے والد کی نیابت میں دمشق کے قاضی بنے، پھر حلب گئے اور وہاں بھی اپنے والد کی نیابت میں ماہِ رمضان ۵۵۵ھ میں قاضی بنے۔

آپ کے والد کی وفات کے بعد آپ ملک صالح اسماعیل بن نورالدین حاکمِ حلب کے ہاں بہت بلند مرتبہ ہوگئے۔ اس نے شعبان ۵۷۳ھ میں مملکتِ حلب کی تدبیر آپ کے سپرد کردی۔ پھر آپ موصل چلے گئے، وہاں کے قاضی بنے، اور اپنے والد کے مدرسہ نظامیہ میں پڑھانے لگے اور حاکمِ موصل عزالدین مسعود بن قطب الدین مودود بن زنگی کے ہاں صاحبِ مرتبہ ہوگئے۔ حاکمِ موصل کی جانب سے کئی بار اس کے سفیر بن کر بغداد آئے۔ (۱۲۴)

آپ کی ولادت ۵۱۰ھ میں اور بعض کے قول کے مطابق ۵۰۹ھ میں ہوئی۔ آپ کی وفات ۱۴ جمادی الثانی ۵۸۰ھ کو بدھ کی صبح کاذب کے وقت موصل میں ہوئی۔ بعض نے تاریخِ وفات ۱۳ جمادی الثانی بیان کی ہے۔ (۱۲۵)

۷۲۔ابوحامد محمد بن یونس بن محمد بن منعۃ:

ابوحامد محمد بن یونس بن محمد بن منعۃ بن مالک بن محمد، الملقب عمادالدین، الفقیہ الشافعی، آپ اپنے وقت میں مذہب، اصول اور خلاف کے امام تھے۔ آپ کو بڑی شہرت حاصل تھی، دور دراز شہروں سے فقہاء

اشتغال کے لیے آپ کے پاس آتے تھے، خلقِ کثیر نے آپ سے تربیت پائی اور سب مدرس آئمہ بن گئے، جن کی طرف اشارہ کیا جاتا تھا۔

ابتداء آپ نے موصل میں اپنے والد سے اشتغال کیا، پھر بغداد آئے اور مدرسہ نظامیہ میں السدید محمد سلماسی سے فقہ سیکھی، وہ وہاں دہرائی کرتے تھے۔ ان دنوں الشرف یوسف بن مندار دمشقی مدرس تھے۔ وہاں آپ نے ابوعبدالرحمان محمد بن محمد الکشمینی اور ابو حامد محمد بن ابی ربیع غرناطی سے حدیث کا سماع کیا۔ اور پھر موصل واپس آ کر وہاں متعدد مدارس میں پڑھایا۔

آپ نے مذہب کے بارے میں کتابیں لکھیں جن میں سے ''المحیط فی الحمع بین المذهب والوسیط'' ہے۔ آپ نے امام غزالی کی ''الوجیز'' کی شرح بھی کی ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے جدل و عقیدہ کے متعلق کتابیں لکھیں، خلاف کے متعلق آپ کا ایک حاشیہ ہے لیکن آپ نے اسے مکمل نہیں کیا۔ (۱۲۶)

مدرسہ نوریہ، عزیہ، زینیہ، نفشیہ اور علانیہ کی تدریس کے ساتھ ساتھ جامع مجاہدی کی خطابت بھی آپ کے پاس تھی۔ آپ نورالدین ارسلان شاہ حاکمِ موصل کی حکومت میں بہت متقدم ہو گئے، اور اس کی طرف سے سفیر بن کر کئی بار بغداد آئے۔ آپ نے دیوانِ خلافت میں مناظرہ بھی کیا۔

آپ ۴ رمضان المبارک ۵۹۲ھ کو جمعرات کے روز، موصل کے قاضی بنے۔ آپ بہت متقی اور متقشف تھے۔ اپنے ہاتھ دھوئے بغیر کتابت کے لیے قلم کو نہ چھوتے تھے۔

آپ کی ولادت ۵۳۵ھ میں قلعہ اربل میں اس کے ایک چھوٹے سے گھر میں ہوئی۔ اور آپ نے

۱۹ جمادی الثانی ۶۰۸ھ میں جمعرات کے روز موصل میں وفات پائی۔(۱۲۷)

۷۳۔ ابوداود سلیمان بن مظفر بن غانم بن عبدالکریم:

ابو داوٗد سلیمان بن مظفر بن غانم بن عبدالکریم، آپ بغداد آئے اور نظامیہ بغداد میں قیام کیا۔ مذہب کی معرفت حاصل کی۔ کتابیں تصنیف کیں۔ بعض مدارس میں تدریس کے فرائض بھی انجام دیے۔ آپ اچھی سیرت اور احسن طریقے پر تھے۔ ۶۳۱ھ کو آپ کا انتقال ہوا۔(۱۲۸)

۷۴۔ ابوزکریا یحییٰ بن قاسم تکریتی:

ابن الفرج بن ورع بن خضر شافعی، آپ نظامیہ بغداد کے طالب علم تھے۔ ربیع الثانی ۶۰۸ھ میں آپ نظامیہ بغداد میں تدریس کے لیے تکریت سے بغداد آئے۔ آپ نے نظامیہ بغداد میں پڑھایا اور اس کے منتظم بھی رہے۔ آپ بہت سے علوم میں ماہر تھے۔ تفسیر، فقہ، ادب، لغت، نحو وغیرہ۔ ان سب علوم میں آپ کی تصانیف ہیں۔ ۶۱۶ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔(۱۲۹)

۷۵۔ ابوسعد عبداللہ بن ابی السری محمد بن ہبۃ اللہ:

ابوسعد عبداللہ بن ابی السری محمد بن ہبۃ اللہ بن مطہر بن علی بن ابی عصرون ابن ابی السری التمیمی الحدیثی (۱۳۰) ثم موصلی، الفقیہ الشافعی، الملقب شرف الدین، آپ اپنے زمانے کے اعیان فقہاء اور فضلاء

میں سے تھے۔ آپ نے بچپن میں قرآن کریم کو ابوالغنائم السلمی السروجی اور البارع ابوعبداللہ ابن الدباس اور ابوبکر المزرفی وغیرہ سے پڑھا۔ (۱۳۱)

آپ نے پہلے قاضی المرتضی ابومحمد عبداللہ بن القاسم الشہرزوری اور ابوعبداللہ الحسین بن خمیس موصلی سے فقہ سیکھی، پھر بغداد میں المیہنی سے فقہ پڑھی اور ابوالفتح ابن برہان الاصولی سے اصول کا علم حاصل کیا اور خلافیات کو پڑھا۔ پھر آپ واسط شہر کی طرف گئے اور وہاں کے قاضی ابوعلی الفارقی سے علم حاصل کیا۔ ۵۲۳ھ میں موصل میں پڑھایا اور مدت تک سنجار میں قیام کیا۔ پھر ۵۴۵ھ میں حلب چلے گئے، پھر ۵۴۹ھ میں دمشق گئے اور جامع دمشق کے غربی کونے میں پڑھایا اور مساجد کے اوقاف کے منتظم بنے۔ (۱۳۲) کچھ عرصے بعد پھر حلب چلے گئے اور وہاں اقامت اختیار کر لی۔

آپ نے مذہب سے متعلق بہت سے کتابیں تصنیف کیں: جن میں سے ''صفوۃ المذھب من نھایة المطلب'' سات جلدوں میں ہے اور کتاب ''الانتصار'' چار جلدوں میں اور کتاب ''المرشد'' دو جلدوں میں اور کتاب ''الذریعة فی معرفة الشریعة'' بھی ہے۔ آپ نے خلافیات کے بارے میں ''التیسیر'' چار جلدوں میں تصنیف کی اور ایک کتاب کا نام آپ نے ''الارشاد المغرب فی نصرة المذھب'' رکھا لیکن اسے مکمل نہ کر سکے۔

بہت سے لوگوں نے آپ سے اشتغال کیا اور فائدہ اٹھایا۔ آپ شام میں متعین ہوئے اور حاکم شام نورالدین کے ہاں مقدم ہوئے۔ اس نے آپ کے لیے حلب، حماۃ، حمص اور بعلبک وغیرہ میں مدارس قائم کیے۔ آپ سنجار، نصیبین، حران اور دیگر دیار بکر کے قاضی بنے۔ پھر ۵۷۰ھ میں دمشق لوٹ آئے۔

آپ کی ولادت ۲۲ ربیع الاول ۴۹۴ھ کو سوموار کو موصل میں ہوئی اور وفات ۱۱ رمضان المبارک ۵۸۵ھ کو منگل کے روز دمشق میں ہوئی۔ (۱۳۳)

۷۶۔ابوسعد یحییٰ بن علی بن حسن البزار:

ابو سعد یحییٰ بن علی بن حسن البزار المعروف بابن الحلوانی، آپ نے شیخ ابو اسحاق شیرازی سے مذہب، خلاف اور اصول کی تعلیم حاصل کی۔ آپ امام المناظرین تھے۔ آپ نے مذہب پر ایک کتاب بھی لکھی جس کا نام ''التلویح'' ہے۔ آپ نے کچھ عرصہ نظامیہ بغداد میں مدرس کے فرائض انجام دیے۔

عباسی خلیفہ مسترشد باللہ (۵۱۲ھ/۱۱۱۸ء۔۵۲۹ھ/۱۱۳۴ء) کے سفیر کی حیثیت سے آپ ماوراء النھر خاقان کے دربار میں گئے۔ وہیں سمرقند میں ۵۲۰ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ (۱۳۴)

۷۷۔ابوسلیمان داؤد بن ابراہیم الجبلی:

ابوسلیمان داؤد بن ابراہیم ابن مندار الجبلی، آپ مدرسہ نظامیہ بغداد کے طالب علم اور اس کے دہرائی کرنے میں سے ایک تھے۔

آپ کے اشعار ہیں:

ایا جامعا امسک عنانک مقعرا

فان مطایا الدھر تکبو وتقصر

ستقرع سنا اوتعض ندامة

اذا خان الزمان واقصر

ويلقاك رشد بعد غيك واعظ

ولكنه يلقاك والامر مدبر

''اے جمع کرنے والے اپنی لگام کو روک، بلاشبہ زمانے کی سواریاں ٹھوکر کھاتی اور کوتاہی کرتی ہیں، اور جب زمانہ خیانت اور کوتاہی کرے گا تو عنقریب ندامت سے دانت پیسے گا اور تیری گمراہی کے بعد تجھے صحیح نصیحت کرنے والا ملے گا۔ لیکن وہ تجھے اس وقت ملے گا جب معاملہ پیٹھ پھیر چکا ہوگا۔''

۶۱۸ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ (۱۳۵)

۷۸۔ ابوشاکر محمد بن خلف بن سعد الشکریتی:

ابوشاکر محمد بن خلف بن سعد الشکریتی، آپ اپنے وقت کے شیخ تھے۔ آپ نے نظامیہ بغداد میں شیخ ابو اسحاق شیرازی سے فقہ سیکھی۔ پھر لوگوں سے اپنے تعلقات کو منقطع کرکے عبادت و ریاضت میں مستغرق ہوگئے۔ ۶ صفر ۵۲۷ھ کو ۹۵ سال کی عمر میں آپ نے وفات پائی۔ (۱۳۶)

۷۹۔ ابوصالح الحوی الضریر:

ابوصالح الحوی (۱۳۷) الضریر، محدث، آپ کی ولادت حنا میں جمادی الثانی ۴۵۹ھ میں ہوئی۔

آپ اعلیٰ کردار کے مالک تھے۔حصول علم کے لیے آپ نے بغداد کا سفر کیا اور نظامیہ میں قیام کیا۔رجب ۵۴۰ھ میں آپ نے وفات پائی۔(۱۳۸)

۸۰۔ابو طالب عبدالرحمٰن بن الحسین بن عبدالرحمٰن الحلبی:

ابو طالب عبدالرحمٰن بن الحسین بن عبدالرحمٰن الحلبی، المعروف با بن العجمی، آپ کی ولادت ۴۸۰ھ میں حلب میں ہوئی۔حصول علم کے لیے آپ نے بغداد کا سفر کیا اور نظامیہ میں ابوبکر الشاشی اور اسعد میہنی سے فقہ سیکھی۔ایک جماعت سے سماع حدیث کیا۔پھر آپ اپنے شہر لوٹ گئے اور وہاں ایک شافعی مدرسہ کی بنیاد رکھی۔شعبان ۵۶۱ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔(۱۳۹)

۸۱۔ابوطاہر احمد بن محمد سلفی اصبہانی:

حافظ ابو طاہر احمد بن محمد بن احمد بن محمد بن ابراہیم سلفۃ الاصبہانی المقلب صدر الدین (۱۴۰)، آپ بہت حفظ کرنے والے حفاظ میں سے ہیں، آپ نے طلب حدیث کے لیے سفر کیا اور بڑے بڑے مشائخ سے ملاقات کی۔بغداد آئے اور وہاں الکیا الہراسی سے فقہ سیکھی اور خطیب ابوزکریا یحییٰ بن علی تبریزی سے لغت کے بارے میں اشتغال کیا۔ابو محمد جعفر بن السراج وغیرہ آئمہ اماثل سے روایت کی اور کئی علمی اسفار کیے۔

ذوالقعدہ ۵۱۱ھ میں آپ اسکندریہ کے ساحلی علاقے صور میں مقیم ہوئے۔ دور دراز سے لوگوں نے آپ کا قصد کیا اور آپ سے سماع کیا۔حاکم مصر، ظافر عبیدی کے وزیر عادل ابوالحسن علی بن السلاء نے

۵۴۶ھ میں آپ کے لیے مدرسہ تعمیر کیا اور اسے آپ کے سپرد کر دیا۔ (۱۴۱)

آپ ۲۷۴ھ میں اصبہان کے قریب پیدا ہوئے اور ۵ ربیع الثانی ۵۷۶ھ کو جمعہ کی رات اسکندریہ کی سرحد میں فوت ہوئے اور وعلۃ (۱۴۲) میں دفن ہوئے۔ (۱۴۳)

۸۲۔ابوطالب یحییٰ بن علی:

ابوطالب یحییٰ بن علی، الفقیہ الشافعی، آپ نظامیہ بغداد کے طالب علم اور اس کے دہرائی کرنے والوں میں سے ایک تھے۔ ۶۱۹ھ میں آپ کا انتقال ہوا اور الوردیہ میں آپ دفن ہوئے۔ (۱۴۴)

۸۳۔ابوعبداللہ الجیلی الشافعی:

شافع بن عبدالرشید ابن القاسم ابوعبداللہ الجیلی الشافعی، آپ نے امام غزالی اور الکیا الہراسی سے فقہ سیکھی۔ آپ کرخ میں رہائش پذیر تھے، جامع منصور کے برآمدے میں آپ کا حلقہ تھا۔ ابن جوزی کا بیان ہے کہ میں آپ کے حلقہ میں حاضر ہوا کرتا تھا۔ ۵۴۱ھ میں آپ نے وفات پائی۔ (۱۴۵)

۸۴۔ابوعبداللہ الحسین بن نصر بن محمد:

ابوعبداللہ الحسین بن نصر بن محمد بن الحسین بن القاسم بن خمیس بن عامر المعروف بابن خمیس الکعبی الموصلی الجہنی (۱۴۶)، الملقب بہ تاج الاسلام، مجدالدین، الفقیہ الشافعی، آپ نے بغداد میں ابوحامد غزالی

وغیرہ سے فقہ سیکھی اور مالک بن طوق کے رحبہ (۱۴۷) میں قاضی بنے، پھر موصل کی طرف واپس آ گئے اور وہاں رہائش اختیار کر لی۔

آپ نے بہت سی کتب تصنیف کیں، جن میں سے "مناقب الابرار" ہے جو "رسالة القشيريه" کے اسلوب پر ہے، اور "مناسك الحج" اور "اخبار المنامات" ہے۔ آپ نے ربیع الثانی ۵۵۲ھ میں وفات پائی۔ (۱۴۸)

۸۵۔ ابو عبداللہ سلمان بن عبداللہ بن محمد الحلوانی:

ابو عبداللہ سلمان بن عبداللہ بن محمد الحلوانی، آپ بغداد آئے اور ثمانین سے نحو اور ابن الدھان سے لغت کی معرفت حاصل کی۔ قاضی ابوالطیب الطبری سے سماع حدیث کیا۔ پھر آپ عراق چلے گئے اور نحو کی تعلیم دینے لگے۔ وہاں سے اصبہان چلے گئے۔ آپ نے قرآن کریم کی تفسیر بھی لکھی ہے۔

۱۲ صفر ۴۹۳ھ یا ۴۹۴ھ میں آپ نے وفات پائی۔ (۱۴۹)

۸۶۔ ابو عبداللہ محمد ابن عبداللہ السلمی المرسی:

ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ بن محمد بن ابی الفضل السلمی المرسی، آپ کی ولادت ۵۷۰ھ میں مرسیہ میں ہوئی۔ آپ نے کسب علم کے لیے مصر اور حجاز کا سفر کیا۔ حجاج کے ایک قافلے کے ساتھ بغداد میں داخل ہوئے۔ نظامیہ بغداد سے فقہ، خلاف، اصول کی تعلیم حاصل کی اور سماع حدیث کیا۔ کچھ عرصے بعد خراسان

چلے گئے۔ نیشاپور، ھرات اور مرو میں سماع کیا۔ پھر واپس بغداد آ گئے۔ (۱۵۰)

آپ علوم القرآن، فقہ، خلاف اصول، نحو، لغت میں فضلاء کے امام تھے۔ زاہد، متورع، متدین، عابد، کریم النفس، احسن طریقے پر عمل کرنے والے اور اچھے اخلاق کے حامل تھے۔ تفسیر قرآن میں آپ کی کتاب ''ری الظمآن'' اور نحو میں ''الضوابط الکلیۃ'' ہے۔ ۶۵۵ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ (۱۵۱)

۸۷۔ ابوعبداللہ محمد بن احمد الخضری:

ابوعبداللہ محمد بن احمد الخضری (۱۵۲) المروزی، الفقیہ الشافعی، مرو کے امام اور فقہائے شافعیہ کے سرخیل، آپ نے ابوبکر الفارسی کی مصاحبت کی، اور آپ ابوبکر القفال الشاشی کے اعیان تلامذہ میں سے تھے۔ آپ نے فقہ شافعی کی اشاعت کرتے ہوئے مرو میں قیام کیا۔ قوتِ حفظ اور قلتِ نسیان میں آپ کی مثال بیان کی جاتی تھی۔ آپ کو حدیث کی معرفت بھی حاصل تھی اور آپ ثقہ تھے۔

۳۸۰ھ کے عشرے میں آپ نے وفات پائی۔ (۱۵۳)

۸۸۔ ابوعبداللہ محمد بن خلف ھمدانی صوفی:

ابوعبداللہ محمد بن خلف ھمدانی صوفی، آپ نظامیہ بغداد کے طالب تھے۔ ۶۰۵ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ (۱۵۴)

۸۹۔ابو عبداللہ محمد بن عبدالرحمٰن حمامی:

ابو عبداللہ محمد بن عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن بختیار بن علی الھمامی، آپ واسط کے ایک شہر ھمامیہ میں پیدا ہوئے۔ نظامیہ بغداد میں کسب علم کیا۔ آپ مذہب کے حافظ، بہت عبادت کرنے والے اور صحیح فتوی دینے والے تھے۔ ذیقعد ۶۳۴ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔(۱۵۵)

۹۰۔ابو عبداللہ محمد بن عبدالعزیز اربلی:

محمد بن عبدالعزیز ابو عبداللہ اربلی، الفقیہ الشافعی، آپ نے نظامیہ بغداد میں قیام کیا۔ فقہ سیکھی اور معید کے منصب پر پہنچے۔(۱۵٦)

آپ کے اشعار ہیں:

رویدک فالدنیا الدنیة کم دنت

بمکروها من اهلها وصحابها

لقد فاق فی الآفاق کل موفق

افاق بها من سکره و صحابها

فسل جامع الاموال فیها بحرصه

اخلفها من بعده ام سری بها

هی الآل فاحذرها وذرها لاهلها

وما الآل الا لمعة من سرابها

وكم اسد ساد البرايا ببره

ونو نابها خطب اذا ما ونى بها

فاصبح فيها عبرة لاولى النهى

بمخلها قد مزقته ونابها

''ذرا ٹھہر جاؤ! کمینی دنیا اپنی مکروہات کے ساتھ اپنے لوگوں اور دوستوں کے کتنے قریب ہو چکی ہے۔ دنیا میں ہر کامیاب شخص جو کامیابی تک پہنچا ہے وہ اپنی مدہوشی و مستی سے دنیا کے ذریعہ ہی نکلا ہے اور اسی دنیا نے ہی اسے بیدار کیا اور ہوش میں لایا ہے۔ لالچ و حرص سے دنیا میں مال اکٹھے کرنے والے شخص سے دریافت کرو کہ آیا وہ یہ مال و دولت اپنے پیچھے چھوڑ جائے گا؟ یا اسے اپنے ساتھ لے جائے گا؟ دنیا ایک سراب ہے لہٰذا اس سے بچ کے رہو اور اسے دنیا داروں کے لیے ہی رہنے دو۔ اور دنیا کا یہ سراب بھی دراصل سراب کی ایک معمولی چمک ہے۔ کتنے شیر ہیں جنہوں نے جنگلوں میں خوب شکار کیے، اگر انہیں مصائب و حادثات پیش آتے تو وہ شکار کرنے سے عاجز و درماندہ رہ جاتے۔ یہی شیر جنگلوں میں عقلمندوں کے لیے عبرت بن کے رہ گئے اور ان کے پنجوں اور کچلیوں کو دنیا نے ریزہ ریزہ کر ڈالا۔''

۵۸۰ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ (۱۵۷)

۹۱۔ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ تومرت:

ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ تومرت الملقب بالمهدی، مراکش کے مشہور مسلمان مصلح، سوس کے ایک گاؤں اجل بن ورغان میں ولادت ہوئی۔ آپ کا خاندان اپنی دینداری کے لیے ممتاز تھا۔ نیز یہ کہ ابن تومرت کو حصولِ علم کا بڑا شوق تھا، آپ مسجدوں میں جا کر بڑے اہتمام سے اس قدر موم بتیاں جلایا کرتے تھے کہ آپ کا لقب اسفیر (مشعل) مشہور ہو گیا۔ (۱۵۸)

آپ نے طلب علم کے لیے مشرق کا سفر کیا۔ نظامیہ بغداد میں امام غزالی اور ابوالحسن الکیا الھراسی سے فقہ سیکھی۔ (۱۵۹) اس کے بعد حج کیا، تھوڑی مدت مکہ میں قیام کیا اور علم شریعت، حدیث نبوی، اصول فقہ اور دین کا بڑا حصہ حاصل کر لیا۔ آپ عربی اور مغربی زبان میں فصیح اللسان تھے۔ شریعت کے خلاف کام کرنے والوں پر سخت عیب گیری کرتے تھے۔ امر الٰہی کے بارے میں اس کے اظہار کے بغیر راضی نہ ہوتے تھے۔ (۱۶۰)

فن مناظرہ میں آپ کو بڑی مہارت حاصل تھی۔ آپ نے بربری زبان میں متعدد رسالے لکھے۔ آپ کی تصانیف میں ''اعز مایطلب فی اصول الفقه''، ''جامع التعالیق''، ''العقیدة''، ''موطا امام مالك (روایۃ ابن تومرت)'' شامل ہیں۔ (۱۶۱)

آپ کے اشعار ہیں:

فکم انت تنهی ولا تنتهی

وتسمع وعظاً ولا تسمع

فیا حجر الشحذ حتی متی

تسن الحدید ولا تقطع

''تو کتنا روکتا ہے اور خود نہیں رکتا اور تو وعظ سناتا ہے اور خود نہیں سنتا۔ اے تیز کرنے والے پتھر تو کب تک لوہے کو تیز کرتا رہے گا اور خود کو قطع نہیں کرے گا۔''

۵۲۴ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ (۱۶۲)

۹۲۔ ابوعبداللہ محمد بن علی بن احمد النحوی:

ابوعبداللہ محمد بن علی بن احمد النحوی، آپ کی ولادت ۴۶۸ھ میں ہوئی۔ آپ نے نظامیہ بغداد میں ابن الخشاب سے کسب علم کیا۔ نحو اور لغت کی معرفت حاصل کی اور کئی کتب تصنیف کیں۔ ۵۵۰ھ میں آپ نے وفات پائی۔ (۱۶۳)

۹۳۔ ابوعبداللہ محمد بن محمود بن عبداللہ الجوینی:

ابوعبداللہ محمد بن محمود بن عبداللہ الجوینی، آپ نے نظامیہ بغداد میں تعلیم حاصل کی۔ ۶۰۵ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ (۱۶۴)

۹۴۔ابوعلی الحسن بن ابراہیم الفارقی:

ابوعلی الحسن بن ابراہیم بن علی بن مرہون الفارقی، الفقیہ الشافعی، آپ ۴۳۳ھ میں میافارقین میں پیدا ہوئے۔ پہلے ابوعبداللہ محمد بن بیان الکازرونی ''مولف المحاملی'' سے، پھر شیخ ابواسحاق شیرازی اور ابن الصباغ سے فقہ سیکھی اور حدیث کا سماع کیا۔ آپ ''المہذب'' اور ''الشامل'' کو دہرایا کرتے تھے۔ پھر آپ واسط کے قاضی بنے۔ (۱۶۵)

آپ متورع زاہد تھے۔ ''کتاب الفوائد المہذب''، آپ کی تصنیف ہے۔ قاضی ابوسعد عبداللہ بن ابی عصرون نے آپ سے علم حاصل کیا۔ (۱۶۶)

۲۲ محرم ۵۲۸ھ میں بدھ کے روز ۶۷ سال کی عمر میں واسط میں آپ کا انتقال ہوا۔ اور آپ کو آپ کے مدرسہ میں دفن کیا گیا۔ (۱۶۷)

۹۵۔ابوعلی حسن بن محمد بن محمد بن علی بن طوق کاتب:

ابوعلی حسن بن محمد بن محمد بن علی بن طوق کاتب، آپ نظامیہ بغداد کے طالب تھے۔ ۵۹۶ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ (۱۶۸)

۹۶۔ابوعلی یحییٰ بن الربیع ابن سلیمان بن حراز:

ابوعلی یحییٰ بن الربیع ابن سلیمان بن حراز الواسطی البغدادی، آپ نے نظامیہ میں ابن فضلان سے

اشتغال کیا اور اس سے دہرائی کی۔ پھر محمد بن یحییٰ کی طرف سفر کیا اور اس سے خلافیات میں اس کا طریقہ سیکھا۔ ۶۰۶ھ میں آپ نے ۸۰ سال کی عمر میں وفات پائی۔(۱۶۹)

۹۷۔ابوعمران موسی بن حمود بن احمد:

ابوعمران موسی بن حمود بن احمد، القاضی عزالدین الماکسینی، آپ نے سات سال نظامیہ میں تعلیم حاصل کی۔(۱۷۰) ۵۶۰ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔(۱۷۱)

۹۸۔ابومحمد بن ابوبکر الشاشی:

عبداللہ بن محمد ابن احمد بن ابی الحسن، ابومحمد بن ابوبکر الشاشی، آپ نے حدیث کا سماع کیا۔اپنے والد سے فقہ سیکھی، مناظرات کیے اور فتوے دیے۔آپ فاضل اور فصیح واعظ تھے۔آپ نے محرم ۵۲۸ھ میں وفات پائی۔آپ کی عمر تقریباً ۵۰ سال تھی۔آپ کو آپ کے والد کے پہلو میں دفن کیا۔(۱۷۲)

۹۹۔ابومحمد جعفر بن مکی بن علی بن سعید بغدادی:

ابومحمد جعفر بن مکی بن علی بن سعید بغدادی، آپ کی ولادت ۱۰ محرم ۵۷۳ھ میں ہوئی۔فقہ، خلاف، اصول اور ادب کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد موصل کا سفر کیا اور ابوحامد بن یونس سے فقہ سیکھی۔پھر آپ بغداد آئے اور نظامیہ کے طالب علم بن گئے۔بروز پیر ۲ صفر ۶۳۹ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔(۱۷۳)

۱۰۰۔ابو محمد حمد بن حمید بن محمود:

ابو محمد حمد بن حمید بن محمود بن حمید بن ابی الحسن بن ابی الفرج بن مفتاح تمیمی، الفقیہ الشافعی، آپ خطیب اور ادیب تھے۔آپ نے نظامیہ بغداد میں فقہ کی تعلیم حاصل کی، پھر اپنے شہر واپس آ گئے۔آپ نے کتابیں بھی لکھیں۔آپ کے اشعار ہیں:

روت لی احادیث الغرام صابتی

باسنادها عن بانة العلم الفرد

وحدثنی مرا نسیم عن الحمی

عن الدوح عن وادی القضا عن ربا نجد

بان غرامی والاسی قد تلازما

فلن یبرحا حتی او سد می لحدمی

''میری سوزشِ عشق نے احادیثِ عشق کو ان کے اسناد کے ساتھ یگانہ علم سے روایت کیا ہے اور نسیم کے گزرنے نے مجھ سے، رکھ سے، درخت سے، وادی جنڈ سے، ٹیلہ نجد سے حدیث بیان کی۔میرا عشق اور افسوس دونوں لازم ہو گئے ہیں، اور یہ دونوں ہرگز الگ نہیں ہوں گے، حتی کہ مجھے میری لحد میں رکھ دیا جائے۔''

آپ کی ولادت ۵۳۹ھ میں ہوئی اور آپ کی وفات ۶۳۰ھ یا ایک روایت کے مطابق ۶۳۲ھ میں ہوئی۔(۱۷۴)

۱۰۱۔ابومحمد عبداللہ بن ابراہیم بن محمد الخطیب الھمذانی:

ابومحمد عبداللہ بن ابراہیم بن محمد الخطیب الھمذانی، آپ مفتی، حافظ، متدین، متقی اور سلف صالحین کے طریقے پر چلنے والے تھے۔ آپ نے نظامیہ بغداد میں ابوالخیر قزوینی اور ابوطالب کرخی سے فقہ پڑھی۔ سماع حدیث کیا اور کرایا۔ نظامیہ بغداد میں معید کے فرائض انجام دیے۔

آپ کی ولادت ربیع الاول ۵۴۵ھ میں ھمدان میں اور وفات ۱۱ شعبان ۶۲۲ھ میں ہوئی۔(۱۷۵)

۱۰۲۔ابومحمد عبداللہ بن القاسم بن المظفر الشہر زوری:

ابومحمد عبداللہ بن القاسم بن المظفر بن علی بن القاسم الشہر زوری (۱۷۶)، المنعوت بالمرتضی، قاضی کمال الدین کے والد، آپ فضل و دین میں مشہور تھے اور اچھا وعظ کرتے تھے۔ ایک مدت تک آپ نے بغداد میں قیام کرکے حدیث و فقہ میں اشتغال کیا، پھر موصل کی طرف واپس آ گئے، وہاں کے قاضی بنے۔ آپ نے حدیث کو روایت کیا۔ آپ کے عمدہ اشعار بھی ہیں۔ آپ کی ولادت شعبان ۴۶۵ھ میں ہوئی اور وفات ماہِ ربیع الاول ۵۱۱ھ میں موصل میں ہوئی۔(۱۷۷)

۱۰۳۔ابومحمد عبداللہ بن یحییٰ بن محمد بن بہلول اندلسی سرقسطی:

ابومحمد عبداللہ بن یحییٰ بن محمد بن بہلول الاندلسی السرقسطی، آپ اندلس کے شہر سرقسطہ میں

پیدا ہوئے۔آپ بغداد آئے اور نظامیہ بغداد میں فقہ سیکھی۔ پھر خراسان چلے گئے اور مروالروز کو اپنا وطن بنالیا۔آپ فقیہ، فاضل اوراچھے شاعر تھے۔۵۱۰ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔(۱۷۸)

۱۰۴۔ابومنصور احمد بن محمد بن محمد:

ابومنصور احمد بن محمد بن محمد ابن عبدالواحد بن الصباح،آپ نے قاضی ابوالطیب طبری سے حدیث کا سماع کیا۔ پھر ابن عم زاد ابونصر بن الصباح سے فقہ سیکھی۔آپ ربع الکرخ کے قاضی اور غربی جانب کے محتسب رہے۔آپ فاضل فقیہ تھے، بہت نماز پڑھتے تھے،اور ہمیشہ روزہ رکھتے تھے۔(۱۷۹)

۴۹۴ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔(۱۸۰)

۱۰۵۔ابومنصور المظفر بن القاسم بن الشہر زوری:

ابومنصور المظفر بن القاسم بن الشہر زوری، آپ ۴۵۷ھ میں اربل میں پیدا ہوئے ،موصل میں نشوونما پائی اور بغداد میں شیخ ابواسحاق شیرازی سے فقہ پڑھی۔ پھر واپس موصل چلے گئے اور سنجار کے قاضی بنے۔(۱۸۱)

۱۰۶۔ابومنصور سعید بن محمد بن الرزاز:

شیخ ابومنصور سعید بن محمد بن الرزاز، مدرس نظامیہ بغداد، آپ نے نظامیہ بغداد میں ابوحامد غزالی،

ابوبکر شاشی، ابوسعد المتولی اور اسعد میہنی سے کسب علم کیا۔ بروز بدھ ۱۱ ذیقعد ۵۳۹ھ کو آپ نے وفات پائی۔(۱۸۲)

۱۰۷۔ابومنصور محمد بن محمد بن سعد بن عبداللہ البروی:

ابومنصور محمد بن محمد بن سعد بن عبداللہ البروی (۱۸۳)، الفقیہ الشافعی، آپ ان آئمہ میں سے ایک ہیں جن کی طرف فقہ، نظر، علم کلام اور وعظ میں تقدم کا اشارہ کیا جاتا ہے۔ آپ شیریں بیان، فصیح اور علم میں یکتا تھے۔ آپ نے مدرس نظامیہ، فقیہ محمد بن یحییٰ سے فقہ سیکھی۔ آپ ان کے بڑے اصحاب میں شامل تھے۔

آپ ۵۶۷ھ میں بغداد آئے، عام وخاص میں آپ کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ آپ نظامیہ کے قریب مدرسہ بہائیہ کے منتظم بھی تھے۔ آپ وہاں روزانہ متعدد دروس دیتے تھے، اور خلقِ کثیر آپ کے پاس حاضر ہوتی تھی۔ جامع القصر میں آپ کا مناظرہ کا حلقہ بھی تھا، مدرسین اور اعیان آپ کے پاس حاضر ہوتے تھے۔

آپ مدرسہ نظامیہ میں وعظ کے لیے بیٹھا کرتے تھے۔ ان دنوں وہاں کے مدرس ابونصر احمد بن عبداللہ الشاشی تھے۔ آپ نظامیہ بغداد میں تدریس کے متمنی تھے۔ آپ سے اس کا وعدہ بھی کیا گیا، لیکن اس سے پہلے آپ کا انتقال ہوگیا۔

آپ کی ولادت ۱۵ ذوالقعدہ ۵۱۷ھ کو منگل کے روز طوس میں ہوئی اور وفات ۱۶ رمضان ۵۶۷ھ بروز جمعرات ہوئی۔ جامع القصر میں جمعہ کے روز آپ کا جنازہ پڑھا گیا اور اسی دن باب البرز میں شیخ ابو

اسحاق شیرازی کے قبرستان میں آپ کو دفن کیا گیا۔(۱۸۴)

۱۰۸۔ ابو منصور موھوب بن احمد الجوالیقی:

ابو منصور موھوب بن احمد بن محمد بن الخضر موسوم بہ الجوالیقی ۴۶۶ھ / ۱۰۷۳ء میں بغداد میں پیدا ہوئے۔آپ مدرسہ نظامیہ میں اپنے استاد اور علم السنہ کے شعبے کے صدر التبریزی کے دوسرے جانشین تھے۔ فصیحی استر آبادی کے بعد آپ نظامیہ میں مدرس ادب کے عہدے پر فائز ہوئے۔(۱۸۵)

۵۴۰ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔(۱۸۶)

۱۰۹۔ابونزار الحسن بن ابی الحسن صافی بن عبداللہ:

ابونزار الحسن بن ابی الحسن صافی بن عبداللہ بن نزار بن ابی الحسن النحوی المعروف بملک النحاۃ، آپ سبقت کرنے والے فضلاء میں تھے۔آپ نے نحو میں کمال حاصل کیا، حتیٰ کہ آپ اپنے طبقہ کے لوگوں سے سب سے بڑے نحوی بن گئے۔آپ فہیم، فصیح اور ذہین تھے۔مگر آپ میں تکبر اور خود پسندی پائی جاتی تھی۔ آپ نے اپنے آپ کو ملک النحاۃ کا لقب دیا اور جو شخص آپ کو کسی اور نام سے خطاب کرتا، آپ اس پر ناراض ہوتے۔

آپ ۵۲۰ھ کے بعد بغداد سے نکلے اور مدت تک واسط شہر میں ٹھہرے۔وہاں کے باشندوں کی ایک جماعت نے آپ سے بہت ادب سیکھا، اور انہوں نے آپ کے فضل و معرفت پر اتفاق کیا۔بغداد میں

آپ نے حدیث کا سماع کیا اور امام شافعی کے مذہب اور اصول دین کو ابو عبداللہ القیر وانی سے، خلافیات کو اسعد المیہنی، اصول فقہ کو ابو الفتح بن برہان مولف ''الوجیز والوسیط'' سے پڑھا اور نحو کو الفصیحی سے پڑھا۔

پھر آپ نے خراسان، کرمان، غزنی اور شام کی طرف سفر کیا اور دمشق کو اپنا وطن بنالیا۔ اور وہیں ۸شوال ۵۶۸ھ بروز منگل وفات پائی۔ آپ کی عمر ۸۰ سال سے متجاوز تھی۔ آپ کو باب الصغیر کے قبرستان میں دفن کیا گیا۔ (۱۸۷)

۱۱۰۔ ابونصر القاضی البندنجی:

محمد بن ھبۃ اللہ ابونصر القاضی البندنجی، الفقیہ الشافعی، آپ نابینا تھے۔ آپ نے شیخ ابواسحاق شیرازی سے علم سیکھا، پھر چالیس سال مکہ کی ہمسائیگی کی، فتوے دیے اور پڑھایا۔

آپ کے اشعار ہیں.

عدمتک نفسی ماتملی بطالتی

و قد مر اصحابی راهل مودتی

اعاهد ربی ثم انقض عهده

واترک عزمی حین تعرض شهوتی

وزادی قلیل مااراه مبلغی

اللزاد ابکی ام لبعد مسافتی

"اے میری جان! میں تجھے کھودوں تو میری بیکاری سے نہیں اکتاتی، حالانکہ میرے دوست اور محب گزر چکے ہیں۔ میں اپنے رب سے عہد کرتا ہوں، پھر اس عہد کو توڑ دیتا ہوں اور جب میری خواہش سامنے آتی ہے تو میں اپنے عزم کو چھوڑ دیتا ہوں، اور میرا زادتھوڑا ہے اور میں اسے پہنچانے والا نہیں سمجھتا۔ کیا میں زاد کو روؤں یا اپنی مسافت کی دوری کو روؤں؟"

۴۹۵ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔(۱۸۸)

۱۱۱۔ابونصر محمد بن علی بن احمد بن نظام الملک:

ابونصر محمد بن علی بن احمد بن نظام الملک الحسن بن علی بن اسحاق، آپ نے اسعد میہنی سے فقہ کی معرفت حاصل کی۔ ابومنصور بن خیرون، ابوالوقت السجزی، ابوزرعہ طاہر ابن محمد المقدسی سے سماع حدیث کیا۔ ۵۶۱ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔(۱۸۹)

۱۱۲۔احمد بن محمد ابوالعباس الحوزی:

احمد بن محمد ابوالعباس جزیری، آپ نظامیہ بغداد کے طالب علم تھے۔ ۵۵۰ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔(۱۹۰)

۱۱۳۔ احمد بن محمد بن ابی یاسر علی السری الدوری:

ابوالعباس بن عون، احمد بن محمد بن ابی یاسر السری الدوری (۱۹۱)، مدرس نظامیہ بغداد، آپ نظامیہ میں ہی مقیم تھے۔ آپ نے فقہ، خلاف اور اصول کی تعلیم مجیر بغدادی سے حاصل کی۔ آپ فقیہ، فاضل، ادیب شاعر، کاتب، اصولی اور متکلم تھے۔ آپ کے اشعار ہیں:

رضیت ان کان احبابی فدیتهم

بما اقاسیه من نار الغرام رضوا

ان یقتلونی بلا ذنب فقد علموا

ان لیس لی فی حیاة بعدهم غرض

''میں اس بات پر راضی ہوں کہ اگر میں عشق کی جس آگ میں جھلس رہا ہوں، اپنے احباب کی خاطر اپنی جان فدا کر دوں۔ اگر میں میرے دوست مجھے بے گناہ مار ڈالنے پر خوش ہیں تو انہیں یہ ضرور معلوم ہوگا کہ ان کے بعد میرے لیے زندگی میں کوئی مقصد نہیں۔''

۵۹۸ھ میں آپ نے وفات پائی۔ (۱۹۲)

۱۱۴۔ احمد بن محمد بن احمد بن محمد اصفہانی:

احمد بن محمد بن احمد بن محمد اصفہانی، آپ نے نظامیہ بغداد میں ابوالحسن الکیا الھراسی سے فقہ سیکھی اور یحییٰ بن علی تبریزی سے لغت کی معرفت حاصل کی۔ آپ نے سماع حدیث کے لیے حرمین شریفین، کوفہ، بصرہ،

همذان، زنجان، رے، دینور، قزوین، آذربائیجان، شام، مصر اور دیگر شہروں کا سفر کیا۔ ۵۷۶ھ میں آپ نے وفات پائی۔ (۱۹۳)

۱۱۵۔ احمد بن ھبۃ اللہ بن علا بن منصور مخزومی:

ابوالعباس بن صدر، احمد بن ھبۃ اللہ بن علا بن منصور مخزومی، ادیب نحوی، آپ نظامیہ بغداد کے طلباء میں سے تھے۔ آپ نے محمد بن الخشاب سے عربی لغت اور نحو کی معرفت حاصل کی۔ ۱۳رجب ۶۱۱ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ (۱۹۴)

۱۱۶۔ اسماعیل بن ھبۃ اللہ بن سعید بن ھبۃ اللہ الموصلی:

ابن باطیش عماد الدین ابوالمجد، اسماعیل بن ھبۃ اللہ بن سعید بن ھبۃ اللہ الموصلی، آپ کی ولادت ۵۷۵ھ میں ہوئی۔ آپ نے نظامیہ بغداد میں علامہ ابن جوزی اور ابو احمد بن سکینہ سے سماع کیا۔ آپ محدث، فقیہ، اور لغوی تھے۔ مدرسہ نوریہ، حلب میں آپ نے مدرس اور مفتی کے فرائض انجام دیے۔

آپ کی تصانیف میں 'طبقات الشافعیۃ'، ''مشبه النسبة'' وغیرہ شامل ہیں۔ جمادی الثانی ۶۵۵ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ (۱۹۵)

۱۱۷۔العماد الاصفہانی الکاتب، ابوعبداللہ محمد بن صفی الدین:

ابوعبداللہ محمد بن صفی الدین ابی الفرج محمد بن نفیس الدین ابی الرجا حامد بن محمد بن عبداللہ بن علی بن محمود بن ھبۃ اللہ جو ابن اخی العزیز کے نام سے معروف ہے، اور عقاب کے نام سے مشہور ہے اور اسکا لقب عماد الدین، الکاتب الاصفہانی ہے۔ (۱۹۶)

آپ شافعی فقیہ تھے۔ اصفہان میں پرورش پائی اور نوعمری میں بغداد آ گئے۔ ایک زمانے تک مدرسہ نظامیہ بغداد شیخ ابومنصور سعید بن محمد بن الرزاز سے فقہ پڑھی، اور وہیں ابوالحسن علی بن ھبۃ اللہ بن عبدالسلام اور ابومنصور محمد بن عبدالملک بن جیرون اور ابوالمکارم المبارک بن علی سمرقندی اور ابوبکر احمد بن علی بن الاشقر وغیرہ سے حدیث کا سماع کیا اور خلاف اور فنون ادب میں پختگی حاصل کی۔ (۱۹۷)

تکمیل علوم کے بعد آپ شام چلے گئے اور ملک نور الدین محمود بن اتابک زنگی کے پاس بڑا مرتبہ حاصل کرلیا اور اس کے کاتب بن گئے۔ نور الدین محمود نے آپ کو المستنجد باللہ کے زمانے میں دار السلام بغداد کی طرف سفیر بنا کر بھیجا۔ واپس آنے پر مدرسہ جو دمشق میں عماد کے نام سے مشہور ہے، اس کی تدریس کے فرائض سونپ دیے۔ (۱۹۸) پھر آپ حکومتِ صلاحیہ میں کاتب بن گئے۔ (۱۹۹)

آپ کی بے اعراب تصانیف میں سے "جریدۃ النصر فی شعراء العصر"، "الفتح القدسی" اور "البرق الشامی" ہیں۔ دیگر مسجع اور متنوع عبارات اور طویل قصائد والی تصانیف ہیں۔ (۲۰۰)

آپ کی ولادت ۲ جمادی الثانی بروز سوموار اور بعض کے بیان کے مطابق شعبان ۵۱۹ھ میں

اصبہان میں ہوئی اور وفات یکم رمضان المبارک ۵۹۷ھ کو بروز سوموار دمشق میں ہوئی۔ آپ کو باب النصر کے باہر صوفیہ کے قبرستان میں دفن کیا گیا۔ (۲۰۱)

۱۱۸۔ المظفر بن ابی احمد الرارانی:

المظفر بن ابی احمد الرارانی، آپ نے نظامیہ بغداد میں تعلیم حاصل کی۔ آپ نے معید کے فرائض بھی انجام دیے۔ ۶۲۱ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ (۲۰۲)

۱۱۹۔ بہاء الدین ابوطالب سعد بن یزدی:

بہاء الدین ابوطالب سعد بن یزدی، آپ نظامیہ بغداد کے طالب علم تھے۔ ۶۳۷ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ (۲۰۳)

۱۲۰۔ جمال الدین ابوالقاسم یحییٰ بن علی بن فضلان:

شیخ جمال الدین ابوالقاسم یحییٰ بن علی بن الفضل بن برکت بن فضلان، بغداد کے شافعیہ کے شیخ، سب سے پہلے آپ نے نظامیہ کے مدرس سعید بن محمد الزار سے فقہ سیکھی، پھر خراسان چلے گئے اور غزالی کے شاگرد شیخ محمد الزبیدی سے علم حاصل کیا اور بغداد واپس آ گئے۔ ۵۹۵ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ (۲۰۴)

۱۲۱۔سعدی شیرازی:

نام شرف الدین، مصلح لقب، تخلص سعدی، تقریباً ۵۸۰ھ میں شیراز میں آپ کی ولادت ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اپنے شہر شیراز میں ہی حاصل کی۔بچپن میں ہی اپنے والد کی شفقت سے محروم ہوگئے تھے۔ اتا بکِ فارس سعد بن زنگی نے آپ کو اپنی تربیت میں لے لیا۔اظہارِ احسان مندی کے طور پر آپ نے اس کے نام کی نسبت سے اپنا تخلص سعدی رکھا۔(۲۰۵)

حصول تعلیم کے لیے بغداد کا سفر کیا اور نظامیہ میں مقیم ہوگئے۔وہاں آپ کے لیے وظیفہ بھی مقرر ہوگیا۔جس کے بارے میں آپ کہتے ہیں:

مرا در نظامیہ ادرار بود

شب و روز تلقین و تکرار بود

''میں نظامیہ میں ایک وظیفہ خوار طالب علم کی حیثیت رکھتا تھا۔جو کچھ استادانِ مدرسہ تعلیم و تلقین دن کے وقت مدرسہ میں کرتے، میں رات کے وقت از بر کرتا۔''

بغداد میں ابوالفرج ابن جوزی اور شہاب الدین سہروردی کے درس میں تحصیل علوم کی۔۶۵۵ھ میں شہرہ آفاق کتاب ''بوستان'' لکھی،اس کے ایک سال بعد ''گلستان''۔۶۹۱ھ میں شیراز میں آپ نے وفات پائی۔(۲۰۶)

۱۲۲۔سعید بن محمد بن عمر:

سعید بن محمد بن عمر ابومنصور البزار، آپ نے حدیث کا سماع کیا۔امام غزالی اور الکیا الہراسی سے فقہ سیکھی اور نظامیہ میں تدریس کے فرائض بھی سرانجام دیے۔ ۵۳۹ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔شیخ ابواسحاق شیرازی کے پاس دفن کیا گیا۔(۲۰۷)

۱۲۳۔شرف شاہ ابن ملک داد:

شرف شاہ ابن ملک داد، آپ نے نظامیہ بغداد میں کسب علم کیا۔پھر آپ نے محمد بن یحییٰ کی طرف نیشاپور کا سفر کیا۔وہیں قیام کیا، درس دیا، فتوے دیے۔ ۵۴۶ھ میں نیشاپور میں ہی آپ کا انتقال ہوا۔(۲۰۸)

۱۲۴۔ظہیر الدین عبدالسلام فارسی:

شیخ ظہیر الدین عبدالسلام فارسی، حلب کے شیخ الشافعیہ، آپ نے امام غزالی کے شاگرد محمد بن یحییٰ سے فقہ سیکھی اور رازی کے شاگرد بنے۔مصر کی طرف کوچ کیا۔آپ کو امام شافعی کی قبر پر درس دینے کی پیشکش کی گئی، جسے آپ نے قبول نہیں کیا۔پھر آپ نے واپس حلب آکر وہیں اقامت اختیار کرلی۔

۵۹۶ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔(۲۰۹)

۱۲۵۔عبدالباقی بن یوسف ابن علی بن صالح:

عبدالباقی بن یوسف ابن علی بن صالح، ابوتراب البراغی، آپ ۴۰۱ھ میں پیدا ہوئے ۔ قاضی ابوالطیب الطبری سے فقہ پڑھی۔ ابوعلی بن شاذان اور ابوالقاسم بن بشران، احمد بن حسین الحاملی ودیگر سے سماع حدیث کیا۔ پھر نیشاپور میں قیام پذیر ہوگئے ۔(۲۱۰)

آپ کے پاس ہمدان کی قضا کا حکم آیا تو آپ نے فرمایا کہ:

" انا ستنظر منشوراً من الله عزوجل ، علی یدی ملک الموت بالقدوم علیه، والله لجلوس ساعة فی هذه المسلة علی راحة القلب احب الی من ملک العراقین، وتعلیم مسالة الطالب احب الی مما علی الارض من شئی، والله لا افلح قلب یعلق بالدنیا واهلها. "

"میں اللہ تعالیٰ کے فرمان کا منتظر ہوں جو ملک الموت کے ہاتھوں آئے گا، اور قسم بخدا اس ستونِ راحت پر دل کے ساتھ ایک ساعت بیٹھنا مجھے عراقین کی حکومت سے زیادہ محبوب ہے۔ اور کسی طالبِ علم کو کسی مسئلہ کی تعلیم دینا مجھے زمین کی سب چیزوں سے زیادہ محبوب ہے۔ خدا کی قسم دنیا اور اہلِ دنیا سے تعلق رکھنے والا دل کامیاب نہیں ہوگا۔"

آپ نے ذوالقعدہ ۴۹۲ھ میں ۹۳ سال کی عمر میں وفات پائی ۔(۲۱۱)

۱۲۶۔عبدالرحمٰن بن حسین بن محمد بن طبری:

عبدالرحمٰن بن حسین بن محمد بن طبری، آپ ابو عبداللہ طبری، مدرس نظامیہ بغداد کے بیٹے اور ابو اسحاق شیرازی کے شاگرد تھے۔ جمادی الثانی ۵۰۶ھ میں ابو بکر الشاشی کی معزولی کے بعد نظامیہ بغداد کے مدرس بنے۔(۲۳۰) ۵۳۰ھ یا بعض روایات کے مطابق ۵۳۱ھ میں آپ نے وفات پائی۔(۲۱۲)

۱۲۷۔عبدالسلام بن الفضل:

عبدالسلام بن الفضل، ابوالقاسم الجیلی، آپ نے حدیث کا سماع کیا اور الکیا الھراسی سے فقہ سیکھی اور اصول وفروع میں یکتا ہو گئے۔ آپ بصرہ کے قاضی بنے، آپ بہترین قضاۃ میں سے تھے۔

۵۳۴ھ میں آپ نے وفات پائی۔(۲۱۳)

۱۲۸۔عبدالسلام بن بقش:

عبدالسلام بن بقش، آپ نظامیہ بغداد کے طالب علم تھے۔ ۶۵۰ھ میں آپ نے وفات پائی۔(۲۱۴)

۱۲۹۔عبدالسلام بن علی بن منصور دمیاطی:

عبدالسلام بن علی بن منصور دمیاطی، المعروف بابن الخراط، آپ نے نظامیہ بغداد میں علی ابن الربیع

الواسطی سے کسب علم کیا۔ فقہ اور خلاف کی معرف حاصل کی، اور حدیث کا سماع کیا۔ پھر اپنے شہر دمیاط لوٹ گئے اور وہاں ایک عرصے تک مدرس اور قاضی کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے رہے۔ آپ نے مصر میں بھی قاضی کے فرائض انجام دیے۔

آپ کی پیدائش ۵۷۱ھ میں دمیاط میں ہوئی اور وفات ۶۱۹ھ میں ہوئی۔ (۲۱۵)

۱۳۰۔ عبدالغافر سروستانی معروف بہ رکن:

عبدالغافر سروستانی معروف بہ رکن، آپ نے نظامیہ بغداد میں تعلیم حاصل کی۔ آپ فاضل، ادیب اور شاعر تھے۔ (۲۱۶)

۱۳۱۔ عبدالقاہر بن محمد ابن عبداللہ:

عبدالقاہر بن محمد ابن عبداللہ، ابوالنجیب السہروردی، آپ بیان کرتے تھے کہ آپ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی اولاد میں سے ہیں۔ آپ نے حدیث کا سماع کیا اور فقہ سیکھی۔ آپ مدرسہ نظامیہ بغداد میں مدرس تھے۔ آپ صوفی بھی تھے، لوگوں کو وعظ کیا کرتے تھے۔ آپ نے اپنے لیے ایک مدرسہ اور خانقاہ بنائی۔

۵۶۳ھ میں آپ کا انتقال ہوا اور آپ کو اپنے مدرسہ میں دفن کیا گیا۔ (۲۱۷)

۱۳۲۔عبداللہ بن نصر بن عبدالعزیز الضریر المرندی:

عبداللہ بن نصر بن عبدالعزیز الضریر المرندی، آپ ۴۸۲ھ میں مرند (۲۱۸) میں پیدا ہوئے۔ حصولِ علم کے لیے مختلف شہروں کا سفر کیا۔ نظامیہ بغداد میں ایک مدت تک قیام کیا اور اسعد میہنی سے فقہ پڑھی۔ آپ فاضل، ادیب، اور اچھے شعر کہنے والے تھے۔ ۵۴۱ھ میں مروالروز میں آپ نے وفات پائی۔ (۲۱۹)

۱۳۳۔علاءالدین محمد بن احمد سلماسی:

علاءالدین محمد بن احمد السلماسی، آپ نظامیہ بغداد کے طالب علم تھے۔ ۶۳۸ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ (۲۲۰)

۱۳۴۔علم الدین حسین بن ھبۃ اللہ بغدادی نحوی:

علم الدین حسین بن ھبۃ اللہ بغدادی نحوی، آپ نے نظامیہ بغداد میں تعلیم حاصل کی۔ ۵۹۳ھ میں آپ نے وفات پائی۔ (۲۲۱)

۱۳۵۔علم الدین شاتانی المعروف ''بقاع'':

علم الدین شاتانی المعروف ''بقاع''، آپ نظامیہ بغداد کے طالب علم تھے۔ ۵۹۹ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ (۲۲۲)

۱۳۶۔علی بن احمد الیزدی:

علی بن احمد ابن الحسین بن احمد، ابوالحسن الیزدی، آپ نے ابو بکر الشاشی سے فقہ سیکھی۔ حدیث کا سماع کیا اور کروایا۔ ۵۴۰ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ (۲۲۳)

۱۳۷۔علی بن منصور بن عبداللہ الخطیب اجل لغوی:

علی بن منصور بن عبداللہ الخطیب المعروف بالاجل لغوی ابوعلی اصبہانی، آپ عالم، فاضل، فقیہ اور لغوی تھے۔ آپ نے نظامیہ بغداد میں قیام کیا اور عبدالرحیم ابن القصار اور ابوالبرکات انباری سے کسب علم کیا۔ آپ کے زمانے میں علم لغت میں کوئی آپ کے مثل نہ تھا۔

آپ کے اشعار ہیں:

لمن غزال باعلی رامة سمحا

فماود القلب سکر کان منه صحا

مقسم بین اضداد فطرته

جنح و غرته فی الجنیح ضوء ضحٰی

''اس ہرن کی چال والے محبوب نے دل کو مدہوشی اور مستی کا پھر عادی بنا دیا ہے۔ حالانکہ دل اس مدہوشی سے ہوش میں آچکا تھا۔ میرا محبوب اپنی فطرت کی اضداد میں منقسم ہے۔ جب وہ عاشق کی جانب مائل ہوتا ہے تو اس جھکاؤ میں چاشت کے وقت کی سی چمک دمک ہوتی ہے۔''

۵۴۷ھ میں آپ کی ولادت ہوئی اور ۶۲۲ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔(۲۲۴)

۱۳۸۔علی بن حبۃ اللہ بن محمد بن علی بن النجاری:

ابوالحسن بن ابی البرکات، قاضی القضاۃ، آپ کی ولادت ۴۹۷ھ میں ہوئی۔آپ نے نظامیہ بغداد میں اسعد میہنی اور ابومنصور الرزاز سے فقہ سیکھی۔ابوالقاسم بن بیان، ابوعلی بن نبہان اور ایک جماعت سے سماع حدیث کیا۔پھر آپ روم چلے گئے اور قونیہ کے قاضی کے منصب پر فائز ہوئے۔۵۶۵ھ میں قونیہ میں ہی آپ کی وفات ہوئی۔(۲۲۵)

۱۳۹۔عمادالدین ابوالحسن غرافی:

عمادالدین ابوالحسن الغرافی، القاضی، آپ نظامیہ بغداد کے طالب علم تھے۔۶۵۰ھ میں آپ نے وفات پائی۔(۲۲۶)

۱۴۰۔غنیمہ بن مفضل الخطیبی السجاسی:

علاءالدین ابوالغنائم غنیمہ بن مفضل الخطیبی السجاسی، آپ نظامیہ بغداد کے طالب علم تھے۔۵۹۴ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔(۲۲۷)

۱۴۱۔کمال الدین محمد بن عبداللہ الشہر زوری:

کمال الدین محمد بن عبداللہ الشہر زوری، آپ نے نظامیہ بغداد میں اسعد میہنی سے فقہ پڑھی۔ حدیث کا سماع کیا اور کرایا۔ آپ فاضل، فقیہ، ادیب، شاعر، متکلم، فصیح اللسان اور بہت صدقہ کرنے والے تھے۔ آپ کی ولادت ۴۹۲ھ میں موصل میں ہوئی اور وفات بروز جمعرات ۶ محرم ۵۷۲ھ کو دمشق میں ہوئی۔(۲۲۸)

۱۴۲۔کمال الدین محمد بن محمد بن سرایا البلدی:

کمال الدین محمد بن محمد بن سرایا البلدی، آپ نظامیہ بغداد کے طالب علم تھے۔ ۶۱۱ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔(۲۲۹)

۱۴۳۔محمد بن ابی الفرج بن برکۃ:

محمد بن ابی الفرج بن برکۃ، شیخ فخر الدین ابوالمعالی الموصلی، آپ نے نظامیہ بغداد میں تعلیم حاصل کی اور دہرائی کی۔ آپ کو قرات کی معرفت حاصل تھی۔ آپ نے مخارج الحروف کے بارے میں ایک کتاب بھی تصنیف کی ہے۔ ۶۲۱ھ میں آپ نے وفات پائی۔(۲۳۰)

۱۴۴۔محمد بن احمد ابن عبدالباقی:

محمد بن احمد ابن عبدالباقی بن الحسن بن محمد بن طوق، ابوالفضائل الربعی الموصلی، آپ نے شیخ ابو اسحاق شیرازی سے فقہ سیکھی اور قاضی ابوالطیب طبری سے سماع کیا۔ آپ ثقہ اور صالح تھے۔ آپ نے بہت کچھ لکھا ہے۔ ۴۹۴ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ (۲۳۱)

۱۴۵۔محمد بن المبارک ابن محمد بن الخل:

محمد بن المبارک ابن محمد بن الخل ابوالحسن بن ابی البقاء، آپ کی ولادت ۴۷۵ھ میں ہوئی۔ (۲۳۲) آپ نے حدیث کا سماع کیا۔ نظامیہ بغداد میں ابوبکر الشاشی سے فقہ سیکھی۔ پڑھایا اور فتوے دیے۔ (۲۳۳)

آپ نے ''التنبیہ'' کی شرح ''توجیہ التنبیہ' کے نام سے لکھی۔ اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ پہلی شرح ہے۔ آپ آئمہ شافعیہ بغداد میں سے تھے۔ مسجد میں رہتے تھے اور بلاضرورت باہر نہ نکلتے تھے۔ (۲۳۴) محرم ۵۵۲ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ (۲۳۵)

۱۴۶۔محمد بن ذاکر بن کامل بن ابی غالب خفاف:

محمد بن ذاکر بن کامل بن ابی غالب خفاف، آپ نے نظامیہ بغداد میں فقہ سیکھی اور مختلف روایات سے قرآن پڑھا۔ پھر آپ سماع حدیث اور ادب میں مشغول ہوگئے۔ ۵۹۵ھ میں آپ کا انتقال

ہوا۔(۲۳۶)

۱۴۷۔محمد بن عبدالملک بن خلف السلمی:

محمد بن عبدالملک بن خلف السلمی، آپ نے نظامیہ بغداد میں ابوبکر قفال شاشی اور ابومنصور بغدادی سے کسب علم کیا۔آپ کی تصانیف میں ''صلوۃ العارفین و انس المشتاقین''،''طبقات الصوفیة و تراجمھم''،''المعین''،''الکفایة فی الفقه''،''شرح المفتاح لابن القصاص''شامل ہیں۔

۴۷۰ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔(۲۳۷)

۱۴۸۔محمد بن علی البغدادی.

قمرالدین الحاسب، محمد بن علی المعروف بالکحل البغدادی، آپ نظامیہ بغداد کے طالب علم تھے۔

۶۴۳ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔(۲۳۸)

۱۴۹۔محمد بن علی بن الحسن بن ابی الصقر:

محمد بن علی بن الحسن بن ابی الصقر ابوالحسن واسطی، مدرس نظامیہ بغداد، آپ نے حدیث کا سماع کیا، نظامیہ بغداد میں شیخ ابواسحاق شیرازی سے فقہ سیکھی اور ادب پڑھا۔ ۴۹۸ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔(۲۳۹)

۱۵۰۔محمد بن ناصر بن محمد بن علی بن عمر السلامی البغدادی:

ابوالفضل محمد بن ناصر بن محمد بن علی بن عمر السلامی البغدادی، محدث عراق، ۴۶۷ھ میں آپ کی ولادت ہوئی۔آپ نے علی بن البسری اور ابوطاہر ابن ابی الصقر سے سماع حدیث کیا۔نظامیہ بغداد میں ابوزکریا یحییٰ بن علی تبریزی سے ادب اور لغت کی تعلیم حاصل کی۔۵۵۰ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔(۲۴۰)

۱۵۱۔محیی الدین عبدالقادر الربعی:

محیی الدین عبدالقادر الربعی، آپ نظامیہ بغداد کے طالبِ علم تھے۔آپ نے معید کے فرائض بھی انجام دیے۔۶۷۶ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔(۲۴۱)

۱۵۲۔مسعود بن قیس شیبانی:

مسعود بن قیس شیبانی، آپ نظامیہ بغداد کے طالب علم تھے۔ ۶۸۵ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔(۲۴۲)

۱۵۳۔مصدق بن شبیب بن الحسین النحوی الصلحی:

ابوالخیر مصدق بن شبیب بن الحسین النحوی الصلحی، آپ کی ولادت ۵۳۵ھ میں ہوئی۔آپ نے نظامیہ بغداد میں علی ابن الخشاب سے کسب علم کیا۔ربیع الاول ۶۰۵ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔(۲۴۳)

۱۵۴۔ نجم الدین احمد بن محسن الانصاری البعلبکی:

ابن مکی، نجم الدین احمد بن محسن الانصاری البعلبکی، آپ نظامیہ بغداد کے طالب علم تھے۔ ۶۶۹ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ (۲۴۴)

۱۵۵۔ نورالدین عبدالرحمٰن بن عمر الطیاری:

نورالدین عبدالرحمٰن بن عمر الطیاری، آپ نظامیہ بغداد کے طالب علم تھے۔ ۸۲۳ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ (۲۴۵)

۱۵۶۔ یعقوب خطاط:

یعقوب خطاط، آپ نے نظامیہ بغداد میں تعلیم حاصل کی۔ ۷۵۴ھ میں نظامیہ میں وفات پائی۔ (۲۴۶)

۱۵۷۔ یوسف بن ایوب ہمذانی:

یوسف بن ایوب ابن الحسن بن زہرہ، ابوایوب ہمذانی، آپ نے شیخ ابواسحاق شیرازی سے فقہ سیکھی۔ فقہ اور مناظرہ میں آپ نے مہارت حاصل کی۔ پھر اسے چھوڑ کر عبادت میں مشغول ہو گئے، صالحین کی صحبت اختیار کر لی اور پہاڑوں میں قیام کیا۔ کچھ عرصے بعد آپ بغداد واپس آ گئے۔ ربیع الاول ۵۳۵ھ

میں ہرات کی ایک بستی میں آپ نے وفات پائی ۔ (۲۴۷)

۱۵۸۔ یوسف بن عبداللہ دمشقی:

یوسف بن عبداللہ، ابن بندار دمشقی، مدرس مدرسہ نظامیہ بغداد، آپ نے نظامیہ بغداد میں اسعد میہنی سے فقہ سیکھی ۔ اور مناظرہ میں مہارت حاصل کی ۔ شافعیہ عراق کی ریاست آپ تک پہنچی ۔ آپ نظامیہ بغداد کے متولی بنے، آپ نے حدیث کا سماع کیا اور کرایا، مجلس وعظ منعقد کی ۔

عباسی خلیفہ مستنجد باللہ (۵۵۵ھ / ۱۱۶۰ء ۔ ۵۶۶ھ / ۱۱۷۰ء) نے ۵۶۳ھ میں آپ کو قہستان کا سفیر بنا کر بھیجا، راستے میں ہی آپ کا انتقال ہو گیا ۔ (۲۴۸)

حواشی وحوالہ جات (باب پنجم)

۱۔ القرآن، سورہ فاطر، آیت ۳۵

۲۔ ذہبی، شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن احمد بن عثمان، ''تذکرۃ الحفاظ، تحارب السلف''، حیدرآباد، انڈیا، ۱۳۳۳۔۱۳۳۴ھ، ص ۲۷۰

۳۔ ابو العباس شمس الدین احمد بن محمد بن ابی بکر بن خلکان، ''وفیات الاعیان و انباء ابناء الزمان''، تحقیق: ڈاکٹر احسان عباس، منشورات الرضی قم، ۱۳۶۴ء، ج ۷، ص ۸۴۔۸۷

۴۔ Gibbon, Decline and Fall of Roman Empire, London, 1900, p.206

۵۔ عبدالرزاق کانپوری، ''نظام الملک طوسی''، نفیس اکیڈمی، کراچی، طبع دوم، ص ۱۹۶۰ء، ص ۵۲۴

۶۔ ایضاً

۷۔ نوراللہ کسائی، ڈاکٹر، ''مدارس نظامیہ و تاثیرات علمی و اجتماعی آن''، چاپخانہ سپھر، تہران، چاپ دوم، ۱۳۰۳ھ، ص ۱۸۶

۸۔ عمادالدین ابی الفداء اسماعیل ابن عمر بن کثیر، ''البدایۃ و النہایۃ فی التاریخ''، مطبعۃ السعادۃ مصر، ت ن، ج ۱۲، ص ۱۲۲

۹۔ الموحدون: مغرب کا ایک مسلمان حکمران خاندان، افریقہ میں موحدین کی سلطنت کا آغاز عام طور پر ۵۱۵ھ/۱۱۲۱ء سے ہوتا ہے جب بربروں کے مصمودہ قبائل نے ابن تومرت کی اطاعت اختیار کی۔ مغرب

میں اسلام کے قدم جمنے کے بعد موحدین کی سلطنت پہلی ریاست تھی جس کی فرمان روائی کا سکہ اندلس سمیت خلیج قابس سے بحراوقیانوس تک جاری تھا۔ (تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۲۱، ص ۳۲۷ تا ۳۳۸)

۱۰۔ P.K. Hitti, History of the Arabs, New York, 1958, p.411

۱۱۔ ابن کثیر، ج ۱۲، ص ۲۱۹

۱۲۔ ایضاً، ص ۱۳۰

۱۳۔ ابن خلکان، ج ۷، ص ۸۷

۱۴۔ ایضاً، ص ۹۹

۱۵۔ ناجی معروف، ''علماء النظامیات و مدارس المشرق الاسلامی''، الطبعۃ الاولیٰ، مطبعۃ الارشاد۔ بغداد، ۱۳۹۳ھ/ ۱۹۷۳ء، ص ۲۶

۱۶۔ سبکی، ج ۴، ص ۲۰۰

۱۷۔ موصل کی ایک بستی، موصل کے کنارے پر مشرقی جانب، موصل سے نیچے ایک چھوٹا سا شہر ہے اور دونوں کے درمیان ایک دن کی مسافت ہے، موصل مغربی جانب ہے۔ (ابن خلکان، ج ۱، ص ۳۸)

۱۸۔ ابن خلکان، ج ۱، ص ۳۷

۱۹۔ ایضاً

۲۰۔ ایضاً، ص ۳۹

۲۱۔ابومحمد عبداللہ بن اسعد بن علی بن سلیمان الیافعی، ''مرآۃ الجنان و عبرۃ الیقظان ''، الطبعۃ الاولی، دائرۃ المعارف النظامیہ الکائنۃ، حیدرآباد دکن، ۱۳۳۸ھ، ج ۳، ص ۲۳۰

۲۲۔ابو الفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد بن علی الجوزی، ''المنتظم فی تاریخ الملوك والامم ''، طبع اول، دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدرآباد دکن، ۱۳۵۹ھ، ج ۲۰، ص ۱۱۲۔۱۱۳

۲۳۔علماء النظامیات، ص ۳۱

۲۴۔ابن خلکان، ج ۳، ص ۱۳۹

۲۵۔ایضاً

۲۶۔ جمال الدین عبدالرحیم الاسنوی، ''طبقات الشافعیۃ ''، دارالکتب العلمیہ، بیروت، طبع اول، ۱۹۸۶ء، ج ۲، ص ۲۵

۲۷۔خبوشان، نیشاپور کے نواح میں ایک شہر ہے، اور استوی نیشاپور کے نواح میں بہت بستیوں والی ایک جہت ہے۔ (ابن خلکان، ج ۴، ص ۲۴۰)

۲۸۔ابن خلکان، ج ۴، ص ۲۴۰

۲۹۔ابن کثیر، ج ۱۲، ص ۱۷۲

۳۰۔شمس الدین ابوالمظفر یوسف بن قزاوغلی بسط ابن الجوزی، ''مرآۃ الزمان فی تاریخ الاعیان ''، مطبعہ مجلس دائرۃ المعارف عثمانیہ، حیدرآباد دکن، القسم الاول من الجزء الثامن، الطبعۃ الاولی، ۱۳۷۰ھ/ ۱۹۵۱ء ص ۱۹۲

۳۱۔شہاب الدین ابوعبداللہ یاقوت حموی، ''معجم الادبا''، مصر، ۱۹۲۳ء، ج ۱۲، ص ۲۲۴

۳۲۔اسنوی، ج ۲، ص ۱۳۹

۳۳۔ابن کثیر، ج ۱۳، ص ۴۱

۳۴۔ابن خلکان، ج ۳، ص ۲۸۶

۳۵۔ایضاً، ص ۲۸۹

۳۶۔ابن کثیر، ج ۱۲، ص ۲۱۳

۳۷۔ابن خلکان، ج ۴، ص ۴۵۰

۳۸۔ایضاً، ص ۴۵۲

۳۹۔امام الدبیثی واسطی شافعی، آپ کی کنیت ابوعبداللہ، نام محمد بن ابوالمعالی یحیٰ بن علی اور لقب معدل ہے۔ واسط کے رہنے والے، نامور حافظِ حدیث، قابلِ اعتماد معلم قرآن اور مشہور مورخ عراق ہیں۔ ۵۵۸ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے شہر واسط کی ایک مبسوط تاریخ لکھی ہے۔ اسی طرح بغداد کی تاریخ بھی لکھی اور اس کو سمعانی کی تاریخ کا ذیل بنایا۔ ۸ ربیع الثانی ۶۳۷ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ دیکھیے: ابوعبداللہ محمد الذہبی، تذکرۃ الحفاظ، اردو ترجمہ: محمد اسحاق، اسلامک پبلشنگ ہاؤس، لاہور، ۱۹۸۱ء، ج ۴، ص ۹۶۱)

۴۰۔ایضاً، ج ۶، ص ۱۲۲

۴۱۔ایضاً، ص ۱۲۵

۴۲۔ایضاً، ص ۱۱۹

۴۳۔ ایضاً، ص ۱۲۲

۴۴۔ علماء النظامیات، ص ۲۷

۴۵۔ ایضاً، ص ۳۰

۴۶۔ ابن کثیر، ج ۱۲، ص ۲۰۵

۴۷۔ سبکی، ج ۶، ص ۳۱

۴۸۔ ایضاً، ص ۳۲

۴۹۔ اسنوی، ج ۱، ص ۲۵۹

۵۰۔ ابن خلکان، ج ۲، ص ۲۳۷

۵۱۔ ایضاً، ص ۲۳۸

۵۲۔ ابن کثیر، ج ۱۳، ص ۹۷

۵۳۔ ایضاً، ج ۱۲، ص ۱۹۴

۵۴۔ ابن خلکان، ج ۱، ص ۹؟

۵۵۔ ابن کثیر، ج ۱۲، ص ۵۱۱

۵۶۔ المنتظم، ج ۹، ص ۲۴۶

۵۷۔ ایضاً، ج ۵، ص ۳۱۱

۵۸۔ ایضاً، ص ۳۱۵

۵۹۔ مجسطی: یہ یونانی لفظ ہے، عربی میں اس کے معنی ترتیب کے ہیں۔

۶۰۔ ابن خلکان، ج ۵، ص ۳۱۲

۶۱۔ ایضاً

۶۲۔ ایضاً، ص ۳۱۳

۶۳۔ ایضاً، ص ۳۱۵

۶۴۔ ایضاً، ص ۳۱۷

۶۵۔ دوینی: آذربائیجان کا ایک شہر ہے۔

۶۶۔ اسنوی، ج ۱، ص ۲۵۷

۶۷۔ سبکی، ج ۴، ص ۲۹۸

۶۸۔ ایضاً، ج ۶، ص ۶۸

۶۹۔ ابن کثیر، ج ۱۳، ص ۴۲

۷۰۔ مرآۃ الجنان، ص ۴۱۳

۷۱۔ ابن خلکان، ج ۴، ص ۲۴۱

۷۲۔ ایضاً، ص ۲۴۲

۷۳۔ ایضاً، ص ۲۴۴

۷۴۔ صلاح الدین خلیل بن ایبک صفدی، ''الوافی بالوفیات''، دارالنشر شتانیر، ویسبادن آلمان،

۱۹۶۱ء، ج ۳، ص ۲۸۰

۷۵۔ مرآۃ الزمان، ص ۱۷۶

۷۶۔ ابن خلکان، ج ۷، ص ۲۵۴

۷۷۔ ایضاً، ص ۲۵۵

۷۸۔ علماء النظامیات، ص ۳۱

۷۹۔ ابن کثیر، ج ۱۳، ص ۱۲۲

۸۰۔ سبکی، ج ۴، ص ۲۸۴۔۲۸۵

۸۱۔ ابن خلکان، ج ۳، ص ۳۰۹

۸۲۔ ایضاً، ص ۳۱۰

۸۳۔ ایضاً، ص ۳۱۱

۸۴۔ یہ نسبت البزر کے کام یا فروخت کی طرف ہے، اس علاقے میں البزر ایک تیل کا نام ہے جسے السی کے دانوں سے نکالا جاتا ہے اور اس سے وہ چراغ بھی جلاتے ہیں۔ (ابن خلکان، ج ۳، ص ۴۴۵)

۸۵۔ ابن خلکان، ج ۳، ص ۴۴۷

۸۶۔ ایضاً، ص ۴۴۵

۸۷۔ اسنوی، ج ۱، ص ۲۷۱

۸۸۔ سبکی، ج ۷، ص ۲۸۷

۸۹۔اسنوی، ج ۱، ص ۲۷

۹۰۔ابن کثیر، ج ۱۳، ص ۱۹۷

۹۱۔سبکی، ج ۴، ص ۲۵۴

۹۲۔سبکی، ج ۴، ص ۲۵۵

۹۳۔الوافی بالوفیات، ج ۴، ص ۹۸

۹۴۔ابن کثیر، ج ۱۲، ص ۲۶۹

۹۵۔ایضاً، ص ۱۵۳

۹۶۔ایضاً، ص ۱۵۴

۹۷۔اللبنی: لبن یعنی دودھ کی طرف نسبت ہے، کیونکہ کئی سالوں تک آپ نے صرف دودھ پر گزارا کیا، روٹی نہیں کھائی۔

۹۸۔سبکی، ج ۵، ص ۱۲۵

۹۹۔ابن کثیر، ج ۱۳، ۱۲۲

۱۰۰۔علماء النظامیات، ص ۲۹

۱۰۱۔ایضاً، ص ۲۸

۱۰۲۔ابن کثیر، ج ۱۲، ص ۲۲۸

۱۰۳۔الحازمی: یہ نسبت آپ کے دادا، حازم مذکور کی طرف ہے۔

۱۰۴۔ابن خلکان، ج ۴،ص ۲۹۴

۱۰۵۔ایضاً،ص ۲۹۵

۱۰۶۔المنتظم، ج ۹،ص ۱۶۶

۱۰۷۔ابن خلکان، ج ۴،ص ۲۲۱

۱۰۸۔آپ بکثرت شہروں میں قاضی بنے اس لیے آپ کو قاضی الخافقین کہا گیا۔(ابن خلکان، ج ۴،ص ۷۰)

۱۰۹۔ابن خلکان، ج ۴،ص ۶۹۔۷۰

۱۱۰۔طرطوشی: یہ نسبت طرطوشہ کی طرف ہے، یہ اندلس میں ساحل سمندر پر مسلمانوں کا مشرقی اندلس میں آخری شہر ہے۔(ابن خلکان، ج ۴،ص ۲۶۵)

۱۱۱۔رندقہ: یہ فرنگی لفظ ہے، ابن خلکان کا بیان ہے کہ میں نے ایک فرنگی سے اس کا مفہوم دریافت کیا تو اس نے کہا، اس کا معنی واپس آؤ کے ہیں۔(دیکھیے: ابن خلکان، ج ۴،ص ۲۶۵)

۱۱۲۔ابن خلکان، ج ۴،ص ۲۶۲

۱۱۳۔ایضاً

۱۱۴۔ایضاً،ص ۲۶۴

۱۱۵۔ابوسعد عبدالکریم بن محمد سمعانی، ''الانساب''، تحقیق: عبدالرحمٰن بن یحییٰ معلمی، حیدرآباد دکن، ۱۹۶۲ء ج ۱،ص ۳۔۱۷۴۔۱۷

۱۱۶۔المعافری: یہ نسبت المعافر بن یعفر کی طرف ہے، یہ ایک بڑا قبیلہ ہے، اس کے عام لوگ مصر میں رہتے

ہیں۔(ابن خلکان، ج ۳، ص ۲۱۶)

۱۱۷۔ابن خلکان، ج ۴، ص ۲۹۶

۱۱۸۔ایضاً، ص ۲۹۷

۱۱۹۔سبکی، ج ۶، ص ۱۴۹

۱۲۰۔الوافی بالوفیات، ص ۱۴۰

۱۲۱۔سبکی، ج ۶، ص ۱۴۸

۱۲۲۔تاج الدین ابونصر عبدالوہاب بن علی بن عبدالکافی السبکی، ''طبقات الشافعیة الکبری''، الطبعة الاولی، مطبعة عیسیٰ البابی الحلبی وشرکاہ، ۱۳۸۳ھ/۱۹۶۴ء، ج ۶، ص ۱۴۹

۱۲۳۔ابن خلکان، ج ۳، ص ۲۲۶۔۲۲۷

۱۲۴۔ایضاً، ج ۴، ص ۲۴۶

۱۲۵۔ایضاً، ص ۲۴۷

۱۲۶۔ایضاً، ص ۲۵۳

۱۲۷۔ایضاً، ص ۲۵۴

۱۲۸۔سبکی، ج ۵، ص ۵۶

۱۲۹۔ابن اثیر، ج ۹، ص ۳۰۵

۱۳۰۔الحدیثی: یہ نسبت حدیثۃ الموصلی کی طرف ہے۔ یہ دجلہ پر مشرقی جانب الزاب الاعلیٰ کے نزدیک ایک

چھوٹا سا شہر ہے۔ (ابن خلکان، ج ۳، ص ۵۶)

۱۳۱۔ ابن خلکان، ج ۳، ص ۵۳

۱۳۲۔ ایضاً

۱۳۳۔ ایضاً، ص ۵۴۔۵۵

۱۳۴۔ اسنوی، ج ۱، ص ۲۰۷

۱۳۵۔ ابن کثیر، ج ۱۳، ص ۹۷

۱۳۶۔ سبکی، ج ۶، ص ۱۰۳

۱۳۷۔ الحوی: یہ نسبت حنا کی طرف ہے، یہ دیار بکر کے آخری سرے پر ایک شہر ہے جو خلاط اور کیفا قلعہ کے پاس ہے۔

۱۳۸۔ الانساب، ج ۴، ص ۹۰

۱۳۹۔ اسنوی، ج ۲، ص ۲۱۱

۱۴۰۔ آپ کو اپنے دادا ابراہیم کی وجہ سے سلفی کہا جاتا ہے۔ سلفی عجمی لفظ ہے، عربی زبان میں اس کے معنی تین ہونٹ ہیں، کیونکہ ان کا ایک ہونٹ پھٹا ہوا تھا اس لیے عجمیوں نے آپ کا یہ نام رکھ دیا۔ (ابن خلکان، ج ۱، ص ۱۰۷)

۱۴۱۔ ابن خلکان، ج ۱، ص ۱۰۵

۱۴۲۔ یہ باب اخضر کے پاس فصیل کے اندر ایک قبرستان ہے، جو عبدالرحمٰن بن وعلۃ السبئی المصری کی طرف

منسوب ہے جو حضرت ابن عباسؓ کے دوست تھے۔ اس قبرستان میں صالحین کی ایک جماعت دفن ہے۔

۱۴۳۔ ابن خلکان، ج ا، ص ۱۰۶

۱۴۴۔ ابن کثیر، ج ۱۳، ص ۹۸

۱۴۵۔ ایضاً، ج ۱۲، ص ۲۲۲

۱۴۶۔ الجہنی: یہ نسبت جہنیہ کی طرف ہے، یہ موصل کے نزدیک ایک بستی ہے۔ (ابن خلکان، ج ۲، ص ۱۴۰)

۱۴۷۔ یہ ایک شہر ہے اس کے اور بغداد کے درمیان ایک سو فرسخ کا فاصلہ ہے اور رقہ اور بغداد کے درمیان ساحل فرات پر ہے، اسے امیر مالک بن طوق تغلبی شامی عربوں کے امیر نے مامون کی خلافت میں بنایا تھا۔ مالک بن طوق نے ۲۶۰ھ میں وفات پائی۔ (ابن خلکان، ج ۲، ص ۱۳۳، حاشیہ مترجم از علامہ اختر فتح پوری)

۱۴۸۔ ابن خلکان، ج ۲، ص ۱۳۹

۱۴۹۔ معجم الادبا، ج ۱۱، ص ۲۳۴

۱۵۰۔ احمد بن محمد المقری التلمسانی، ''نفح الطیب من غصن الاندلس الرطیب''، مطبعۃ السعادۃ مصر، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۳۶۸ھ/۱۹۴۹ء، ج ۳، ص ۱۰)

۱۵۱۔ ایضاً، ص ۱۱

۱۵۱۔ الخضری: یہ نسبت آپ کے ایک دادا کی طرف ہے، جن کا نام الخضر تھا۔ (ابن خلکان، ج ۴، ص ۲۱۶)

۱۵۲۔ ابن خلکان، ج ۴، ص ۲۱۵۔۲۱۶

۱۵۳۔ تاج الدین ابوطالب علی بن انجب ابن ساعی، ''الجامع المختصر فی عنوان التواریخ و عیون السیر''، تحقیق: مصطفیٰ جواد، مطبعة السریانیہ، بغداد، ۱۳۵۳ھ/ ۱۹۳۴ء، ج۹، ص ۲۷۵

۱۵۴۔ سبکی، ج ۵، ص ۳۰

۱۵۵۔ الوافی بالوفیات، ج ۳، ص ۲۹۵

۱۵۶۔ ایضاً، ص ۲۶۰

۱۵۷۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، طبع اول، دانشگاہ پنجاب، لاہور، ۱۹۶۹ء، ج ۱، ص ۴۴۴

۱۵۸۔ سبکی، ج ۶، ص ۱۰۹

۱۵۹۔ ابن خلکان، ج ۵، ص ۴۶

۱۶۰۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۱، ص ۴۴۷

۱۶۱۔ ابن خلکان، ج ۵، ص ۵۳۔۵۴

۱۶۲۔ جلال الدین عبدالرحمٰن سیوطی، ''بغیة الوعاة فی طبقات اللغویین والنحاة''، مطبعة السعادة، مصر، ۱۳۲۶ھ، ، ج ۱، ص ۱۷۳

۱۶۳۔ علماء النظامیات، ص ۳۱

۱۶۴۔ ابن کثیر، ج ۱۲، ص ۲۰۶

۱۶۵۔ ابن خلکان، ج ۲، ص ۷۷

۱۶۶۔ ابن کثیر، ج ۱۲، ص ۲۰۶

۱۶۷۔الجامع المختصر، ج۹،ص ۳۵

۱۶۸۔ ابن کثیر،۱۳،ص ۵۴

۱۶۹۔حسین امین،''المدرسۃالمستنصریہ''،مطبعہ شفیق،بغداد؛ت ن،ص ۸۰

۱۷۰۔سبکی، ج ۴،ص ۳۱۴

۱۷۱۔ابن کثیر، ج ۱۲،ص ۲۰۸

۱۷۲۔سبکی، ج ۵،ص ۵۴

۱۷۳۔ابن کثیر، ج ۱۳،ص ۱۴۳

۱۷۴۔اسنوی، ج ۲،ص ۳۰۱

۱۷۵۔الشہر زوری: یہ نسبت شہرزور کی طرف ہے، یہ ایک بڑا شہر ہے جو اربل کے مضافات میں شمار ہوتا ہے۔ اسے زور بن الضماک نے تعمیر کیا۔ سکندر ذوالقرنین نے بلادِ مشرق سے واپسی پر یہیں وفات پائی۔(ابن خلکان، ج ۴،ص ۷۰)

۱۷۶۔ابن خلکان، ج ۳،ص ۴۹۔۵۲

۱۷۷۔اسنوی، ج ۱،ص ۱۱۹

۱۷۸۔ابن کثیر، ج ۱۲،ص ۱۶۰

۱۷۹۔اسنوی، ج ۲،ص ۴۰

۱۸۰۔ابن خلکان، ج ۴،ص ۷۰

۱۸۱۔ المنتظم، ج ۱۰، ص ۱۱۰

۱۸۲۔ابن خلکان کا خیال ہے کہ یہ طوس کے نواح میں ہے۔(دیکھیے :ابن خلکان، ج ۴، ص ۲۲۶)

۱۸۳۔ابن خلکان، ج ۴، ص ۲۲۵۔۲۲۶

۱۸۴۔بغیۃ الوعاۃ، ص ۴۰۱

۱۸۵۔ابن کثیر، ج ۱۲، ص ۲۲۰

۱۸۶۔ابن خلکان، ج ۲، ص ۹۳

۱۸۷۔ابن کثیر، ج ۱۲، ص ۱۶۲

۱۸۸۔سبکی، ج ۶، ص ۱۴۹۔۱۵۰

۱۸۹۔علماء النظامیات، ص ۲۹

۱۹۰۔دور: سامرا اور تکریت کے درمیان ایک شہر ہے۔

۱۹۱۔سبکی، ج ۶، ص ۴۹

۱۹۲۔مرآۃ الجنان، ج ۳ ص ۴۰۳

۱۹۳۔معجم الادبا، ج ۵، ص ۸۴

۱۹۴۔موسوعة طبقات الفقهاء، اللجنة العلمیه فی موسوعة الامام الصادق، دار اضواء، بیروت،

۱۹۹۴، ج ۷، ص ۵۰

۱۹۵۔ابن خلکان، ج ۵، ص ۱۴۷

۱۹۶۔ایضاً،ص ۱۴۸

۱۹۷۔ایضاً،ص ۱۴۹

۱۹۸۔ابن کثیر، ج ۱۲،ص ۳۰

۱۹۹۔ایضاً، ج ۱۳،ص ۳۰

۲۰۰۔ابن خلکان، ج ۵،ص ۱۵۲

۲۰۱۔علماء النظامیات،ص ۲۷

۲۰۲۔ابن فوطی، کمال الدین ابوالفضل عبدالرزاق بن احمد بغدادی،''الحوادث الجامعه فی المایة السابعه''مطبعة الفرات، بغداد، ۱۳۵۱ھ،ص ۱۳۴

۲۰۳۔ابن کثیر، ج ۱۳،ص ۲۱

۲۰۴۔دولتشاہ بن علاالدولہ بختیشاہ غازی سمرقندی،''تذکرة الشعراء''، تحقیق: محمد عباسی، انتشارات بارانی، تہران، ۱۳۳۷ء،ص

۲۰۵۔اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۱۱،ص ۴۲

۲۰۶۔ابن کثیر، ج ۱۲،ص ۲۱۹

۲۰۷۔سبکی، ج ۴،ص ۲۲۹

۲۰۸۔ابن کثیر، ج ۱۳،ص ۲۴

۲۰۹۔موسوعة طبقات الفقہاء، ج ۶،ص ۱۵۴۔۱۵۵

۲۱۰۔ابن کثیر، ج ۱۲، ص ۱۵۷

۲۱۱۔ایضاً، ص ۱۷۴

۲۱۲۔المنتظم، ص ۹، ج ۲۰۶

۲۱۳۔ایضاً، ص ۲۱۷

۲۱۴۔علماء النظامیات، ص ۳۲

۲۱۵۔اسنوی، ج ۱، ص ۳۳۷

۲۱۶۔سبکی، ج ۴، ص ۲۵۔۲۵۶

۲۱۷۔ابن کثیر، ج ۱۲، ص ۲۵۴

۲۱۸۔مرند، آذربائیجان کا ایک شہر ہے۔

۲۱۹۔اسنوی، ج ۲، ص ۲۳۴

۲۲۰۔علماء النظامیات، ص ۳۲

۲۲۱۔ایضاً، ص ۳۰

۲۲۲۔ایضاً

۲۲۳۔ابن کثیر، ج ۱۲، ص ۲۲۰

۲۲۴۔بغیۃ الوعاۃ، ص ۳۵۶

۲۲۵۔سبکی، ج ۴، ص ۲۸۴

۲۲۶۔علماء النظامیات، ص ۳۲

۲۲۷۔ایضاً، ص ۳۰

۲۲۸۔اسنوی، ج

۲۲۹۔علماء النظامیات، ص ۳۱

۲۳۰۔ابن کثیر، ج ۱۲، ص ۲۰۸

۲۳۱۔ایضاً، ص ۱۶۱

۲۳۲۔سبکی، ج ۶، ص ۱۷۶

۲۳۳۔ابن کثیر، ج ۱۲، ص ۲۳۸

۲۳۴۔سبکی، ج ۶، ص ۱۷۷

۲۳۵۔ابن کثیر، ج ۱۲، ص ۲۳۸

۲۳۶۔الوافی بالوفیات، ج ۳، ص ۶۶

۲۳۷۔موسوعۃ طبقات الفقہاء، ج ۶، ص ۳۱۰۔۳۱۱

۲۳۸۔علماء النظامیات، ص ۳۲

۲۳۹۔ابن کثیر، ج ۱۲، ص ۱۶۵

۲۴۰۔ابوالفلاح عبدالحی بن عماد حنبلی، ''شذرات الذهب فی اخبار من ذهب''، الجزالرابع، مکتبۃ القدسی، قاہرہ، ۱۳۵۰ھ، ص ۲۹۳

۲۴۱۔علماء النظامیات، ص ۲۸

۲۴۲۔ایضاً، ص ۳۳

۲۴۳۔بغیۃ الوعاۃ، ج ۲، ص ۲۸۷

۲۴۴۔علماء النظامیات، ص ۳۳

۲۴۵۔ایضاً

۲۴۶۔ابن کثیر، ج ۱۲، ص ۲۳۰

۲۴۷۔ایضاً، ص ۲۱۸

۲۴۸۔اسنوی، ج ۱، ص ۲۶۳

باب ششم

نظامیہ کے ماتحت مدارس

نظام الملک طوسی کے عہد وزارت میں، اس کا سب سے نمایاں کارنامہ، اجرائے نظامیہ بغداد ہے۔ نظامیہ بغداد کے آغاز کے بعد تمام ممالک محروسہ، دولت سلجوقیہ میں مدرسے کھل گئے تھے۔ کوئی بڑا شہر ایسا نہ تھا جس میں مدرسہ نہ ہو۔ جو مدرسے خواجہ نظام الملک نے قائم کیے وہ سب نظامیہ کہلائے اور اپنے شہروں کی نسبت سے مشہور ہوئے۔ (۱)

ان تعلیمی اداروں کے بارے میں (علاوہ نظامیہ بغداد کے) مصادر و مراجع بہت ہی محدود ہیں اور معلومات انتہائی ناقص اور پراگندہ ہیں۔ یہ ناقص معلومات بھی یا تو خواجہ نظام الملک کے حالات زندگی کے ضمن میں ملتی ہیں یا ان علماء کے حالات زندگی کے سلسلے میں ملتی ہیں جو ان اداروں سے متعلق رہے، یوں ان

مدارس کے بارے میں نہ ہونے کے برابر اطلاعات دستیاب ہیں۔(۲)

البتہ تاج الدین سبکی وہ واحد تذکرہ نویس ہیں جنہوں نے ان نو شہروں کے نام گنائے ہیں جہاں نظام الملک نے نہایت منظم اور جملہ ساز و سامان سے لیس کالج قائم کیے تھے۔ان شہروں کے نام یہ ہیں:

بغداد، بلخ، نیشاپور، ہرات، اصفہان، بصرہ، مرو، آمل، موصل۔

ناجی معروف نے اپنی کتاب ''علماء النظاميات و مدارس المشرق الاسلامی'' میں سبکی کی فہرست میں ''نظامیہ جزیرہ ابن عمر'' کا اضافہ کیا ہے اور ان مدارس کو ''النظامات العشر'' کا عنوان دیا ہے۔(۳)

ڈاکٹر نور اللہ کسائی نے اپنی کتاب ''مدارس نظامیہ تاثیرات علمی و اجتماعی آن'' میں بہت زیادہ بحث و تحقیق کے بعد درج ذیل گیارہ مدارسِ نظامیہ کا تذکرہ کیا ہے:

نیشاپور، بغداد، اصفہان، آمل طبرستان، بصرہ، بلخ، جزیرہ ابن عمر، خرگرد (خواف)، مرو، موصل اور ہرات (۴)

اگرچہ نظامیہ بغداد سے پہلے نظام الملک نے اس نام کے کئی مدرسے قائم کیے تھے مگر اپنے قیام کے بعد نظامیہ بغداد کو مرکزی حیثیت حاصل ہوگئی اور دوسری درسگاہیں اس کے ماتحت اداروں کی صورت اختیار کر گئیں۔اس لیے یہ دعویٰ کرنا بے جا نہ ہوگا کہ نظامیہ بغداد صرف تدریسی جامعہ نہ تھی بلکہ ایک الحاقی یونیورسٹی بھی تھی۔نظامیہ کے ماتحت مدارس کے مختصر حالات حسب ذیل ہیں:

مدرسہ نظامیہ نیشاپور

نیشاپور، خراسان کا مشہور شہر ہے۔ کتب جغرافیہ میں ''باب المشرق'' کے خطاب سے ممتاز ہے۔ یہ شہر ہمیشہ دارالعلم اور معدن فضل وکمال رہا ہے۔ فقہ، حدیث، ادب، تاریخ، لغت کا مرکز تھا۔ اس شہر میں شعراء ادباء، محدثین، فقہاء، مورخین، ریاضی دان، فلاسفہ اور اطباء وغیرہ ہر طبقہ کے اکابر حضرات اتنی بڑی تعداد میں موجود تھے کہ شہر اسلامی تہذیب وتمدن کی تاریخ میں ''دارالعلم'' کے نام سے مشہور ہوا۔ یہ خراسان کے چار بڑے شہروں (نیشاپور، مرو، ہرات اور بلخ) میں اہم ترین ہے۔ (۵)

مشہور سیاح ابن بطوطہ لکھتا ہے:

> ''نیشاپور ان چار شہروں میں سے ایک ہے، جو خراسان کے پایہ تخت کہلاتے ہیں۔ یہاں سے چار نہریں نکلتی ہیں۔ اس کے بازار نہایت اچھے اور وسیع ہیں اور اس کی مسجد بھی نادر ہے، جو وسط بازار میں واقع ہے۔ اس کے قریب مدارس میں سے چار مدرسے ہیں۔ طلباء کی کثرت ہے۔ بہت لوگ ہیں جو قرآن کریم اور فقہ کی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔'' (۶)

خصوصی مدارس کی تاسیس میں سبقت لے جانے میں نیشاپور کا شہر قدیم زمانہ سے مشہور ہے۔ اس علاقہ کے ادب دوست اور دانش پرور لوگ حصول علم سے بہت زیادہ شغف رکھتے تھے۔ علماء کا بہت زیادہ

احترام کرتے تھے۔ بہت دفعہ ایسا ہوتا کہ وہ عالم اسلام کے دور دراز کے شہروں اور ملکوں کے جلیل القدر علماء کو اپنے شہر میں تدریس کے لیے بلاتے تھے۔ سبکی نیشاپور کے بارے میں لکھتے ہیں:

''نیشاپور اسلامی شہروں میں سے اہم ترین اور بزرگ ترین شہر تھا اور بغداد کے بعد تمام بڑے اسلامی شہروں میں بے مثال تھا۔'' (۷)

سلاجقہ کے اوائل عہد میں نیشاپور کو پایہ تخت کی حیثیت حاصل تھی۔ طغرل بیگ اور الپ ارسلان سلجوقی نے نیشاپور کا مرکز سلطنت بنایا تھا۔ اس لیے خراسان میں یہ نہایت آباد شہر تھا اور بڑے بڑے مدرسے جاری تھے لیکن سرکاری مدرسہ کوئی نہ تھا۔ (۸)

لہٰذا خواجہ نظام الملک نے امام الحرمین کے حجاز سے واپس آنے پر ان کے اعزاز میں یہ درسگاہ قائم کی۔ امام صاحب کے حلقہ درس میں روزانہ تین سو کا مجمع رہا کرتا تھا۔ جس میں طلبا اور علماء دونوں ہوا کرتے تھے۔ ہر جمعہ کی نماز کے بعد وعظ ہوا کرتا تھا۔ نظام الملک نے جب امام الحرمین جوینی کے لیے مدرسہ نظامیہ نیشاپور تعمیر کیا تو خطابت، تدریس، مدرسہ کے اوقاف کے معاملات کی نگرانی اور ان سے وابستہ کام، ان کو تفویض کر دیے۔ (۹) بسا اوقات یہ مدرسہ امام الحرمین کے نام سے مشہور ہوا۔ کیونکہ رواج اور معمول یہ تھا کہ مدارس اپنے بانیوں کے نام سے اپنے کسی ایک مدرس کے نام سے یا جس شخص کی خاطر اسے بنایا گیا تھا اس کے نام سے یا پھر جس جگہ بنایا گیا ہو اس کے نام سے مشہور ہوتے تھے۔ (۱۰)

ابوالقاسم المظفر بن امام الحرمین کے حالاتِ زندگی میں تحریر کردہ عبارت سے یہ بات سمجھی جاسکتی ہے۔ وہ عبارت یہ ہے: ''جب آپ نے اپنے والد کے بعد ان کے مدرسہ میں تدریس کرنے کا ارادہ کیا تو

آپ کو ایسا کرنے سے روک دیا گیا۔'' اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے والد امام الحرمین کے لیے نظامیہ کے ماسوا کوئی اور مدرسہ مخصوص تھا۔ مگر عبدالغافر الفارسی نے المظفر ابوالقاسم بن امام الحرمین کے حالات زندگی کے آخر میں جو یہ عبارت لکھی ہے: ''آپ نے نظام الملک کی خدمت کے لیے عراق کا رخ کیا تو اس نے آپ کا بہت احترام و اکرام کیا اور آپ نیشاپور لوٹ آئے۔۔۔اور اپنے والد کی جگہ واپس آگئے۔'' اس عبارت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابوالقاسم کو نظام نے اس کے والد کی جگہ نظامیہ میں مقرر کر دیا تھا۔(۱۱)

مدرسہ نظامیہ نیشاپور اپنی کارکردگی کے اعتبار سے اور مدرسین اور مشہور فقہاء کی تعداد کے لحاظ سے جو یہاں تعلیم و تعلم میں مشغول تھے، نظامیہ بغداد کے بعد دوسرے درجہ کی اہمیت رکھتا ہے۔ اس کی عمارت بھی نہایت شاندار تھی۔ امام غزالی اور الکیا الہراسی جیسے علماء نے یہیں تعلیم پائی۔

نظامیہ نیشاپور باوجودیکہ نظامیہ بغداد کی تاسیس سے پہلے وجود میں آیا، نیز اس دور تک نیشاپور کی بغداد پر قدامت اور علمی و ادبی برتری کے باوجود نیز امام الحرمین جوینی، امام غزالی اور امام محمد یحییٰ نیشاپوری جیسے اساتذہ ہونے کے باوجود، دو وجوں سے شہرت و اعتبار اور فارغ التحصیل ہونے والوں کی تعداد کے لحاظ سے نظامیہ بغداد کے مرتبہ تک نہ پہنچ سکا۔

۱۔ کیونکہ ان مدارس کے بانی نظام الملک نے اپنی زیادہ تر توجہات نظامیہ بغداد پر مبذول کرلیں۔ نظامیہ بغداد کی تعمیر میں بے مثال اور خصوصی اقدامات کیے، نیز اوقاف کا تعین، زیادہ تنخواہیں، مدرسین، طلبہ اور دیگر عملے کے لیے بیش بہا تنخواہیں، وظائف اور مراعات مقرر کیں، یوں اس نے اپنی تمام تر کوششیں خلافتِ عباسی کے مرکز بغداد میں قائم ہونے والے اس تبلیغی مرکز کے بارے میں کیں تاکہ وہ نظامیہ بغداد کو مصر کے

فاطمیوں کے مرکزِ اشاعت وتعلیمات مذہبی جامع الازہر قاہرہ کے مقابلہ میں زیادہ طاقتور اور مشہور تر کر سکے اور اسے ہر لحاظ سے اعلیٰ و برتر بنا دے۔(۱۲)

۲۔ترکمانانِ غز اور تاتاریوں کے مسلسل تباہ کن حملوں نے یکدم نیشاپور کو درہم برہم کر دیا اور شہر کے مکینوں، عمارتوں اور آثارِ قدیمہ کو بالکلیہ نیست و نابود کر دیا۔ جب کہ بغداد پر ان کا حملہ زیادہ عرصے کے بعد اور نسبتاً نرم شرائط کے ساتھ ہوا کہ نظامیہ بغداد اور مدرسہ مستنصریہ کو نقصان نہ پہنچا۔ عطا ملک جوینی کے ایام حکومت میں بغداد خلفاء کے دور سے بھی بڑھ کر آباد ہوا اور نتیجہ یہ ہوا کہ اس شہر کے یہ دو علمی مراکز یعنی نظامیہ اور مستنصریہ طویل مدت تک، اگر چہ کمزوری و انحطاط کی حالت میں، قائم رہے اور اپنی علمی زندگی کو جاری رکھا۔(۱۳)

قدیم مصادر میں اس مدرسہ کی بنیاد رکھنے کے سال کے بارے میں کوئی اشارہ نہیں ملتا مگر تاریخی شواہد میں یہ وضاحت ضرور موجود ہے کہ نظامیہ نیشاپور کی بنیاد نظامیہ بغداد سے چند سال پہلے رکھی گئی تھی اور یہ الپ ارسلان سلجوقی کی سلطنت کے اولین سالوں (۴۵۵۔۴۶۵ھ) کے ہم زمان تھی۔ ناجی معروف کے مطابق نظامیہ نیشاپور ۴۵۰ھ (۱۰۸۷ء) کے قریب قائم ہوا۔(۱۴) جبکہ نور اللہ کسائی کی تحقیق کے مطابق نظامیہ نیشاپور ۴۵۶ھ میں قائم کیا گیا۔(۱۵) اور یہی قرین قیاس اور قابل اعتماد ہے۔

نظامیہ نیشاپور فن تعمیر کے اعتبار سے بھی اپنی مثال آپ تھا۔ افسوس کہ امتدادِ زمانہ سے اس کا نام و نشان مٹ گیا ہے، صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ ایک پرشکوہ عمارت تھی، اس کے ساتھ چمن، پارک، اور تالاب و نہریں جاری تھیں۔ طلبہ یہاں مطالعہ اور مذاکرہ کرتے تھے۔ تالاب کی ستر سیڑھیاں تھیں، ابوالحسن الکیا

الھراسی درس کے بعد تالاب کے کنارے استاذ کی تقریر زبانی یاد کرتے تھے، اور ہر سیڑھی پر اسے سات بار دہراتے تھے۔(۱۶)

خواجہ نظام الملک جب تک زندہ رہا، نظامیہ نیشاپور کے تمام امور اور مدرسین و منتظمین کا نصب و عزل براہِ راست خود کرتا رہا۔ چنانچہ اس کے حکم سے نظامیہ نیشاپوری کے انتظام وانصرام اور تدریس پر کئی حضرات مامور ہوئے۔ خواجہ کی وفات کے بعد یہ حیثیت بادشاہوں اور ان کے وزراء کو حاصل تھی۔ خواجہ کے بیٹے فخر الملک بن نظام الملک (م ۵۰۰ ھ) نے سلطان سنجر کی وزارت کے دوران امام غزالی کو نظامیہ نیشاپور میں تدریس کے لیے دعوت دی۔(۱۷) خود سلطان سنجر نے اس مدرسہ کی تولیت، اوقاف اور منصب تدریس کا فرمان امام محمد یحییٰ نیشاپوری کے لیے صادر کیا۔ آپ ۵۴۸ ھ تک اس عہدے پر فائز رہے۔ آپ فتنہ غز میں گرفتار اور مقتول ہوئے۔ یوں آپ آخری شخص ہیں جس کے پاس یہ عہدہ تھا۔(۱۸)

اس بات کا بھی احتمال ہے کہ نظامیہ نیشاپور ان سترہ شافعی مدارس میں ہو جو ترکمانانِ غز کے حملے کے نتیجے میں مکمل طور پر تباہ اور مہندم ہو گئے۔(۱۹) اس لیے کہ ترکمانانِ غز کے ۴۵۸ ھ میں نیشاپور پر یلغار کے آغاز سے لے کر، اس شہر کے ۶۱۸ ھ میں مغلوں کے ہاتھوں سقوط تک اور پھر اس کے بعد سے اس مدرسہ اور اس کے طلبہ کے بارے میں کسی قسم کی اطلاع دستیاب نہیں ہے۔(۲۰)

مدرسہ کے مشہور شیوخ حسبِ ذیل ہیں:

۳۰۔ ابوالمعالی عبدالملک الجوینی:

ابوالمعالی عبدالملک ابن الشیخ ابی محمد عبداللہ بن ابی یعقوب یوسف بن عبداللہ بن یوسف بن محمد بن

حَیویہ، الجوینی، الفقیہ الشافعی الملقب ضیاء الدین، المعروف باامام الحرمین، ۱۸ محرم ۴۱۹ھ / ۱۷ فروری ۱۰۲۸ء کو بشتنکان میں، جو نیشاپور کے نواح میں ایک گاؤں ہے، پیدا ہوئے۔

آپ متاخرین میں امام شافعی کے اصحاب میں سے علی الاطلاق سب سے بڑے عالم تھے۔ آپ کی امامت پر اجماع ہے۔ اصول وفروع کے علوم اور ادب وغیرہ میں آپ کی غزارت علم اور خوش بیانی پر اتفاق پایا جاتا ہے۔

بچپن میں آپ نے اپنے والد ابو محمد (۲۱) سے فقہ پڑھی، وہ آپ کی طبیعت اور تحصیل اور طبیعت کی عمدگی اور آپ پر جو اقبال کی علامات تھیں ان سے حیران ہوتے تھے۔ آپ نے اپنے والد کی تمام تصانیف پر عبور حاصل کر لیا اور ان میں تصرف کیا، حتیٰ کہ تحقیق وتدقیق میں ان سے بڑھ گئے۔ جب آپ کے والد فوت ہو گئے تو آپ ان کی جگہ تدریس کے لیے بیٹھے، اور جب اس سے فارغ ہوتے تو بیہقی کے مدرسہ میں استاد ابوالقاسم اسکافی اسفرائنی کے پاس چلے جاتے، حتیٰ کہ آپ علمِ اصول کے ماہر بن گئے، پھر بغداد چلے گئے، وہاں علماء کی ایک جماعت سے ملاقات کی۔

ابوالمعالی نے خراسان میں اشعریوں کے خلاف شورش اور عمید الملک کندری کی تحریک پر رؤساء شافعیہ کی جلاوطنی کی بناء پر مجبوراً ترک وطن کیا اور ۴۵۰ھ / ۱۰۵۸ء میں حجاز چلے گئے اور چار سال مکہ میں رہے، مدینہ میں پڑھاتے اور فتویٰ دیتے رہے، اسی لیے آپ کو امام الحرمین کہا گیا ہے۔ پھر آپ سلطان الپ ارسلان سلجوقی کی حکومت کے اوائل میں نیشاپور واپس آ گئے، نظام الملک طوسی نے آپ کے لیے نیشاپور میں مدرسہ نظامیہ بنایا، آپ اس کے خطیب بنے، اکابر آئمہ آپ کے دروس میں شریک ہوئے۔

محراب ومنبر، خطبات وتدریس اور جمعہ کے دن کی مجلس تذکیر آپ کے لیے مسلم تھی۔ (۲۲)

آپ نے ہر فن میں کتابیں تصنیف کی ہیں، جن میں سے ''نهاية المطلب فی دراية المذهب''

بھی ہے، جس کے بارے میں ابن خلکان کا کہنا ہے کہ اس کی مثل اسلام میں تصنیف نہیں ہوئی۔ (۲۳)

آپ کی تصانیف میں سے ''الشامل'' بھی ہے جو اصول دین کے بارے میں ہے۔ اصول فقہ میں

آپ کی تصنیف "البرهان" هے ، "تلخیص التقریب"، "الارشاد"، "العقیدة النظامیه"،

"مدارك العقول"، "تلخبص نهاية المطلب" ، "غياث الامم فى الامامة"، "مغيث الخلق

فی اختيار الاحق"، اور "غنية المسترشدين" وغیرہ آپ کی کتب ہیں۔ (۲۴)

الجوینی نے اس دور میں قلم اٹھایا جو قدیم دبستان اشعریت اور اس دبستان کے درمیان کا زمانہ تھا،

جسے آگے چل کر ابن خلدون (۲۵) نے دبستان جدید قرار دیا۔ (۲۶)

۲۵ ربیع الثانی ۴۷۸ھ / ۲۰ اگست ۱۰۸۵ء کو بدھ کی رات عشاء کے وقت آپ کا انتقال ہوا۔ آپ

کے بیٹے ابوالقاسم نے آپ کا جنازہ پڑھایا۔ آپ کی وفات کے روز بازار بند ہو گئے، جامع میں آپ کا منبر

توڑ دیا گیا، لوگ آپ کی تعزیت کے لیے بیٹھے اور انہوں نے آپ کے بہت مرثیے کہے۔ علم وادب کے قریباً

چار سو مشاہیر (جن میں حجۃ الاسلام امام غزالی بھی شامل ہیں) آپ کے شاگردوں کے زمرہ میں داخل تھے۔

آپ کے سوگ اور تعزیت میں عجیب شورش برپا ہوئی۔ آپ کے منبر کو توڑ ڈالا گیا، بازار بند کر دیے گئے اور

پورے ایک ماہ تک کسی نے اپنے سر پر عمامہ نہیں رکھا۔ آپ کے عزیز شاگردوں نے اپنے قلم اور دواتیں توڑ

دیں اور پورا ایک سال اسی حال میں رہے۔ (۲۷)

ابو حامد محمد بن محمد غزالی:

ابو حامد محمد بن محمد بن محمد بن احمد الغزالی، الملقب حجۃ الاسلام، زین الدین الطوسی، الفقیہ الشافعی، آپ کے آخری زمانے میں فرقہ شافعیہ میں، آپ کی مثل موجود نہ تھی۔ (۲۸)

ابتدائی تعلیم طوس اور نیشاپور میں حاصل کی۔ طوس میں علی احمد الرازکانی سے اشتغال کیا، پھر نیشاپور آئے اور امام الحرمین ابوالمعالی الجوینی کے دروس میں آتے جاتے رہے اور اشتغال میں خوب کوشش کی، حتیٰ کہ تھوڑی مدت میں تربیت پاگئے اور اپنے استاد کے زمانے میں ہی ان اعیان میں سے ہوگئے جن کی طرف اشارہ کیا جاتا تھا۔ آپ کے استاد ابوالمعالی الجوینی آپ پر فخر کیا کرتے تھے۔ ۴۷۸ھ تک امام الحرمین الجوینی کے انتقال تک ان کے ساتھ مقیم رہے۔ ان کے انتقال کے بعد امام غزالی نیشاپور سے العسکر چلے گئے اور وزیر نظام الملک طوسی سے ملے۔ (۲۹)

۴۹۹ھ میں سلطان سنجر اور اس کے وزیر فخر الملک بن نظام الملک نے آپ کی خدمت میں درخواست کی کہ مدرسہ نیشاپور میں درس وتدریس کا سلسلہ جاری کریں، آپ راضی نہ تھے مگر بعض دوستوں کے اصرار، استخارہ اور رویاءِ صادقہ کی بنا پر آپ نے ذوالقعدہ ۴۹۹ھ میں آپ نے یہ پیشکش تسلیم کر لی۔ (۳۰)

۵۰۰ھ میں فخر الملک بن نظام الملک ایک باطنی کے ہاتھ سے شہید ہوا، اس کی وفات کے تھوڑے ہی دن بعد آپ نے نظامیہ کی تدریس سے کنارہ کشی کی، اور اپنے وطن طوس میں اپنے گھر واپس آگئے۔ (۳۱) آپ کی وفات ۱۴ جمادی الثانی ۵۰۵ھ / ۱۹ دسمبر ۱۱۱۱ء کو طابران میں ہوئی۔ (۳۲)

ابوالحسن علی بن محمد بن علی الطبری الکیاالھراسی:

ابوالحسن علی بن محمد بن علی الطبری، الملقب عماد الدین، المعروف بالکیاالھراسی، الفقیہ الشافعی، آپ طبرستان کے باشندے تھے۔ آپ نیشاپور گئے اور مدت تک امام الحرمین ابوالمعالی الجوینی سے فقہ سیکھتے رہے حتیٰ کہ ماہر ہو گئے۔ پھر نیشاپور سے بیہق چلے گئے اور وہاں مدت تک پڑھایا، پھر عراق چلے گئے اور نظامیہ بغداد کی تدریس سنبھال لی، اور تاحیات پڑھاتے رہے۔ آپ درس میں امام الحرمین کی دہرائی کرنے والوں کے سرکردہ لوگوں میں سے تھے اور ابوحامد غزالی کے ثانی تھے۔ (۳۳)

الکیاالھراسی کی ولادت ذوالقعدہ ۴۵۰ھ میں ہوئی اور وفات یکم محرم ۵۰۴ھ کو بروز جمعرات بوقت عصر بغداد میں ہوئی اور تدفین شیخ ابواسحاق شیرازی کے قبرستان میں ہوئی۔ (۳۴)

ابوالمعالی مسعود بن محمد بن مسعود:

ابوالمعالی مسعود بن محمد بن مسعود بن طاہر نیشاپوری طریثیثی (۳۵)، فقیہ الشافعی، ملقب بہ قطب الدین، آپ نے نیشاپور اور مرو کے آئمہ سے فقہ پڑھی اور کئی لوگوں سے حدیث کا سماع کیا۔ استاد ابونصر قشیری کو دیکھا اور امام الحرمین الجوینی کی نیابت میں نیشاپور میں مدرسہ نظامیہ میں پڑھایا۔ آپ نے قرآن کریم اور ادب اپنے والد سے پڑھا۔ بغداد آئے اور وہاں وعظ کیا اور مسائل کے بارے میں اچھی گفتگو کی۔

۵۴۰ھ میں آپ بغداد آئے اور وعظ کیا، آپ کو قبولیت حاصل ہوئی۔ آپ نے مدرسہ مجاہدیہ میں پڑھایا، پھر فقیہ ابوالفتح نصراللہ المصیصی کی وفات کے بعد جامع دمشق میں پڑھایا۔ جہاں مغربی گوشہ میں آپ

کا حلقہ درس تھا۔ پھر آپ حلب چلے گئے اور ایک مدت تک ان دو مدرسوں کی تدریس کے مہتمم رہے جنہیں نور الدین محمود اور اسد الدین نیر کوہ نے بنایا تھا۔ پھر آپ ہمذان چلے گئے اور وہاں تدریس کا کام سنبھالا، پھر دمشق واپس آگئے اور بدستور اپنا حلقہ درس سنبھال لیا جہاں آپ حدیث کا درس دیتے تھے۔ (۳۶)

آپ صالح عالم تھے۔ آپ نے فقہ میں کتاب ''الھـــادی'' تصنیف کی۔ یہ مختصر اور نافع کتاب ہے۔ آپ کی ولادت ۱۳ ر جب الفرد ۵۰۵ھ کو ہوئی اور وفات ماہ رمضان ۵۷۸ھ کے آخری دن دمشق میں ہوئی۔ عید کے روز جمعہ کے دن آپ کا جنازہ پڑھا گیا۔ آپ کو اس قبرستان میں دفن کیا گیا جسے آپ نے قبرستان صوفیاء کے پاس غربی دمشق میں بنایا تھا۔ (۳۷)

ابوسعد محمد بن یحییٰ:

ابوسعد محمد بن یحییٰ بن ابی منصور نیشاپوری، الملقب محی الدین، الفقیہ الشافعی، متاخرین کے استاد اور علم وزہد کے لحاظ سے ان میں یکتا تھے۔ آپ نے حجۃ الاسلام ابو حامد غزالی اور ابوالمظفر احمد بن محمد الخوافی سے فقہ سیکھی، اور فقہ میں کمال حاصل کیا اور اس کے متعلق اور خلاف کے بارے میں کتابیں لکھیں۔ نیشاپور میں فقہاء کی ریاست آپ تک پہنچی، لوگوں نے شہروں سے آپ کی طرف سفر کیا، اور خلقِ کثیر نے آپ سے استفادہ کیا۔ آپ نے ''المحیط فی شرح الوسیط'' اور ''الانتصاف فی مسائل الخلاف'' وغیرہ کتب تصنیف کیں۔

آپ نے مدرسہ نظامیہ نیشاپور اور ہرات میں بھی پڑھایا۔ آپ کے زمانے کا ایک فاضل آپ کے درس میں حاضر ہوا، اور آپ کے فوائد اور عمدہ لیکچر کو سنا تو اس نے کہا:

رفـات الـديـن والاسـلام يـحيـا

بـمـحيـى الـديـن مـولانـا ابـن يـحيىٰ

كـان الـلـه رب الـعـرش يـلـقـى

عـلـيـه حيـن يـلـقـى الـدرس وحيـا

''دین اور اسلام کی بوسیدہ باتوں کو محی الدین ابن یحییٰ نے زندہ کیا ہے، اور جب وہ سبق دیتا ہے تو گویا رب العرش اس پر وحی کرتا ہے''۔(۳۸)

آپ کی ولادت ۴۷۶ھ میں طریثیث میں ہوئی، اور رمضان ۵۴۸ھ میں آپ کا قتل ہوا۔(۳۹)

ابراہیم بن المطہر:

ابراہیم بن المطہر، ابوطاہر الشباک الجرجانی، آپ نیشاپور میں امام الحرمین کے درس میں حاضر ہوئے، پھر آپ نے امام غزالی کی صحبت اختیار کی اور ان کے ساتھ عراق، حجاز اور شام کا سفر کیا۔ پھر آپ اپنے وطن لوٹ گئے اور تدریس وعظ میں مشغول ہوگئے۔ آپ کے لیے ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی گئی۔ ۵۱۳ھ میں آپ کو شہید کردیا گیا۔(۴۰)

ابوالحسن عبدالغافر بن اسماعیل بن عبدالغافر:

ابوالحسن عبدالغافر بن اسماعیل بن عبدالغافر بن محمد بن عبدالغافر ابن احمد بن محمد بن سعید الفارسی الحافظ، آپ حدیث اور عربی زبان کے امام تھے۔ آپ نے امام الحرمین ابوالمعالی الجوینی سے فقہ سیکھی اور چار سال ان کے ساتھ وابستہ رہے۔ پھر نیشاپور سے خوارزم چلے گئے اور وہاں کے افاضل سے ملاقات کی، آپ

کے لیے مجلس منعقد کی گئی۔ پھر آپ غزنی اور وہاں سے ہندوستان گئے، اور احادیث کی روایت کی۔ پھر آپ نیشاپور واپس آئے اور وہاں کے خطیب بن گئے۔ (۴۱)

آپ کی متعدد تصانیف ہیں: جن میں سے ''المفهم لشرح غریب صحیح مسلم''، اور ''السیاق لتاریخ نیشاپور'' اور غریب احادیث کے بارے میں ''مجمع الغرائب'' ہیں۔ آپ کی ولادت ربیع الثانی ۴۵۱ھ میں اور وفات ۵۲۹ھ میں نیشاپور میں ہوئی۔ (۴۲)

ابوالفتح سہل بن احمد بن علی الارغیانی:

ابوالفتح سہل بن احمد بن علی الارغیانی (۴۳)، الفقیہ الشافعی، آپ علم و زہد میں بڑی شان کے امام تھے۔ آپ نے مرو میں شیخ ابو علی السنجی سے فقہ سیکھی، پھر قاضی حسین بن محمد المروروزی سے پڑھا اور ان کے طریقے کو حاصل کیا۔ آپ نے امام الحرمین ابوالمعالی الجوینی سے اصولِ فقہ پڑھے، اور آپ کی مجلس میں مناظرہ کیا۔ پھر آپ ارغیان کی طرف واپس آگئے اور اس کے قاضی بنے۔ (۴۴)

آپ ''فتاوی ارغیانی'' کے مولف ہیں، آپ نے آئمہ کی ایک جماعت جیسے ابوبکر بیہقی، ناصر المروزی، عبدالناصر بن اسماعیل بن عبدالغافر الفارسی وغیرہم سے سماع کیا ہے۔ آپ نے حج کے موقع پر حجاز و عراق اور جبال کے مشائخ سے ملاقات کی اور ان سے سماع کیا اور انہوں نے آپ سے سماع کیا۔ جب آپ مکہ معظمہ سے واپس آئے تو شیخ عارف حسن سمنانی کی ملاقات کو آئے جو اپنے وقت کے شیخ تھے، انھوں نے آپ کو ترکِ مناظرہ کا مشورہ دیا تو آپ نے مناظرہ چھوڑ دیا۔ قضا سے بھی علیحدہ ہو گئے اور گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ آپ نے اپنے مال سے صوفیاء کے لیے ایک چھوٹا سا دائرہ بنایا اور وہاں تصنیف و عبادت میں

مشغول ہو گئے، یہاں تک کہ محرم ۴۹۹ھ میں فوت ہو گئے۔ (۴۵)

ابو عبداللہ محمد بن الفضل الفراوی:

ابو عبداللہ محمد بن الفضل بن احمد بن محمد بن احمد بن ابی العباس، الصاعدی، الفراوی (۴۶)، نیشاپوری، الملقب کمال الدین، الفقیہ المحدث، آپ امام الحرمین ابوالمعالی الجوینی کی مجلس میں آیا کرتے تھے، آپ نے ان سے اصول کا حاشیہ لکھا، اور صوفیاء کے درمیان پرورش پائی۔ آپ فقیہ، محدث، مناظر اور واعظ تھے۔ (۴۷)

آپ اپنے پاس آنے والے مسافروں کے پاس کھانا لے کر جاتے تھے، اور کبر سنی کے باوجود خود ان کی خدمت کرتے تھے۔ بغداد اور بقیہ بلاد میں جن کی طرف آپ گئے، آپ کے لیے مجلسِ وعظ منعقد کی گئی۔ آپ نے حرمین میں علم کا اظہار کیا، نیشاپور واپس آئے۔ مدرسہ ناصحیہ میں تدریس کے لیے بیٹھے اور مسجد المطرز کی امامت سنبھالی۔

آپ نے عبدالغافر فارسی سے صحیح مسلم، اور سعید بن ابی سعید سے صحیح بخاری کا سماع کیا۔ اس کے علاوہ آپ نے شیخ ابواسحاق شیرازی، حافظ ابوبکر احمد بن الحسین البیہقی، امام الحرمین ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری سے بھی سماع کیا۔ حافظ بیہقی کی متعدد کتب، مثلاً ''دلائل النبوۃ''، ''الاسماء والصفات''، ''البعث والنشور''، اور ''الدعوات'' کبیرہ اور صغیرہ کی روایات میں متفرد ہوئے۔ آپ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ الفراوی، الف راوی ہے یعنی ایک ہزار راوی ہے۔

آپ کی ولادت ۴۴۱ھ اور بعض کے قول کے مطابق ۴۴۲ھ میں نیشاپور میں ہوئی۔ اور ۲۱ شوال،

اور بعض کے قول کے مطابق ۲۲ شوال ۵۳۰ھ کو جمعرات کے روز چاشت کے وقت فوت ہوئے۔ (۴۸)

ابو منصور عبد الرحمٰن بن محمد بن الحسن ھبۃ اللہ:

ابو منصور عبد الرحمٰن بن محمد بن الحسن ھبۃ اللہ بن عبد اللہ بن الحسین الدمشقی، الملقب فخر الدین المعروف بابن عساکر، الفقیہ الشافعی، آپ اپنے وقت میں علم و دین کے امام تھے۔ (۴۹) آپ نے شیخ قطب الدین ابی المعالی مسعود نیشاپوری سے فقہ حاصل کی اور ایک عرصہ تک آپ کے ساتھ رہے اور آپ کی صحبت کا فائدہ اٹھایا۔ آپ نے ایک عرصہ تک قدس اور دمشق میں پڑھایا، خلق کثیر نے آپ سے اشتغال کیا اور تربیت پائی۔ آپ کی ولادت ۵۵۰ھ میں ہوئی اور وفات ۱۰ رجب ۶۲۰ھ کو بدھ کے روز دمشق میں ہوئی۔ (۵۰)

ابو نصر محمد بن عبد اللہ بن احمد الارغیانی:

ابو نصر محمد بن عبد اللہ بن احمد بن محمد بن عبد اللہ الارغیانی، الفقیہ الشافعی، آپ اپنے شہر سے نیشاپور آئے او امام الحرمین ابو المعالی الجوینی سے اشتغال کیا اور فقہ میں کمال حاصل کیا۔ آپ صاحبِ فن امام، پرہیزگار، اور بہت عبادت گذ ار تھے۔ آپ نے ابو الحسن علی ابن احمد الواحد صاحب التفاسیر سے حدیث کا سماع کیا (۵۱)، اور آپ سے قولِ الٰہی ''انی لاجد ریح یوسف'' کی تفسیر بیان کی ہے کہ بادِ صبا نے اپنے رب سے اجازت مانگی کہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کی خوشبو کو ہمارے نبی کے پاس قمیض کی بشارت لانے سے قبل لائے تو اس نے اسے اجازت دے دی تو وہ اسے لے آئی۔ اس لیے ہر غمگین، بادِ صبا سے راحت پاتا ہے، اور وہ مشرق کی جانب سے آتی ہے، جب وہ ابدان پر چلتی ہے تو ان کو آسائش اور آرام دیتی ہے اور اوطان اور احباب کی طرف شوق کو برانگیختہ کرتی ہے۔''

اور آپ نے یہ اشعار پڑھے:

ایــا جبــلــی نــعــمــان بــالــلــه خلیــا

نسیــم الــصبــا یــخلــص الی نسیمهــا

فــان الــصبــا ریــح اذا مــا تــنــسمــت

عــلــی نــفــس مهـمـوم تــجلــست همومها

''اے نعمان کے دو پہاڑوں! خدا کے لیے بادِ نسیم کو چھوڑ دو، کہ اس کی نسیم میرے پاس آئے،

بلاشبہ بادِ صبا وہ ہے کہ جب وہ کسی غمگین پر چلتی ہے تو اس کے غم ظاہر ہو جاتے ہیں۔''

آپ کی ولادت ۴۵۴ھ میں ہوئی اور وفات ۲۴ ذوالقعدہ ۵۲۸ھ کو نیشاپور میں ہوئی۔ (۵۲)

اسماعیل بن عبداللہ ابن علی:

اسماعیل بن عبداللہ ابن علی ابوالقاسم الحاکم، آپ نے امام الحرمین ابوالمعالی الجوینی سے فقہ سیکھی۔ آپ امام غزالی کے بھی شاگرد تھے، وہ آپ کا اکرام واحترام کرتے تھے۔ آپ یکتا، عبادت گذار اور متقی تھے۔ ۵۲۹ھ میں طوس میں آپ کا انتقال ہوا۔ امام غزالی کے پہلو میں آپ کو دفن کیا گیا۔ (۵۳)

عبدالرحیم بن عبدالکبیر:

عبدالرحیم بن عبدالکبیر، ابن ہوازن، ابونصر قشیری، آپ نے اپنے والد اور امام الحرمین سے نظامیہ نیشاپور میں تعلیم حاصل کی اور ایک جماعت سے حدیث روایت کی۔ آپ ذہین وفطین، دلیر، حاضر جواب، فصیح اللسان اور ماہر تھے۔ آپ بغداد آئے اور وہاں وعظ کیا۔ جس کے باعث حنابلہ اور شافعیہ کے درمیان

جنگ ہوئی۔۵۱۴ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔(۵۴)

عبدالرزاق بن عبداللہ:

عبدالرزاق بن عبداللہ ابن علی بن اسحاق طوسی، آپ نظام الملک طوسی کے بھتیجے تھے۔آپ نے امام الحرمین ابوالمعالی الجوینی سے فقہ پڑھی۔آپ مفتی اور مناظر تھے۔آپ ملک سنجر کے وزیر بھی بنے۔۵۱۵ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔(۵۵)

عبدالغافر بن اسماعیل:

عبدالغافر بن اسماعیل ابن عبدالقادر بن محمد بن عبدالغافر بن احمد بن سعید ایرانی، الحافظ، آپ نے امام الحرمین ابوالمعالی الجوینی سے فقہ پڑھی اور ابوالقاسم قشیری سے سماع کیا۔آپ فاضل اور دیندار تھے۔ آپ نے مختلف شہروں کی طرف سفر کیا، اور لوگوں نے آپ سے سماع کیا۔نیشاپور کی خطابت سنبھالی۔ ۵۵۱ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔(۵۶)

محمد بن احمد ابن ابی الفضل الماحانی:

محمد بن احمد ابن ابی الفضل الماحانی، آپ آئمہ شافعیہ میں سے تھے۔آپ نے امام الحرمین ابوالمعالی الجوینی سے فقہ سیکھی۔طلبِ حدیث کے لیے سفر کیا۔آپ مدرس، مفتی اور مناظر تھے۔

آپ نے ۵۲۵ھ میں ۹۰ سال سے زیادہ عمر پا کر وفات پائی اور بلادِ مرو میں ماحان بستی میں دفن ہوئے۔(۵۷)

ابوالمظفر احمد بن محمد المظفر الخوافی:

ابوالمظفر احمد بن محمد المظفر الخوافی (۵۸)، الفقیہ الشافعی، آپ اپنے زمانے کے لوگوں سے بڑے دانا تھے۔ آپ نے امام الحرمین ابوالمعالی الجوینی سے فقہ سیکھی اور آپ کے بڑے شاگردوں میں سے ہو گئے۔ آپ طوس اور اس کے نواح کے قاضی بنے، آپ علماء میں حسنِ مناظرہ اور مدِّ مقابل کو خاموش کر دینے میں مشہور تھے۔ اشتغال علم میں ابوحامد امام غزالی کے رفیق تھے۔ امام غزالی کو اپنی تصانیف میں اور الخوافی کو اپنے مناظرات میں سعادت ملی۔ ۵۰۰ ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ (۵۹)

۱۹۔ ابوالفتح حداد:

ابوالفتح حداد، احمد بن محمد اصفہانی، آپ نے نظامیہ نیشاپور میں تعلیم حاصل کی اور نظامیہ بغداد میں تدریس کے فرائض انجام دیے۔ (۶۰)

۹۵۔ ابوعبداللہ محمد بن الفضل:

ابو عبداللہ محمد بن الفضل بن احمد بن محمد بن احمد بن ابی العباس، الصاعدی، الفراوی (۶۱)، نیشاپوری، الملقب کمال الدین، الفقیہ المحدث، آپ امام الحرمین ابوالمعالی الجوینی کی مجلس میں آیا کرتے تھے، آپ نے ان سے اصول کا حاشیہ لکھا، اور صوفیاء کے درمیان پرورش پائی۔ آپ فقیہ، محدث، مناظر اور واعظ تھے۔ (۶۲)

ابوالحسن محمد بن حاتم بن عبدالرحمٰن الطائی:

ابوالحسن محمد بن حاتم بن عبدالرحمٰن الطائی، اہل طوس میں سے تھے۔ نیشاپور آئے اور امام الحرمین

الجوینی سے کسب علم کیا۔ آپ نے سماع حدیث کے لیے عراق، شام اور حجاز کا سفر کیا، پھر نیشاپور واپس
آ گئے۔ جمادی الاول ۵۱۲ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ (۶۳)

ایران کے علماء وادبا کا بہت بڑا گروہ مدارس نظامیہ کا تعلیم یافتہ اور تربیت یافتہ تھا۔ (۶۴) انوری،
ابیوردی اور ظہیر فاریابی وغیرہ نامور شعراء نے بھی نیشاپور کے مدرسہ نظامیہ میں تحصیل علم کی تھی۔ (۶۵)

امام الحرمین کے شاگرد شیخ ابوالقاسم انصاری مدرسہ کی لائبریری کے نگران تھے۔ (۶۶)

نظامیہ اصفہان

عراق عجم میں، اصفہان بھی ایک ممتاز شہر ہے۔ اصفہان چوتھی صدی ہجری میں شیعی مذہب کے امراء کا مرکز حکومت بنا۔ آل زیاد اور آل بویہ نے اسے اپنا مستقر بنایا۔ سلاجقہ کے زمانے میں اصفہان اسلام کا سیاسی مرکز اور اس زمانہ کے دنیا کے بڑے شہروں میں سے ایک شہر بنا۔ مشہور ایرانی شاعر اور سیاح ناصر خسرو نے سلجوقی حکومت کے آغاز میں اصفہان کی سیر کی تھی، وہ لکھتا ہے:

''میں نے فارسی بولنے والوں کے پورے علاقے میں اصفہان سے بڑھ کر صاف، بڑا اور آباد شہر نہیں دیکھا۔'' (٦٧)

ابن بطوطہ لکھتا ہے:

'' اپنی آبادی، رونق، ثروت اور خوبیوں کے باعث اصفہان مشہور آفاق تھا۔ چنانچہ اس کا نام ہی 'اصفہان نصف جہان' پڑ گیا تھا۔ یعنی جس نے اصفہان کی سیر کر لی، اس نے آدھی دنیا کی سیر کر لی۔ (٦٨)

اصفہان آل سلاجقہ کے دور میں ایک اہم علمی و ادبی مرکز رہا۔ تین عظیم سلجوقی بادشاہوں یعنی طغرل بیگ، الپ ارسلان اور ملک شاہ سلجوقی کے عہد حکومت اور خواجہ نظام الملک کے دورِ وزارت میں اصفہان نے نمایاں ترقی کی۔ ملک شاہ سلجوقی نے اصفہان کو اپنا مستقر حکومت بنایا اور مشہور مدرسہ ملک شاہی کی بنیاد رکھی۔ خواجہ نظام الملک نے مدرسہ نظامیہ قائم کیا جو اہمیت میں نیشاپور کے بعد آتا تھا۔ خواجہ نے خجندی

خاندان کے افراد کو شہر کی مذہبی سرداری اور مدرسہ نظامیہ میں تدریس پر مقرر کیا۔ (۶۹)

مدرسہ نظامیہ اصفہان میں ایک بڑا کتب خانہ بھی موجود تھا جو ایک وسیع مدرسہ کی ضروریات کے مطابق تھا۔ عماد کاتب اصفہانی اور جمال الدین قفطی نے اس کتاب خانے کے لیے مختص لائبریرین اور اس کی نفیس کتابوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ (۷۰)

ذوقِ تعمیر میں سلجوقی بہت ممتاز سمجھے جاتے تھے، اس لیے نظام الملک کی تعمیرات بھی عجائبات میں شمار کی جاتی ہیں۔ اس کی مثال نظامیہ اصفہان میں ایک مینارہ کا زینہ تھا، چنانچہ مینارہ پر جانے کے لیے اگر بیک وقت تین آدمی اس کی تیز سیڑھیوں پر چڑھیں تو مینارہ کے اوپر پہنچنے تک ان میں سے کوئی دوسرے کو نظر نہیں آتا تھا۔ (۷۱)

مدرسہ نظامیہ اصفہان اپنے معروف مدرس صدرالدین خجندی کے نام پر ''صدریہ'' کے نام سے مشہور ہوا۔ (۷۲) یہ خاندان اصفہان کے سربرآوردہ شافعیہ میں سے تھا۔ اس خاندان کے کئی افراد مدرسہ نظامیہ بغداد میں بھی منصب تدریس پر فائز ہوئے۔ جن میں سے بعض کا ہم یہاں تذکرہ کرتے ہیں:

محمد بن ثابت بن الحسن بن علی بن ابوبکر خجندی (م ۴۸۳ھ)

محمد بن ثابت بن الحسن بن علی بن ابوبکر خجندی، آپ کو نظام الملک نے مرو سے اصفہان بلایا۔ (۷۳) اور نظامیہ اصفہان میں منصبِ تدریس آپ کو سونپا۔ آپ کا شمار اصفہان کے آئمہ علماء میں ہوتا تھا۔ اطراف واکناف کے لوگ نظامیہ اصفہان کے لیے رختِ سفر باندھ کر حاضر ہوتے اور آپ سے کسبِ علم کرتے۔ آپ ''روضۃ المناضر و زواھر الدار'' کے مولف ہیں۔ ۴۸۳ھ میں آپ کا انتقال

ہوا۔(۷۴)

احمد بن محمد بن ثاقب ابن الحسن ابوسعد خجندی

احمد بن محمد بن ثاقب ابن الحسن ابوسعد خجندی، آپ نظامیہ اصفہان کے طالب علم تھے۔آپ نے اپنے باپ امام ابوبکر خجندی اصبہانی سے فقہ سیکھی اور بغداد میں کئی بار نظامیہ کی تدریس سنبھالی۔ ۵۳۱ھ میں نوے سال کی عمر میں آپ نے اصفہان میں وفات پائی۔(۷۵)

ابوعلی اصفہانی:

ابو علی اصفہانی، حسن بن سلیمان بن فتی نہروانی، نظامیہ اصفہان میں آپ نے فقہ پڑھی۔(۷۶) ۵۲۱ھ میں آپ نے نظامیہ بغداد میں منصب تدریس سنبھالا اور اپنی وفات تک یعنی شوال ۵۲۵ھ تک اس پر برقرار رہے۔(۷۷)

الحسن بن محمد بن الحسن المعروف شیخ فخر الدین ابوالمعالی

آپ نے آل خجند کی نیابت میں نظامیہ اصفہان میں تدریس کے فرائض انجام دیے۔ ۵۵۹ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔(۷۸)

قاضی ارجانی:

قاضی احمد بن محمد ارجانی، اہواز کے ایک قصبہ ارجان کے رہنے والے تھے۔آپ نے نظامیہ اصفہان میں تعلیم حاصل کی اور منصب قضا پر فائز ہوئے۔(۷۹)

ابوالعباس احمد بن سلامہ ابن عبداللہ الرطبی

آپ نے نظامیہ بغداد میں ابو اسحاق شیرازی اور ابن صباغ سے اور نظامیہ اصفہان میں ابو بکر جخندی سے فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ ۵۲۷ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔(۸۰)

اوقاف

مدرسہ نظامیہ اصفہان کے لیے درس ہزار دینار کی جاگیر اور جائداد وقف تھی۔(۸۱)

نظامیہ مرو

نیشاپور اور اصفہان کے بعد مرو کا درجہ ہے۔ یہ شہر مرو شاہجہاں کے نام سے تاریخ میں مشہور ہے۔ مرو کا تاریخی شہر اسلامی علوم و معارف کی تاریخ میں ایک ممتاز مقام کا حامل ہے۔ عہد اموی میں خراسان کا مرکز یہی شہر تھا۔ عباسی دعوت کا مرکز بھی مرو ہی تھا۔ اس قدیم شہر نے چھ صدیوں سے زیادہ عرصہ تک فارسی اور عربی علم و ادب کی جو خدمت کی، اس نے اس شہر کو اسلامی علوم و معارف کے ایک پر رونق مرکز کے طور پر ہمیشہ کے لیے مشہور کر دیا۔

عباسی خلیفہ مامون الرشید کے عہد میں ابتدأ دارالسلطنت رہا۔ سلجوقی دور میں ممتاز مقام اور نمایاں رونق و شان حاصل کی۔ طغرل بیگ کے بھائی چغری بیگ داؤد کا پایہ تخت بھی یہی شہر تھا۔ چغری بیگ کے بعد اس کا بیٹا الپ ارسلان مرو ہی کا حاکم تھا۔ یہیں نظام الملک نے اس کی ملازمت اختیار کی تھی۔ گویا خواجہ نظام الملک کی بلند اقبالی کا نقطہ آغاز بھی مرو ہی تھا۔ اخیر اخیر میں سنجر سلجوقی کا دارالحکومت بھی یہی تھا۔

بالخصوص بادشاہ سنجر کے نسبتاً طویل دور میں مرو کا شمار اہم علمی مراکز میں ہونے لگا اور شرقِ اسلام کے بہترین حصہ کی فرماں روائی کا مرکز بنا۔ سلطان سنجر کو اس شہر سے خاص تعلق و وابستگی تھی۔ اپنی وسیع و عریض سلطنت کے باوجود اس نے مرو کو تمام شہروں پر ترجیح دی اور آخر دم تک وہ اس شہر میں رہا۔ (۸۲)

مرو میں مدارس، علمی مجامع، اور اہم کتب خانوں کی موجودگی، گویا علم و ادب کے پیاسوں کے لیے اس میں سیرابی کا کافی سامان تھا۔ مشہور اسلامی مورخ اور جغرافیہ دان یاقوت حموی نے ایک عرصہ تک

اس شہر کے نفیس علمی خزانوں سے استفادہ کیا اور اس کے خرمن دانش کی خوشہ چینی کی ہے۔ جب اسے مغلوں کے قبضہ کے خطرہ کے پیش نظر اس شہر سے مجبوراً نکلنا پڑا تو اس وقت اس نے شہر سے اپنی وابستگی اور گہرے تاثرات کو یوں بیان کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے:

''۶۱۶ھ میں مجھے مرو شہر چھوڑنا پڑا تو اس وقت یہ شہر اہم ترین علمی و سماجی مقام رکھتا تھا۔ میں تین سال تک اس شہر میں مقیم رہا ہوں اور اگر مغلوں کے حملہ کا خطرہ نہ ہوتا تو میں آخری سانس تک یہاں سے نہ نکلتا۔ اس شہر میں وقف کردہ کتابوں کے دس خزانے تھے کہ میں نے کتابوں کی بہتات اور خوبی کے لحاظ سے دنیا میں ان کی نظیر نہیں پائی۔ ان میں سے ایک خزانۃ الکتب نظام الملک حسن بن اسحاق تھا جو اس کے مدرسے میں تھا: ان کتب خانوں سے استفادہ بہت ہی آسان تھا۔ ان کتب خانوں کی دوسو سے زیادہ کتابیں جن کی قیمت دوسو دینار تھی۔ کسی زرِ ضمانت کے بغیر میرے گھر میں تھیں۔ میں جستجو و تحقیق سے ان کتابوں کا مطالعہ کرتا رہا اور ان سے خوب استفادہ کرتا رہا۔ ان کتابو ں کی محبت نے ہر شہر اور علاقے کو مجھ سے بھلا دیا اور مجھے اہل و عیال سے بھی غافل کر دیا۔ اس کتاب (معجم البلدان) اور میری دیگر تصانیف کے مطالب دراصل ان نفیس خزانوں سے میری خوشہ چینی کے

ثمرات ہیں۔" (۸۳)

محرم ۶۱۷ھ کے اوائل میں مغلوں نے مرو شہر پر قبضہ کرنے کے بعد شہر کے چھوٹے بڑے تمام باشندوں کو تہہ تیغ کر دیا اور کسی ایک کو بھی زندہ نہ رہنے دیا۔ اس کے بعد شہر کو آگ لگا دی۔ خزانوں اور دفینوں کے لالچ میں قبروں کو اکھاڑا اور اسی طرح مسجدوں، انجمنوں، مدرسوں اور دیگر شاندار عمارتوں کو ویرانے میں بدل دیا۔ (۸۴)

خواجہ نظام الملک مدارس نظامیہ کی تاسیس کے لیے جب کسی شہر کا انتخاب کرتا تھا تو ہر چیز سے زیادہ اس مقام کی علمی و سماجی حیثیت کو مدِ نظر رکھتا تھا۔ اس نے ان مدارس میں سے ایک مرو میں بنایا جو خراسان کے بڑے شہروں میں سے ایک تھا اور علمی و ادبی رونق کا حامل تھا۔ نظامیہ مرو پانچویں صدی ہجری کے نصف دوم سے لے کر ساتویں صدی ہجری کے اوائل، جس کے نفیس کتب خانہ کا تذکرہ یاقوت نے کیا ہے، تک قائم ودائم رہا۔ (۸۵)

تاہم ہمیں اس مدرسہ کے کام کی کیفیت اور اس کے آغاز و انجام کے بارے میں تاریخی معلومات بہت ہی کم دستیاب ہیں۔ ذیل میں نظامیہ میں مقیم رہنے والے چند مدرسین اور طلباء کا تذکرہ پیش کیا جاتا ہے۔

ابوالفتح اسعد بن ابی نصر بن ابی الفضل المیہنی:

ابوالفتح اسعد بن ابی نصر بن ابی الفضل المیہنی، الفقیہ الشافعی، الملقب مجد الدین، آپ فقہ اور خلافیات میں سبقت کرنے والے امام تھے۔ آپ نے نظامیہ مرو میں فقہ کی تعلیم حاصل کی، پھر غزنی چلے گئے

اور اس علاقے میں شہرت پائی اور آپ کے کمال کی خبر پھیل گئی۔ پھر آپ بغداد آئے۔

بغداد میں دو مرتبہ مدرسہ نظامیہ کی تدریس آپ کے سپرد کی گئی۔ پہلی مرتبہ ۵۰۷ھ میں، پھر ۱۸ شعبان ۵۱۳ھ میں آپ کو معزول کر دیا گیا۔ دوسری مرتبہ شعبان ۵۱۷ھ میں، پھر آپ اسی سال ذوالقعدہ میں العسکر شہر کی طرف چلے گئے اور لوگوں نے آپ سے اشتغال کیا اور آپ سے فائدہ اٹھایا۔ ۵۲۷ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ (۸۶)

ابو بکر السمعانی محمد بن منصور:

ابو بکر السمعانی (۸۷) محمد بن منصور ابن محمد بن عبد الجبار، آپ نے بہت سماع حدیث کیا، حدیث کا درس دیا اور نظامیہ بغداد اور مرو میں وعظ کیا۔ مرو میں ۱۴۰ مجالس املاء کروائیں۔ آپ کو حدیث کی معرفت تامہ حاصل تھی۔ آپ ادیب، شاعر اور فاضل آدمی تھے۔ ۵۱۰ھ میں ۴۳ سال کی عمر میں مرو میں آپ نے وفات پائی۔ (۸۸)

نظامیہ موصل

موصل کا شہر جزیرہ عراق و ایران کی شاہراہوں کا نقطہ اتصال ہے۔ یہ مقام اسلام سے پہلے بھی موجود تھا۔ لیکن اس وقت اس کی حالت یہ تھی کہ ایک قلعہ اور اس کے پاس عیسائیوں کے چند معبد تھے۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں شہر کی حیثیت سے آباد ہوا۔ ہرثمہ بن عرفجہ نے اس کی بنیاد رکھی اور قبائل عرب کے متعدد محلے آباد کیے۔ ایک خاص جامع مسجد بھی تعمیر کرائی۔ (۸۹) یہ مشہور ہے کہ دنیا کے بڑے شہر تین ہیں۔ نیشاپور جو مشرق کا دروازہ ہے، دمشق جو مغرب کا دروازہ ہے اور موصل جو مشرق و مغرب کی گزرگاہ ہے۔ (۹۰)

نظام الملک نے یہاں بھی ایک مدرسہ قائم کیا تھا جس کے شیوخ میں درجِ ذیل افراد نمایاں ہیں:

ابوالعباس احمد بن نصر انباری

آپ علمائے موصل میں سے تھے۔ مذہب کی کامل معرفت رکھتے تھے۔ ابتدا میں بغداد میں منصب قضا کی نیابت کی، پھر موصل لوٹ گئے اور مدرسہ نظامیہ موصل میں تدریس میں مشغول ہوئے۔ ۵۹۸ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ (۹۱)

ابوحامد محمد بن القاضی کمال الشہر زوری:

ابوحامد محمد بن القاضی کمال الشہر زوری، الملقب محی الدین، آپ بغداد آئے اور شیخ ابومنصور بن الرزاز سے فقہ سیکھی اور ممتاز ہو گئے۔ پھر شام گئے، اور اپنے والد کی نیابت میں دمشق کے قاضی بنے، پھر حلب

گئے اور وہاں بھی اپنے والد کی نیابت میں ماہِ رمضان ۵۵۵ھ میں قاضی بنے۔

آپ کے والد کی وفات کے بعد آپ ملک صالح اسماعیل بن نور الدین حاکمِ حلب کے ہاں بہت بلند مرتبہ ہو گئے۔ اس نے شعبان ۵۷۳ھ میں مملکتِ حلب کی تدبیر آپ کے سپرد کر دی۔ پھر آپ موصل چلے گئے، وہاں کے قاضی بنے، اور اپنے والد کے مدرسہ نظامیہ میں پڑھانے لگے اور حاکمِ موصل عز الدین مسعود بن قطب الدین مودود بن زنگی کے ہاں صاحبِ مرتبہ ہو گئے۔ حاکمِ موصل کی جانب سے کئی بار اس کے سفیر بن کر بغداد آئے۔ (۹۲)

آپ کی ولادت ۵۱۰ھ میں اور بعض کے قول کے مطابق ۵۰۹ھ میں ہوئی۔ آپ کی وفات ۱۴ جمادی الثانی ۵۸۰ھ کو بدھ کی صبح کاذب کے وقت موصل میں ہوئی۔ بعض نے تاریخِ وفات ۱۳ جمادی الثانی بیان کی ہے۔ (۹۳)

نظامیہ آمل

آمل طبرستان کے بڑے شہروں میں سے ایک ہے۔ عہد سلاجقہ میں اسے مرکزی حیثیت حاصل تھی۔(۹۴) طبرستان کا مشہور شہر آمل بھی نظام الملک کی فیاضیوں سے محروم نہ رہا اور یہاں بھی اس نے ایک مدرسہ قائم کیا۔ اس مدرسہ سے درجِ ذیل نمایاں شخصیات وابستہ رہیں:

۲۵۔ ابوالمحاسن الرویانی:

عبدالواحد بن اسماعیل ابوالمحاسن الرویانی، آپ طبرستان کے باشندے تھے۔ آئمہ شافعیہ میں سے تھے۔ ۴۱۵ھ میں پیدا ہوئے۔ آفاق کی طرف سفر کیا اور ماوراء النہر تک پہنچ گئے۔(۹۵)

آپ اپنے زمانے میں، مذہب، اصول اور خلاف کے رؤوس الا فاضل میں سے تھے۔ آپ نے ابوالحسین عبدالغافر ابن محمد الفارسی سے میا فارقین میں اور ابوعبداللہ محمد بن بیان بن محمد الکارزونی سے سماع کیا اور فقہ شافعی کی تعلیم حاصل کی۔ زاہر بن طاہر الشمامی وغیرہ نے آپ سے روایت کی ہے۔ آپ کو بڑی عزت وجاہ حاصل تھی، نظام الملک طوسی آپ کے کمالِ فضل کی وجہ سے آپ کی بہت تعظیم کرتا تھا۔ آپ بخارا گئے اور مدت تک قیام کیا۔ غزنی اور نیشاپور آئے اور فضلاء سے ملاقات کی، ناصر مروزی کی مجلس میں حاضر ہوئے اور اس سے وابستہ ہو گئے اور حدیث کا سماع کیا۔ طبرستان میں مدرسہ آمل تعمیر کیا اور پھر ری منتقل ہو گئے اور وہاں پڑھایا۔(۹۶)

آپ نے مفید کتابیں تصنیف کیں، جن میں ''البحر فی الفروع'' بھی ہے جو غرائب وغیرہ کی

جامع ہے۔ مثل مشہور ہے: ''حدث عن البحر و لا حرج ''یعنی البحر سے روایت کروکوئی حرج کی بات نہیں۔(۹۷)

آپ کی تصانیف میں ''مناصبص الامام الشافعی ''، ''الکافی'' اور ''حلیۃ المومن'' ہے۔ آپ نے اصول اور خلاف کے متعلق بھی کتابیں لکھی ہیں۔آپ کہتے تھے کہ اگر امام شافعی کی کتب جل جائے تو میں انہیں اپنے دل سے املا کرادوں گا۔(۹۸)

آپ ۵۰۲ھ میں جمعہ کے روز جو عاشورا کا دن تھا، جامع طبرستان میں مظلومانہ طور پر قتل کیے گئے۔ آپ کو طبرستان کے ایک باشندے نے قتل کیا۔(۹۹) ابن خلکان نے لکھا ہے کہ آپ کو ۱۱محرم ۵۰۲ کو جمعہ کے روز آمل کی جامع مسجد میں ملاحدہ نے قتل کیا۔(۱۰۰)

۷۴۔ابوجعفر اللارزی محمد بن علی بن محمد:

محمد بن علی بن محمد بن شہفیروز بن ماحیا اللارزی الطبری ابوجعفر، الفقیہ الشافعی، آپ نے طبرستان میں فقیہ ابوالمحاسن الواحد بن اسماعیل رویانی سے، نیشاپور میں علی بن عبداللہ ابی صادق الحیری اور ابوبکر عبدالغفار بن محمد الشیروی سے، اور مکۃ المکرمہ میں قاضی ءمکہ ابو نصر عبدالملک بن ابی مسلم بن ابی نصر النہاوندی سے سماع کیا۔ پھر آپ بغداد آئے، نظامیہ میں قیام کیا اور اپنے وقت کے شیوخ سے بہت سماع کیا۔ آپ صادق، فاضل، متدین اور احسن طریقے پر تھے۔آپ نے اپنی کتابیں نظامیہ کو وقف کیں۔ ۵۱۸ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔(۱۰۱)

ہبۃ اللہ بن سعد رویانی

ہبۃ اللہ بن سعد رویانی، آمل طبرستان کے رہنے والے تھے۔ ابوالمحاسن رویانی کے پوتے تھے۔ حافظِ قرآن تھے۔ آپ نے نظامیہ آمل میں تدریس کے فرائض انجام دیے۔ ۵۴۷ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔(۱۹۲)

نظامیہ بصرہ

عراق عرب میں بغداد کے بعد دوسرا اہم شہر بصرہ ہے۔ فاروق اعظمؓ کے عہد میں آباد ہوا۔ ''بصرہ'' کے لفظی معنی ہیں ''سیاہ سنگریزے''۔ چونکہ یہاں ایسے سنگریزے تھے، لہٰذا یہ نام رکھ لیا گیا۔ (۱۰۳) بصرہ ہی وہ مقام ہے جہاں عربی صرف و نحو نے جنم لیا۔ عربی علم عروض اور موسیقی کی بھی یہیں سے ابتداء ہوئی۔ (۱۰۴)

بصرہ عہد اسلامی میں علم وفن کا ایک بڑا مرکز تھا۔ یہاں بھی نظامیہ نام کا مدرسہ قائم کیا گیا تھا۔ اس کی عمارت وسعت میں بغداد کے نظامیہ سے بڑی تھی۔ یہ مدرسہ حضرت زبیر بن العوامؓ کے مزار کے متصل تھا۔ (۱۰۵) آخری عباسی خلیفہ مستعصم باللہ کے عہد میں یہ مدرسہ برباد ہوا اور اس کا تمام سامان بغداد منتقل ہوگیا۔ (۱۰۶)

نظامیہ بصرہ کے شیوخ میں محمد بن قیان انباری اہمیت کے حامل ہیں۔

محمد بن قیان انباری

مدرسہ نظامیہ بصرہ کے مدرسین میں سے ایک محمد بن قتان بن حامد بن طیب معروف بہ ابوالفضل انباری تھے۔ آپ نے نظامیہ بغداد میں شیخ ابواسحاق شیرازی سے فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ اور نظامیہ بصرہ میں تدریس کے فرائض انجام دیے۔ ۵۰۳ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ (۱۰۷)

نظامیہ ہرات

افغانستان کے حد شمالی پر ہرات واقع ہے۔ عہد سلجوقیہ میں یہ شہر صوبہ خراسان میں بہت مشہور تھا۔ ہرات کا شہر مغلوں کے حملہ سے پہلے خراسان کے چار بڑے اور عمدہ شہروں میں شمار ہوتا تھا۔ یاقوت نے ۶۰۷ھ میں ہرات شہر دیکھا اور اسے خراسان کے اہم شہروں میں قرار دیا۔ وہ لکھتا ہے:

''میں نے اس سے زیادہ صاف اور وسیع شہر نہیں دیکھا۔ خاص طور پر کہ یہ شہر علماء و فضلاء کے وجود سے پر تھا۔ مگر افسوس کہ کافر مغلوں نے ۶۱۸ھ میں اس پر حملہ کیا اور اسے ویران کر دیا۔'' (۱۰۸)

خواجہ نظام الملک نے جب مدرسہ نظامیہ ہرات کی بنیاد رکھی تو منصبِ تدریس کے لیے محمد بن علی بن حامد (۴۹۵ھ) کو غزنین سے طلب کیا۔ (۱۰۹) مدرسہ کے دیگر اساتذہ میں ابوسعد محمد بن یحییٰ معروف ہیں۔

ابوسعد محمد بن یحییٰ:

ابوسعد محمد بن یحییٰ بن ابی منصور نیشاپوری، الملقب محی الدین، الفقیہ الشافعی، متاخرین کے استاد اور علم و زہد کے لحاظ سے ان میں یکتا تھے۔ آپ نے حجۃ الاسلام ابو حامد غزالی اور ابوالمظفر احمد بن محمد الخوافی سے فقہ سیکھی، اور فقہ میں کمال حاصل کیا آپ نے مدرسہ نظامیہ نیشاپور اور ہرات میں بھی پڑھایا۔ (۱۱۰)

نویں صدی ہجری کے مشہور شاعر، مصنف اور صوفی بزرگ مولانا عبدالرحمٰن جامی (م) کی مدرسہ نظامیہ ہرات میں تحصیلات اس علمی و تعلیمی مرکز کی کارکردگی کے دوام پر دلالت کرتی ہیں جو چار صدیوں (یعنی ابتدائے قیام مدرسہ سے لے کر اس زمانہ تک) پر پھیلی ہوئی ہیں۔ (۱۱۱)

نظامیہ بلخ

بلخ، خراسان کا ایک قدیم شہر ہے۔ یہ شہر منگولوں کے حملے سے پہلے خصوصاً پانچویں اور چھٹی صدی ہجری میں علوم و معارف اسلامی کے بڑے مراکز میں سے ایک تھا۔ مدارس کے وجود اور علماء، شعراء و فضلاء کی کثرت نے اس شہر کو خاص رونق و اعتبار بخشا تھا۔ (۱۱۲)

ابن حوقل شہر اور اس کے گرد و نواح کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

> ''یہ بہت پرانا شہر ہے اور ہمیشہ سے معروف ہے۔ سوداگر یہاں ہر طرف سے آتے اور ہر طرح کا سامان تجارت لاتے ہیں۔ یہاں کے باشندوں کا علمی ذوق بہت بلند ہے اور انھوں نے اپنے آپ کو فقہ اور علمی مباحث میں ممتاز کیا ہے، چنانچہ ان میں سے بہت سوں کا شمار ناموروں میں ہے۔'' (۱۱۳)

نظام الملک نے یہاں بھی مدرسہ نظامیہ قائم کیا۔ مدرسہ نظامیہ بلخ بہت مشہور ہوا اور صدیوں تک قائم رہا۔ نظامیہ بلخ کے اساتذہ میں سے بعض یہ ہیں:

ابوعلی حسن بن علی وخشی بلخی

آپ حدیث و فقہ پر عبور رکھتے تھے۔ خواجہ نظام الملک کی بلخ آمد پر ابوعلی سے خواجہ کا تعارف ہوا۔ خواجہ نظام الملک نے انہیں مدرسہ میں بٹھایا اور سنن ابوداؤد اور دیگر کتب ان کے سامنے پڑھیں۔ خود ابوعلی

وخشی کا کہنا ہے کہ خدا نے خواجہ نظام الملک کو یہ توفیق بخشی کہ اس نے یہ مدرسہ بنایا، میں نے وہاں قیام کیا اور املائے حدیث میں مشغول ہوا۔ (۱۱۴)

عبداللہ بن طاہر اسفرائنی

آپ آئمہ اصول وفروع میں سے تھے، صاحب جاہ و مال اور صاحب وجاہت وسخاوت تھے۔ آپ نے بلخ میں قیام کیا اور مدرسہ نظامیہ میں مدرس کے فرائض انجام دیے۔ ۴۸۸ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ (۱۱۵)

ابوالمحاسن محمد بن ابوالقاسم عبداللہ بن طاہر

آپ نے اپنے والد عبداللہ بن طاہر کی وفات کے بعد نظامیہ بلخ میں تدریس کے فرائض انجام دیے۔ ۵۰۲ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ (۱۱۶)

ابوحفص، عمر بن احمد بن لیث طالقانی

آپ بلخ کے صوفیاء وفقہاء میں سے تھے۔ آپ نے نظامیہ بلخ میں معید کے فرائض انجام دیے۔ ۵۳۶ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ (۱۱۷)

ابوسعد، آدم بن احمد بن اسد ہروی

آپ اہل ہرات میں سے تھے۔ آپ نے بلخ میں اقامت اختیار کی۔ نحویوں اور لغویوں سے مناظرے کیے۔ اچھے شاعر وادیب تھے۔ نامور ادیب رشید وطواط نے نظامیہ بلخ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر تعلیم حاصل کی۔ ۵۳۶ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ (۱۱۸)

ابوالفتوح نصراللہ بن منصور بن سھل الدوینی

آپ نظامیہ بغداد میں امام غزالی کے درس میں شریک ہوئے (۱۱۹) اور پھر خراسان چلے گئے۔ جہاں نیشاپور اور مرو میں تعلیم حاصل کی، آخرکار بلخ پہنچے اور نظامیہ بلخ میں رہائش اختیار کر لی۔ ۵۴۶ھ میں وہیں آپ کا انتقال ہوا۔ (۱۲۰)

رشیدالدین وطواط، سعدالملک محمد بن محمد عبدالجلیل

آپ دربار اتسز خوارزم شاہ کے مشہور شاعر اور ادیب تھے۔ آپ نے نظامیہ بلخ میں ابوسعد، آدم بن احمد بن اسد ہروی سے تعلیم حاصل کی۔ (۱۲۱)

نظامیہ جزیرہ ابن عمر

شہر موصل سے تین دن کی مسافت پر یہ جزیرہ واقع ہے۔ یہ جزیرہ منسوب ہے اس کے بانی حسن بن عمر بن خطاب تغلبی (م۲۵۰ھ) سے (۱۲۲)، بعد میں اس سے نسبت رکھنے والے علماء وادباء ''جزری'' کہلائے۔ ''الکامل فی تاریخ'' کے مصنف علامہ ابن اثیر یہاں کے مشہور علماء میں سے تھے۔(۱۲۳)

جزیرہ کے صوبہ میں ''جزیرہ ابن عمر'' جیسے چھوٹے اور غیر اہم مقام پر بھی نظامیہ کی شاخ موجود تھی۔ ابوشامہ نے ''الروضتین'' میں لکھا ہے کہ ''نظام الملک کے قائم کے ہوئے مدرسے ساری دنیا میں مشہور ہیں، کوئی قریہ ایسا نہیں ہے جہاں اس نے مدرسہ قائم نہ کیا ہو۔ یہاں تک کہ جزیرہ ابن عمر میں بھی (جو دنیا کے آخری سرے پر واقع ہے اور اس کی آبادی بھی کم ہے) ایک بڑا مدرسہ قائم ہے جو رضی الدین کے نام سے منسوب ہے''۔(۱۲۴)

یاقوت نے ابن اثیر کے علاوہ یہاں کے مشہور علماء میں سے دو کا تذکرہ کیا ہے، جو بغداد سے تحصیل علم کے بعد اپنی جائے پیدائش یعنی 'جزیرہ ابن عمر' لوٹے اور درس و تدریس میں مشغول ہوئے۔ جن میں سے ایک ابوالقاسم عمر بن محمد بن عکرمہ الجزری (۵۶۰ھ) ہیں، جنہوں نے بغداد میں تعلیم حاصل کی اور پھر واپس لوٹ کر درس و تدریس میں مشغول ہوئے۔ دوسرے ابوطاہر ابراہیم بن محمد بن ابراہیم الجزری (م۵۷۷ھ)، جو ابن الشاشی کے اصحاب میں سے تھے۔(۱۲۵)

نظامیہ خرگرد (خواف)

خواف خراسان کا ایک وسیع علاقہ ہے جو نیشاپور کے قریب ہے۔ (۱۲۶) یہ دو سو دیہات اور تین شہروں سنجان، سیراوند، اور خرجرد (خرگرد) پر مشتمل ہے۔ اہل علم کی ایک جماعت اس علاقے کی طرف منسوب ہے۔ ان میں سے ایک ابوالمظفر احمد بن محمد الخوانی (۵۰۰ھ) ہیں جو طوس کے قاضی اور امام الحرمین کے ساتھیوں میں سے تھے۔ (۱۲۷)

کسی بھی قدیم مصدر میں اس جگہ نظامیہ کے ہونے کے بارے میں کوئی اشارہ نہیں پایا جاتا۔ اس بارے میں صرف ایک معتبر ثبوت ہے اور وہ ہے مدرسہ کے خراب شدہ دیوان کا ایک حصہ اور خشتی (اینٹوں کا بنا ہوا) کتبہ جو ابھی تک باقی ہے۔ (۱۲۸)

مدرسہ کے خشتی کتبہ کے اس حصے کی ایران کے عجائب گھر میں حفاظت کی جا رہی ہے۔ کتبہ کا متن یوں ہے:

(حسن بن علی) "...... بن اسحاق رضی امیرالمومنین اطال اللہ...."

نظام الملک کے نام کا پہلا حصہ "حسن بن علی" کتبہ سے گر چکا ہے۔ مذکورہ کتبہ آثار قدیمہ کے سلسلہ میں کی جانے والی کھدائیوں کے نتیجے میں مٹی کے تودوں کے نیچے سے ہاتھ لگا۔ یہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھا اور ماہرین کی رائے کے مطابق ایک افتادہ دیوار سے الگ ہو گیا تھا۔ اسے ایران کے آثار قدیمہ کے عجائب گھر واقع تہران میں منتقل کر دیا گیا ہے۔ (۱۲۹)

نظامیہ رے

اس کے باوجود کے رے عہدِ سلجوقی میں سیاسی وعلمی مرکز رہا، لیکن خواجہ نظام الملک کے قائم کردہ نظامیہ رے کے بارے میں ہمیں معلومات دستیاب نہیں ہیں۔ سوائے اس کے کہ اس کے مدرسین میں سے ایک ابوالقاسم مروآبادی منصور بن طاہر بن عبداللہ تھے۔ آپ امام الحرمین الجوینی کے خاص شاگردوں میں سے تھے۔ نظام الملک نے آپ کو نظامیہ رے میں تدریس کے لیے بھیجا۔ ایک عرصے تک آپ نے رے میں قیام کیا۔ ۴۸۰ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ (۱۳۰)

حواشی وحوالہ جات (باب ششم)

۱۔ عبدالرزاق کانپوری، ''نظام الملک طوسی''، نفیس اکیڈمی، کراچی، طبع دوم، ۱۹۶۰ء، ص ۵۳۱

۲۔ السبکی، تاج الدین ابی النصر بدالوھاب ابن تقی الدین، ''طبقات الشافعیۃ الکبریٰ'' طبع اول، مطبعہ حسینیہ مصر، ت ن، ج ۴، ص ۳۱۳

۳۔ ناجی معروف، علماء النظامیات و مدارس المشرق الاسلامی، مطبعۃ الارشاد، بغداد، ۱۳۹۳/ ۱۹۷۳ء، ص ۱۲

۴۔ نوراللہ کسائی، ڈاکٹر، ''مدارس نظامیہ وتاثیرات علمی واجتماعی آن''، چاپخانہ سپہر، تہران، چاپ دوم، ۱۳۶۳ء، ص ۱۷

۵۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانشگاہ پنجاب، لاہور، طبع اول، ۱۹۶۹ء، ج ۲۲، ص ۵۳۴

۶۔ ابن بطوطہ، ''سفرنامہ ابن بطوطہ''، اردو ترجمہ: رئیس احمد جعفری، نفیس اکیڈمی، کراچی، طبع اول، ۱۹۶۱ء، ص ۴۴۹

۷۔ السبکی، طبقات شافعیۃ الکبریٰ، ج ۱، ص ۱۷۳

۸۔ عبدالرزاق کانپوری، نظام الملک طوسی، ص ۵۳۲

۹۔ ابن خلکان، ج ۱، ص ۳۶۱

۱۰۔ ناجی معروف، علماء النظامیات، ص ۴۱

۱۱۔ ایضاً

۱۲۔نور اللہ کسائی، نظامیہ بغداد، ص ۹۰

۱۳۔ایضاً

۱۴۔ناجی معروف، علماء النظامیات، ص ۴۱

۱۵۔تفصیلات کے لیے دیکھیے: نور اللہ کسائی، نظامیہ بغداد، ص ۸۷ تا ۸۹

۱۶۔المنتظم، ج ۹، ص ۱٦۷

۱۷۔اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۱۲/ ۱۴ ص ۴۸۳

۱۸۔نور اللہ کسائی، مدارس نظامیہ، ص ۹۱

۱۹۔ابن اثیر، ج ۹، ص ۴۷

۲۰۔نور اللہ کسائی، نظامیہ بغداد، ص ۹۱

۲۱۔ابو محمد عبداللہ بن یوسف، شافعی عالم، جنھوں نے اپنی زندگی کا زیادہ تر حصہ نیشاپور میں گزارا اور وہیں ۴۳۸ھ / ۱۰۴۷ء میں وفات پائی۔ بحیثیت ایک مصنف کے انہیں فروق المسائل سے زیادہ دلچسپی تھی۔ ان کی تصانیف ''الوسائل فی فروق المسائل'' اور ''الجمع و الفرق'' شافعی فقہ کے مسائل پر مشتمل ہیں۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۷، ص ۵۴۲)

۲۲۔ابن خلکان، ج ۳، ص ۱٦۸

۲۳۔ایضاً

۲۴۔ایضاً، ص ۱٦۹

۲۵۔ابن خلدون جو مشرق و مغرب کے فلاسفہ تاریخ کا سرتاج ہے۔ بمقام تونس ۷۳۲ء میں پیدا ہوا۔ اور ۸۰۸ء میں بمقام مصر وفات پائی۔ وہ آٹھویں صدی ہجری کے مشاہیر سے ہے۔ اس کا نام ابوزید عبدالرحمٰن بن محمد بن محمد بن خلدون ہے۔ ابن خلدون نے علماء و مفکرین میں اپنی ایک کتاب کی وجہ سے شہرت حاصل کی۔ بلکہ اس کتاب کے صرف ایک جز ہی کی وجہ سے اور وہ اس کا مقدمہ ہے۔ اس کی تاریخ کا پورا نام ہے۔ ''العبر و دیوان المبتداوالخبر فی ایام العرب والعجم والبربر ومن عاصرھم من ذوی السلطان الاکبر۔'' اس میں عمرانیات اوران عوارض ذاتیہ سے بحث کی گئی ہے جو اس میں عارض ہوتے ہیں۔ جیسے: ملک، سلطان، کسب معاش، صنائع، علوم اوران کے علل و اسباب۔ ان مباحث پر ابن خلدون نے اس وقت اپنے زرین خیالات کا اظہار کیا جبکہ اہل یورپ پر پردۂ غفلت پڑا ہوا تھا۔ عربوں میں سے بھی ان مسائل پر کسی نے کچھ نہیں لکھا تھا قطع نظر چند منتشر خیالات کے۔ (دیکھیے: مقدمہ ابن خلدون، مترجمہ: مولانا راغب رحمانی، نفیس اکیڈمی، طبع دہم، ستمبر ۱۹۸۶ء، ص ۳۰ تا ۳۷)

۲۶۔اس زمانے کی نمایاں خصوصیات یہ ہیں: (۱) باقاعدہ تحقیق و تفتیش، جس پر معتزلہ کے اثر و نفوذ کے علاوہ (جن کے نظریات کو رد کیا گیا ہے) بعض دیگر جدید اصول بھی اثر انداز ہوئے ہیں۔

(۲) نظریہ علم کی، نیز صفات الٰہیہ کی بحث میں ''احوال'' (modes) پر زور جو اس نیم تصوریت پسند (semi-conceptualist) موقف سے ماخوذ ہے جس کا بانی ابو ہاشم المعتزلی تھا۔

(۳) عقلی طریقوں اور ارسطا طالیسی طرز میں ''تین اصطلاحوں کے ذریعہ استدلال'' کے استعمال کی اہمیت، مثلاً وجود باری تعالیٰ کا ثبوت دیتے وقت، جو بہر حال واجب الوجود، (a novitate) ہے (نہ کہ

امکانی contingentia) علاوہ بریں ارسطاطالیسی قیاسات (syllogisms) پر بھی استدلال،
یعنی دو مقدموں (اصطلاحوں) سے استنباط کا اثر باقی ہے۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۷، ص ۵۴۲)

۲۷۔ ابن خلکان، ج ۳، ص ۱۶۹۔۱۷۰

۲۸۔ ایضاً، ج ۴، ص ۲۱۶

۲۹۔ السبکی، طبقات شافعیة الکبریٰ، ج ۴، ۱۰۷

۳۰۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۲/ ۱۴ ص ۴۸۳

۳۱۔ ابن خلکان، ج ۴، ص ۲۱۸

۳۲۔ ابن عساکر، ''تبیین کذب المفتری''، ص ۲۹۶

۳۳۔ ابن خلکان، ج ۳، ص ۲۸۶

۳۴۔ ایضاً، ص ۲۸۹

۳۵۔ طریثیث، نیشاپور کے نواح میں ایک بڑی جہت ہے، اس میں علماء وغیرہ کی ایک جماعت پیدا ہوئی
ہے۔ (ابن خلکان، ج ۴، ص ۵۹۱)

۳۶۔ ایضاً، ج ۵، ص ۱۹۶

۳۷۔ ایضاً، ص ۱۹۷

۳۸۔ ایضاً، ج ۴، ص ۲۲۳

۳۹۔ ایضاً، ص ۲۲۴

۴۰۔السبکی ،طبقات الشافعیة الکبریٰ،ج ۴،ص ۲۰۰

۴۱۔ابن خلکان، ج ۳،ص ۲۲۵

۴۲۔ایضاً

۴۳۔الارغیانی: یہ نسبت ارغیان کی طرف ہے، یہ نیشاپور کی ایک جہت کا نام ہے جس میں متعدد بستیاں ہیں۔ابن خلکان، ج ۲،ص ۴۳۴

۴۴۔ایضاً

۴۵۔ایضاً

۴۶۔الفراوی: یہ نسبت فراوہ کی طرف ہے، یہ خوارزم کے نزدیک ایک چھوٹا سا شہر ہے۔ جسے فراوہ کا قلعہ کہا جاتا ہے۔اسے عبداللہ بن طاہر نے مامون کے عہد خلافت میں تعمیر کیا تھا۔وہ ان دنوں خراسان کا امیر تھا۔ (ابن خلکان، ج ۴،ص ۲۹۱)

۴۷۔ابن خلکان، ج ۴،ص ۲۹۰

۴۸۔ایضاً،ص ۲۹۱

۴۹۔آپ حافظ ابوالقاسم ابن عساکر مولف تاریخ دمشق کے بھتیجے تھے،ان کے گھرانے میں علماء و روؤساء کی ایک جماعت پیدا ہوئی ہے۔

۵۰۔ابن خلکان، ج ۳،ص ۱۳۵

۵۱۔ایضاً، ج ۴،ص ۲۲۱

۵۲۔ ایضاً، ص ۲۲۲

۵۳۔ ابن کثیر، ج ۱۲، ص ۲۰۹

۵۴۔ ایضاً، ص ۱۸۷

۵۵۔ ایضاً، ص ۱۸۹

۵۶۔ ایضاً، ص ۲۳۵

۵۷۔ ایضاً، ص ۲۰۳

۵۸۔ خواف: نیشاپور کے نواح میں ہے۔ (ابن خلکان، ج ۱، ص ۹۷)

۵۹۔ ابن خلکان، ج ۱، ص ۹۷

۶۰۔ ۳۵۔ جلال الدین ہمائی، ''غزالی نامہ''، انتشارات فروغی، تہران، طبع دوم، ص ۳۱۸

۶۱۔ الفراوی: یہ نسبت فراوہ کی طرف ہے، یہ خوارزم کے نزدیک ایک چھوٹا سا شہر ہے۔

۶۲۔ ابن خلکان، ج ۴، ص ۲۹۰

۶۳۔ سبکی، طبقات الشافعیۃ الکبریٰ، ج ۶، ص ۹۶

۶۴۔ جلال ہمائی، غزالی نامہ، ص ۱۴۸

۶۵۔ ایضاً

۶۶۔ سبکی، طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج ۴، ص ۲۲۳

۶۷۔ ناصر خسرو، ابومعین حمید الدین، سفرنامہ ناصر خسرو، تہران، چاپ دوم، ص ۱۲۳

۶۸۔ابن بطوطہ،سفرنامہ ابن بطوطہ،ص ۲۵۷

۶۹۔جلال ہمائی،غزالی نامہ،ص ۱۵۰

۷۰۔عماد اصفہانی،محمد بن محمد بن حامد،خریدۃ القصرو جریدۃ العصر،مصر،ت ن،ج ۲،ص ۱۸۹

۷۱۔نصر احمد پھلواری،''امام الحرمین عبدالملک جوینی''،مشمولہ: ماہنامہ معارف اعظم گڑھ،دسمبر ۱۹۸۰ء،

ص ۴۱۷۔بحوالہ: محاسن اصفہان،ص ۱۰۴

۷۲۔جلال ہمائی،غزالی نامہ،ص ۱۵۰

۷۳۔ابن اثیر،ج ۸،ص ۲۱۹

۷۴۔جلال ہمائی،غزالی نامہ،ص ۱۵۰

۷۵۔عماد الدین ابی الفداء اسماعیل ابن عمر بن کثیر،''البدایة والنهایة فی التاریخ''،مطبعۃ السعادۃ مصر،

ت ن،،ج ۱۲،ص ۲۱۲

۷۶۔المنتظم،ج ۱۰،ص ۲۲۵

۷۷۔ ابن اثیر،ج ۸،ص ۳۲۴۔۳۲۵

۷۸۔السبکی ، طبقات شافعیة الکبریٰ،ج ۷،ص ۴۴

۷۹۔ابن خلکان،ج ۱،ص ۱۳۴

۸۰۔ابن کثیر،ج ۱۲،ص ۲۰۵

۸۱۔جلال ہمائی،غزالی نامہ،ص ۱۵۰

۸۲۔ نوراللہ کسائی، مدارس نظامیہ، ص ۲۴۰

۸۳۔ یاقوت، شہاب الدین ابوعبداللہ حموی، معجم البلدان، دارالاحیاء التراث العربی، بیروت، ت ن، ج ۵، ص ۱۱۴

۸۴۔ نوراللہ کسائی، مدارس نظامیہ، ص ۲۴۰

۸۵۔ ایضاً

۸۶۔ ابن خلکان، ج ا، ص ۲۰۷۔ ۲۰۸

۸۷۔ سمعانی: یہ نسب سمعان کی طرف ہے، اور یہ تمیم کا ایک بطن ہے۔ (ابن خلکان، ج ۳، ص ۱٦۸)

۸۸۔ ابن کثیر، ج ۱۲، ص ۳۴۴

۸۹۔ البلاذری، ابی الحسن احمد بن یحییٰ بن جابر، فتوح البلدان، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۰ھ/ ۲۰۰۰ء، ص ۳۳۱ تا ۳۳۲

۹۰۔ یاقوت، معجم البلدان، ج ۴، ص ۳۳۹

۹۱۔ السبکی، طبقات شافعیۃ الکبریٰ، ج ٦، ص ٦۷

۹۲۔ ابن خلکان، ج ۴، ص ۲۴٦

۹۳۔ ایضاً، ص ۲۴۷

۹۴۔ یاقوت، معجم البلدان، ج ا، ص ۵۷

۹۵۔ ابن کثیر، ج ۱۲، ص ۱۷۰

۹۶۔ابن خلکان، ج ۳،ص ۱۹۸

۹۷۔ابن کثیر، ج ۱۲،ص ۱۷۱

۹۸۔ابن خلکان، ج ۳،ص ۱۹۸

۹۹۔ابن کثیر، ج ۱۲،ص ۱۷۱

۱۰۰۔ابن خلکان، ج ۳،ص ۱۹۹

۱۰۱۔صفدی، صلاح الدین خلیل بن ایبک، ''الوافی بالوفیات''، دارالنشر شتائیر، ویسبادن آلمان،

۱۹۶۱ء،ص ۱۴۰

۱۰۲۔السبکی، طبقات الشافعیۃ الکبریٰ، ج ۶،ص ۳۲۶

۱۰۳۔اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۴،ص ۵۷۸

۱۰۴۔ R. A. Nicholson, A Literary History of the Arabs, Cambridge University Press, 1962, p.343

۱۰۵۔ذہبی، شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن احمد بن عثمان، ''تذکرۃ الحفاظ، تجارب السلف''، مطبعۃ

معارف العثمانیہ، حیدرآباد دکن، ۱۳۳۳۔۱۳۳۴ھ،ص ۲۷۱

۱۰۶۔عبدالرزاق کانپوری، نظام الملک طوسی، ص ۵۳۶

۱۰۷۔السبکی، طبقات الشافعیۃ الکبریٰ، ج ۶،ص ۱۷۵

۱۰۸۔یاقوت، معجم البلدان، ج ۴،ص ۴۷۱

۱۰۹۔عبدالرزاق کانپوری، نظام الملک طوسی، ص ۵۳۶

۱۱۰۔ابن خلکان، ج ۴، ص ۲۲۳

۱۱۱۔نوراللہ کسائی، مدارس نظامیہ، ص ۲۴۶

۱۱۲۔ایضاً، ص ۲۳۴

۱۱۳۔اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۴، ص ۷۵۹۔۷۶۰

۱۱۴۔ذہبی، تذکرۃ الحفاظ، ج ۳، ص ۳۴۳

۱۱۵۔السبکی، طبقات الشافعیة الکبریٰ، ج ۵، ص ۶۳

۱۱۶۔۔الاسنوی، مال الدین عبدالرحیم، طبقات الشافعیة، دارالکتب العلمیہ، بیروت، طبع اول، ۱۹۸۶ء، ج ۱، ص ۱۹۸

۱۱۷۔السبکی، طبقات الشافعیة الکبریٰ،، ج ۷، ص ۲۰۴

۱۱۸۔یاقوت، معجم الادباء، ج ۹، ص ۱۰۱

۱۱۹۔اسنوی، طبقات الشافعیة، ج ۱، ص ۲۵۷

۱۲۰۔ناجی معروف، علماء النظامیات، ص ۷۰

۱۲۱۔جلال ہمائی، غزالی نامہ، ص ۱۴۹

۱۲۲۔یاقوت، معجم البلدان، ج ۲، ص ۵۷

۱۲۳۔ایضاً

۱۲۴۔ابوشامہ، شہاب الدین عبدالرحمٰن،''الروضتین فی اخبار الدولتین النوریہ والصلاحیہ''،

تحقیق: محمد حلمی، قاہرہ، ۱۹۵۶ء، ج ۱، ص ۶۲

۱۲۴۔یاقوت، معجم البلدان، ج ۳، ص ۵۷

۱۲۵۔ایضاً

۱۲۶۔ابن کثیر، ج ۱۲، ص ۱۶۸

۱۲۷۔یاقوت، معجم البلدان، ج ۲، ص ۲۵۵

۱۲۸۔نوراللہ کسائی، مدارس نظامیہ، ص ۲۳۸۔بحوالہ: ثابتی، تاریخ نیشاپور، ص ۲۸

۱۲۹۔ایضاً

۱۳۰۔ایضاً، ص ۲۴۹

باب ہفتم

مدارسِ نظامیہ کا علمی وفکری کردار

مقالہ ہذا کی تدوین کا اصل مقصد ان آثار ونتائج کی تحقیق ہے جو مدارس نظامیہ (بلخصوص نظامیہ بغداد) نے اپنی کارکردگی کی طویل مدت کے دوران یا بعد کے ادوار کے لیے دنیائے اسلام اور انسانی معاشرے کے لیے بحیثیت کل مرتب کیے ہیں۔ پھر یہ کہ یہ اثرات علمی وعمرانی لحاظ سے کس حد تک سودمند یا نقصان دہ تھے۔

تعلیم کے میدان میں مدارسِ نظامیہ کا قیام نظام الملک طوسی کا بڑا کارنامہ تھا۔ان درسگاہوں نے علمی کارناموں کی تاریخ پر اپنا دوام ثبت کر دیا ہے۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ مدارس نظامیہ کی تعمیر خاص سیاسی و مذہبی عوامل کا نتیجہ تھا۔ان مدارس نے پانچویں صدی کے نصف دوم میں اپنی کارکردگی کے آغاز سے لے کر تین صدیوں سے زیادہ عرصہ تک دنیائے اسلام یا کم از کم عالم اسلام کے مشرقی حصے اور سلجوقی حکام اور عباسی خلفاء کی قلمرو میں سیاسی، علمی اور مذہبی میدانوں میں بے مثال تبدیلیاں پیدا کیں۔ مدارس نظامیہ نے علمی پہلوؤں سے قطع نظر اپنے مذہبی پروگراموں، وعظ و مناظرہ کی پر جوش مجالس کے انعقاد اور مذہبی مجادلوں کے ذریعہ نہ صرف طلبہ و علماء بلکہ ارباب حکومت و سیاست اور عوام الناس کو بھی اپنی طرف متوجہ کر لیا۔

مدارس نظامیہ کو بہت جلد ایسی عالمگیر شہرت ملی کہ یہ پورے عالمِ اسلام میں علماء، فقہاء اور واعظین کا مرکز بن گئے۔ نظام الملک طوسی نے ان مدارس کے اساتذہ کے لیے بیش بہا تنخواہیں اور طلباء کے لیے وظائف مقرر کیے۔اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اہل علم کی سماجی خوشحالی کے میدان میں مطلوب اثرات سامنے آئے۔ اس عمل نے بہت سے اکا ،واعیان کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ خواجہ نظام الملک کی روش کی پیروی کرتے ہوئے رفاہ عامہ کے مراکز اور مدارس اور علمی مجامع (انجمنیں) قائم کریں اور ان امور کو سرانجام دینے کے لیے زیادہ سے زیادہ اموال اور اوقاف مختص کریں۔

علامہ شبلی نعمانی کے الفاظ میں:

''حقیقت یہ ہے کہ نظامیہ کی عزت کچھ اس وجہ سے نہیں ہے کہ وہ دنیا میں سب سے پہلا مدرسہ تھا، بلکہ اس لیے ہے کہ اس کی عالمگیر شہرت

نے تمام پچھلی یادگاروں کو اس طرح دلوں سے بھلا دیا، کہ گویا اس سے

پہلے کوئی دار العلم بنا ہی نہ تھا۔ خود بغداد میں بھی تو اس سے کچھ پہلے

الپ ارسلان سلجوقی کا ایک مدرسہ موجود تھا، جو زر خطیر کے صرف سے

تیار ہوا تھا، مگر آج کتنے آدمی ہیں جو اس کا نام بتا سکیں۔ (۱)

مدارس نظامیہ کے دور کے مذہبی، سیاسی اور علمی اکابر ورجال کے حالات کے مطالعہ وتحقیق سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ ان مدارس نے دینی علوم کی اشاعت وترویج اور بے شمار علمی مراکز کے قیام سے مثبت ومفید اثرات پیدا کیے ہیں۔ جنہیں ہم یہاں مختصراً بیان کرتے ہیں۔

۱۔ مذاہب اہل سنت کی تجدید حیات

تیسری صدی ہجری کے آغاز میں اسلامی فکری زندگی پر مذاہب اہل سنت کی گرفت بتدریج ختم ہو چکی تھی، جو انہیں خلافتِ عباسیہ کے اوائل میں حاصل تھی اور جو ہارون الرشید (۱۷۰ھ / ۷۸۶ء۔ ۱۹۳ھ / ۸۰۹ء) کے زمانہ حکومت میں غلبہ واستحکام میں اپنی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ تیسری صدی ہجری کے قریب آتے ہی فرقہ معتزلہ (۲) کی تحریک، مامون الرشید (۱۹۸ھ / ۸۱۳ء۔ ۲۱۸ھ / ۸۳۳ء) کی تائید وحمایت سے اور لوگوں کو اس مکتب فکر کے عقائد ونظریات قبول کرنے پر آمادہ کرنے سے اپنی عظمت وقدرت کی بلندی پر پہنچ گئی۔ مامون کے بعد دو عباسی خلفاء یعنی معتصم باللہ (۲۱۸ھ / ۸۳۳ء۔ ۲۲۷ھ / ۸۴۲ء) اور واثق باللہ (۲۲۷ھ / ۸۴۲ء۔ ۲۳۲ھ / ۸۴۷ء) نے بھی اس سلسلہ میں اس کی پیروی کی۔ حتیٰ کہ متوکل علی اللہ (۲۳۲ھ / ۸۴۷ء۔ ۲۴۷ھ / ۸۶۱ء) کے دورِ خلافت میں اسماعیلیوں کی دعوت کے آغاز اور پھیلاؤ سے

معتزلہ کی تحریک سستی کا شکار ہوگئی۔ اسماعیلیوں کا خفیہ اور پوشیدہ پروپیگنڈہ دوسری صدی ہجری کے آغاز میں شروع ہوا تھا۔ اس دور میں اسے مستحکم ہونے کا موقع ملا۔ یہاں تک کہ دنیائے اسلام کے مغرب میں فاطمی سلطنت (۳) قائم ہوگئی۔ نئی حکومت نے تھوڑی مدت بعد ہی مصر پر اپنے پنجے مضبوطی سے گاڑ لیے۔ دنیائے اسلام کے مغرب میں جس وقت یہ سیاسی اور مذہبی تبدیلیاں رونما ہو رہی تھیں اس وقت عالمِ اسلام کے مشرقی علاقوں (جیسے فارس و عراق) پر آلِ بویہ نے غلبہ پاکر خلافت عباسی کو اپنا مطیع و فرمانبردار بنالیا اور تشیع کی مکمل حمایت سے آزادانہ شیعی افکار و عقائد کو پھیلانا شروع کردیا۔ (۴)

تھوڑا عرصہ نہ گزرا تھا کہ شیعہ انقلاب کے قائد ارسلان بساسیری نے بغداد پر قبضہ کرلیا اور ۴۵۰ھ میں مصر کے فاطمی خلیفہ مستنصر باللہ (۶۵۹ھ / ۱۲۶۲ء تا ۶۶۱ھ / ۱۲۶۳ء) کا نام خطبہ میں داخل کردیا۔ (۵) اس کے ساتھ ہی شیعوں کا اقتدار بلند ترین مقام پر پہنچ گیا۔ بغداد میں شیعوں کے ساتھ مخصوص عبادات و شعائر کے ساتھ اذان دینے کا مطلب درحقیقت عراق کے علاقہ پر فاطمی خلفاء کی سیادت و غلبہ کا اعلان تھا۔

یہ دور مذاہب اہل سنت کے لیے پرآشوب اور پراز مصائب تھا۔ عین اس وقت جب صورت حال اس قدر خراب ہوچکی تھی کہ خلافت عباسی پر قبضہ کیا جاچکا تھا ایک بے مثال عظیم قوت نے اسلام کے سیاسی افق پر جلوہ نمائی کی۔ یہ قوت خلافت عباسی کی محافظ اور بغداد کے سنی العقیدہ خلفاء کی حامی تھی۔ اس نے اہل سنت کے عقائد کو نئی زندگی بخشی۔ سنی المذہب خلفاء کے احترام و وقار کو بحال کیا۔ خلافت عباسی کے زوال کو روک دیا۔ یہ تازہ دم اور بھرپور قوم سلجوقی ترکمانوں کی حکومت تھی جو مشرقی ایران میں قائم ہوئی اور بہت جلد دارالخلافہ بغداد پہنچی۔

سلجوقی خلافت عباسی کے نگہبان اور اس کے حامی بن کر آئے۔ ۴۵۱ھ میں طغرل بیگ نے ارسلان بساسیری کو قتل کر دیا۔ اور سلجوقی ترک بغداد میں آل بویہہ کے جانشین بنے۔ طغرل بیگ اور اس کے بھتیجے الپ ارسلان نے خلافت عباسی کے اس حصہ کو جو فاطمین مصر کے قبضہ میں چلا گیا تھا ان کے قبضہ سے نکالا۔(۶)

مذاہب اہل سنت اور شیعوں میں نہ صرف فقہی اور مسلکی اختلافات تھے، بلکہ دونوں فرقے سیاسی بالادستی کے لیے جدوجہد کر رہے تھے۔ راسخ العقیدہ علماء اور تعلیمی اداروں دونوں کو فطری طور پر اسماعیلیوں کی قوت میں اضافے پر تشویش تھی، کیونکہ یہ اپنے اثر اور اقتدار کے باعث عوام میں سنی مسلک کی پیروی کو ختم کر سکتی تھی۔ اس سے اس بات کی بھی وضاحت ہو جاتی ہے کہ نظام الملک ملحدین کے خلاف جنگ کرنا کیوں اپنا فرض سمجھتا تھا، وجہ یہ تھی کہ اگر ان کو یوں ہی چھوڑ دیا جاتا تو وہ مذاہب اہل سنت کی بیخ کنی کرتے اور سیاسی اقتدار کو بھی ختم کر دیتے۔(۷)

خلافت عباسی کو ختم کرنے کی کوشش کے نتیجے میں آل بویہہ نے عراق اور خراسان میں جو مضطرب سیاسی حالات چھوڑے تھے۔ اس نے آلِ سلاجقہ اور متعدد علماء کو اس بات پر آمادہ کیا کہ چاروں فقہی مذاہب سے ماخوذ قواعد اسلام کو راسخ و مستحکم کرنے کی خاطر وہ پہلے خراسان اور ماوراء النہر میں مدارس تعمیر کریں اور پھر عراق میں مدرسے قائم کریں اور یوں وہ اس علاقے میں پھیلنے والے باطنی اور اسماعیلی خطروں کا سدباب کریں۔(۸)

یہ بات یقینی ہے کہ تعلیمی طریقے اور تربیتی پروگرام ہی اتنے موثر ہتھیار ہیں کہ جن سے شیعی پروپیگنڈہ

کا مقابلہ کیا جاسکتا تھا۔ درحقیقت تعلیم سے استفادہ ضروری اور ناگزیر دکھائی دیتا تھا تاکہ دوصدیوں (تیسری اور چوتھی صدی) پرمحیط دور میں جو شیعی اور معتزلی تحریکیں مذاہب اہل سنت کو کمزور کرنے کا سبب بنی تھیں ان کے اثرات کو محو کیا جاسکے۔(۹)

اگرچہ اس مدت کے دوران میں اشراف نے مذاہب اہل سنت کی پیروی اختیار کیے رکھی اور اپنے عقائد ونظریات پر کاربند رہے تاہم عامۃ الناس اور معاشرہ کے عام افراد باطنی (۱۰) شیعہ مبلغوں اور ان کے تعلیمی طریقہ کار کے لیے موزوں خام مواد ثابت ہوئے۔ باطنی مبلغ گوناگوں طریقوں سے تبلیغ کرتے۔ عوام کو اپنی طرف مائل کرنے کے لیے جدید فنون اور باطنی شعبدہ بازیوں سے کام لیتے تھے۔ باطنیوں نے اپنے بنیادی اغراض ومقاصد کے لیے پروپیگنڈہ کے جملہ ذرائع اپنائے۔ خفیہ اور اعلانیہ دعوت کا کام کیا۔ باطنیوں نے خلافت عباسیؓ کے کئی سرکردہ افراد اور سرکاری کارندوں کو اپنے ساتھ ملالیا۔ ان باطنیوں نے یہاں تک طاقت کر لی تھی کہ دو بڑے اور خطرناک انقلاب لانے میں کامیاب ہوگئے۔ ایک جمہوری قرمطی بحرین (۱۱) اور دوسرا سلطنت فاطمیہ۔ انہوں نے مغرب اور مصر میں اپنی حکومت قائم کر لی۔ ان کو یہ حیثیت حاصل ہوگئی تھی کہ قریب تھا کہ وہ خلافت عباسی کو خود دارالخلافہ سے ختم کردیں۔ (۱۲)

فاطمیوں کے ہمہ جہت، اساسی تدابیر پر مبنی جملہ پروگراموں اور اسماعیلی شیعوں کے پروپیگنڈے (۱۳) سے پیدا ہونے والے نتائج کے بالکلیہ ازالہ کے لیے چاہیے تھا کہ انہی کی مثل تعلیمی پروگرام بنائے جائیں اور ان پر عمل درآمد کیا جائے اور اسلامی معاشرہ میں قابل لحاظ تعلیمی کارکردگی سے ان سیاسی اور مذہبی مظاہر کا مقابلہ کیا جائے۔ نظام الملک طوسی ایک صاحب علم وزیر اور سیاست ومذہب کے تمام

فنون اور حکمرانی کے جملہ آداب ورسوم سے آگاہ تھا۔ وہ اس حقیقت کو سمجھتا تھا کہ خصوصی مدارس کے قیام سے برپا کی جانے والی تحریک بذات خود ایک بہترین ہتھیار اور مذاہب اہل سنت کی تہذیب کے احیاء واشاعت کے لیے ایک بہترین وسیلہ ہے اور اس سے ہی مخالفین کا مقابلہ بہتر طور پر کیا جاسکتا ہے۔(۱۴) مدارس نظامیہ کے قیام سے نظام الملک نے شافعی، اہل حدیث اور اشعری مذہب سے تعلق رکھنے والے پراگندہ اہل سنت کو یکجا کیا۔ مخالف مذاہب جیسے معتزلہ، شیعہ اور متعدد فرقوں اور ان کی خفیہ وظاہری تنظیموں نے اہل سنت کو جس طرح نقصان پہنچایا تھا اور انھیں ختم کرنے کے درپے ہوگئے تھے، نظام الملک نے اس کے ازالہ کے لیے انہیں متحد ویکجان کیا اور اہل سنت کو مخالف مذاہب کے مقابلے لیے ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا۔(۱۵)

مدرسین نظامیہ بغداد، نظام الملک کے نمائندہ بھی تھے۔ جو اپنے زمانے کے حالات ومسائل کا ادراک رکھتے تھے اور عالم اسلام کی علمی وعملی اور روحانی وفکری رہنمائی کا فریضہ انجام دے رہے تھے۔(۱۶) یہی وجہ ہے کہ پانچویں صدی ہجری میں مذاہب اہل سنت کی تجدید حیات اور کامیابی اور شیعی تحریکوں کی پے درپے سیاسی وفکری شکستوں میں مدارس نظامیہ نے انتہائی اہم کردار ادا کیا اور خلافت عباسیہ اور سلطنت سلاجقہ کو استحکام بخشا۔ انہی اداروں کے ذریعہ نظام الملک نے اپنے زیر انتظام عالم اسلام کی عملی زندگی کو نئی توانائی بخشی۔

۲۔ سرکاری اور قومی مدارس کے قیام کی تحریک

پانچویں صدی ہجری کا نصف دوم اسلامی مدارس کے قیام میں ایک عصر جدید کا آغاز ثابت ہوا۔ خواجہ نظام الملک نے اس کی ابتداء کی کہ سیاسی مفادات اور مملکت کے سرکاری فقہی مذہب کی تائید واشاعت

کی خاطر مدرسہ کے وجود سے استفادہ کیا جائے نیز مخالفین بالخصوص شیعوں اور اسماعیلی فرقہ کے عقائد و آراء کو باطل ثابت کرنے اور ان کا مقابلہ کرنے کے لیے مدرسہ سے خوب استفادہ کیا جائے۔ خواجہ کے اس اقدام سے سرکاری مدارس کے قیام کی راہ ہموار ہوئی۔ (۱۷)

رفتہ رفتہ تمام ممالک محروسہ میں نظامیہ کی طرز پر مدرسے قائم ہوتے چلے گئے۔ ان میں تیس مدرسے بغداد میں تھے، بیس دمشق میں، تیس اسکندریہ میں اور چھ موصل میں۔ قاہرہ، نیشاپور، سمرقند، اصفہان، مرو، بلخ، حلب، غزنی اور لاہور جیسے اہم شہروں میں کم از کم ایک ایک مدرسہ موجود تھا۔ جہاں تک ہسپانیہ کا تعلق ہے، اس کے صرف ایک شہر قرطبہ ہی میں کئی سو مدرسے تھے اور ان کے منجملہ کم از کم چھ مدرسے تو ایسے تھے جن میں دینیات کے ساتھ ساتھ فلسفہ، ادب، تاریخ اور سائنس (ایک درجن شعبے) کی تعلیم دی جاتی تھی۔ (۱۸) چنانچہ چھٹی اور ساتویں صدی ہجری میں اسلامی ممالک میں بہت کم ایسے مقامات ہوتے تھے جو دینی مدارس اور علمی مراکز سے خالی ہوں۔ یہ دور مدارس کی کثرت کے لحاظ سے اسلامی تہذیب و تمدن کی تاریخ میں اہم ترین ادوار میں شمار ہوتا ہے۔ الفرڈ گیام کے الفاظ میں:

> "It would be a positive injustice to belittle the zeal and enthusiasm for learning for the sake of learning which animated large numbers of men throughout the vast (۱۹)Muhammadan empire.

''یہ ماننا پڑے گا کہ یہ مسلمان ہی تھے جنہوں نے اپنی وسیع قلمرو کے اندر بے شمار لوگوں میں ''حصول

علم بغرض علم'' کے لیے بے نظیر شوق پیدا کر دیا۔

خواجہ نظام الملک کے قائم کردہ مدارس نے علمی مراکز اور مدارس کے روز افزوں قیام کے میدان میں بہت بڑی تبدیلی پیدا کر دی۔ بعض مدارس نے مذہبی مسائل پر بحث و تحقیق کے دائرہ سے باہر قدم رکھا اور کم و بیش تمام علوم و فنون میں کارکردگیوں کا آغاز کر دیا۔ (۲۰) اس لیے یہ امر قابل توجہ ہے کہ جن حضرات نے نظام الملک کو اسلامی مدارس کا سب سے پہلا بانی قرار دیا ہے۔ شاید انہوں نے کوئی غلط بات نہیں کی۔ حقیقت یہ ہے کہ نظامیہ مدارس جس طرح کے منظم پروگرام اور وسیع انتظامات رکھتے تھے، ان سے پہلے کے اسلامی ادوار میں قائم کردہ سرکاری اور نجی علمی مراکز۔ جیسے بغداد میں مامون کا بیت الحکمت، قاہرہ میں جامع الازہر اور سلطان محمود غزنوی، عضد الدولہ دیلمی اور فاطمی خلیفہ الحاکم کے قائم کردہ مدارس۔ اتنے وسیع و منظم نہ تھے۔ پھر مدارسِ نظامیہ نے علمی مراکز کے پھیلاؤ اور قیام میں جو تبدیلیاں پیدا کی وہ ان سے پہلے کے علمی مراکز میں واقع نہ ہو سکی تھی۔

مدارس نظامیہ کے قیام سے پہلے معمول یہ تھا کہ کچھ دیندار لوگ حصول ثواب اور اخروی نجات کی خاطر اور دینی علوم کے پھیلاؤ کے لیے مقامی طور پر مدرسے قائم کر لیا کرتے تھے۔ مگر نظامیہ مدارس کے قیام نے اور دنیائے اسلام میں ان مراکز کی بڑھتی ہوئی قدر و منزلت نے مدراس کے قیام کے میدان میں ایک زبردست تحریک پیدا کر دی۔ اور بہت سے بادشاہوں، خلفاء اور اکابر مملکت کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ نظام الملک کی روش کی پیروی کرتے ہوئے اپنے اپنے نام سے مدرسے قائم کریں۔ چنانچہ ان میں سے بعض حضرات نے تو محض اخروی ثواب کی خاطر اور خدمت دین کے جذبے کے تحت اور بعض نے اپنے سیاسی

اقتدار کو مضبوط کرنے کی خاطر اور کچھ لوگوں نے خواجہ نظام الملک کا مقابلہ کرنے کے لیے اس طریقہ کی پیروی کی۔

جلد ہی بغداد بڑے بڑے مدارس کا مرکز بن گیا جو نظامیہ کے قیام کے بعد یہاں اسی طرز پر بنائے گئے۔ ابن جبیر اندلسی جس نے چھٹی صدی ہجری کے اواخر میں بغداد دیکھا تھا اس شہر کے مدارس کی تعداد تیس بتاتا ہے۔ (۲۱) اس کے بعد بھی بغداد میں دوسرے اہم مدارس قائم کیے گئے کہ ان سب میں زیادہ اہم مدرسہ، انتہائی باشکوہ مدرسہ مستنصریہ تھا۔

خاندانِ نوریہ اور صلاحیہ نے اقتدار حاصل کرنے کے بعد شام و مصر کے ممالک میں سرکاری مدارس قائم کر کے تمام ممالک سے زیادہ بہتر اور بہت جلد پیشرفت قیام مدارس کے سلسلے میں کی۔ مصر و شام کے خود مختار فرمانروا نور الدین محمود زنگی (م ۵۶۹ھ) جس نے صلیبیوں کے غاصبانہ قبضہ سے تقریباً پچاس قلعوں اور شہروں کو آزاد کروایا تھا۔ ان ممالک کے شہروں میں بڑے بڑے مدارس قائم کیے۔ بالخصوص دمشق میں جو اس کا پایہ تخت تھا ایک بہت بڑا مدرسہ بنوایا کہ ابن جبیر کی تحریر کی رو سے وہ دنیا کے بہترین مدارس میں سے ایک تھا۔ (۲۲) اور اسی کے بقول دمشق میں یہ اعلان کیا گیا تھا کہ جو شخص بھی مدرسہ بنوائے گا اس کا خرچہ جتنا بھی ہوگا وہ شاہی خزانہ سے ادا کیا جائے گا اور خود نور الدین نے اپنی ذاتی مملکت کے دیہات کو مدارس کے قیام اور تمام علمی مراکز کی تعمیر کے لیے وقف کر رکھا تھا۔ (۲۳)

نور الدین کے دربار کے تربیت یافتہ صلاح الدین ایوبی (م ۵۸۹ھ) بیت المقدس کو واپس لینے اور اسے فتح کرنے کی وجہ سے جس کا نام عظیم اسلامی فاتحین کی فہرست میں زندہ جاوید ہے۔ اس نے بھی مصر

پر قبضہ کرنے کے بعد اسماعیلیوں کی کاروائیوں اور ان کے تبلیغی مراکز کوختم کرنے کے بعد اس علاقے میں شافعی، حنفی اور مالکی مدارس کے قیام میں اولیت حاصل کی۔(۲۴) ۵۷۲ھ میں صلاح الدین ایوبی نے ''مدرسہ صلاحیہ'' جسے جلال الدین سیوطی نے دنیا کے بہت بڑے مدارس میں سے ایک قرار دیا ہے، امام شافعی کے مزار کے پاس تعمیر کروایا اور اس مدرسہ کے فقہاء و مدرسین کے لیے روزانہ کا راشن اور ماہانہ تنخواہیں متعین و مقرر کر دیں۔(۲۵)

اس دور میں مدارس کی بہتات کا ایک اور مؤثر سبب مدارس نظامیہ کے فارغ التحصیل علماء تھے کہ یا تو یہ خود اور یا پھر ان کے حامی امراء و حکام مذہب شافعی کی ترویج کے لیے مدارس قائم کرتے تھے۔ اپنے زمانہ کے مشہور فاضل اور نظامیہ بغداد کے تعلیم یافتہ قاضی ابوالمحاسن بہاء الدین شافعی (م ۶۳۲ھ) نے کئی مدرسے حلب میں قائم کیے۔(۲۶)

امیر منصور شرفتکین نائب حکومت اربل نے ۵۳۳ھ میں ایک مدرسہ ابوالعباس خضر بن نصر اربلی شافعی (م ۵۶۹ھ) کی خاطر بنوایا جو نظامیہ بغداد کے شاگردوں میں سے تھے۔ آپ اربل میں پڑھانے والے پہلے شخص ہیں۔(۲۷) اسی طرح اپنے زمانہ کے نابغہ روزگار اور نظامیہ بغداد کے فارغ التحصیل ابو القاسم محمود بن مبارک واسطی (م ۵۹۲ھ /۶۱۸ھ) کے لیے مدرسہ جاروجیہ دمشق بنوایا گیا۔(۲۸) نظامیہ بغداد کے ایک اور فارغ التحصیل علامہ نجم الدین ابو محمد بادرائی (م ۶۵۵ھ) نے دمشق میں اپنے نام سے ایک مدرسہ بادرائیہ تعمیر کروایا۔ اور اس کے قواعد و ضوابط میں نظامیہ کی تقلید کی۔(۲۹)

چھٹی صدی ہجری کے مورخ و ادیب عماد کاتب اصفہانی جو ابتدا میں نظامیہ بغداد کے طالب علم رہے

تھے،۵۶۲ھ میں دمشق تشریف لے گئے تو نور الدین زنگی نے ان کا زبردست اکرام واستقبال کیا۔ اپنے دربار میں اعلیٰ مراتب سے نوازا اور آپ کی درخواست پر نوریہ کے عظیم مدرسہ میں تدریس پر مامور کیا۔(۳۰)

چھٹی صدی کے نصف دوم میں ان علاقوں کی سیاحت کرنے والے ابن جبیر اندلسی نے نیز محمد نعیمی دمشقی جنہوں نے شروع سے لے کر دسویں صدی کے نصف اول (۹۲۷ھ) تک مدارس دمشق کو اپنی گراں قدر کتاب ''الدارس فی تاریخ المدارس'' میں شمار کیا ہے۔ اس سے ہمیں اس علاقے میں مدارس کی کثرت وعظمت بالخصوص مدارس شافعیہ جو پانچویں صدی ہجری کے بعد قائم ہوئے، ان سے واقفیت ہوتی ہے۔(۳۱)

مدارس نظامیہ کے قیام کے بعد عالم اسلام کے مشرقی علاقوں اور بلاد ایران میں بھی اسلامی مدارس کے قیام نے وسعت پائی۔ جس وقت خواجہ نظام الملک اصفہان میں نظامیہ کی تعمیر میں مصروف ہوا تھا تو ملک شاہ سلجوقی نے اپنے مشہور وزیر کی تقلید میں اس شہر کے محلہ کراں میں ایک مدرسہ تعمیر کروایا اور باوجودیکہ وہ حنفی المذہب تھا اس نے نظام الملک کے برعکس اپنے مدرسہ کو شافعی اور حنفی دونوں کے لیے وقف کردیا۔(۳۲)

آذربائیجان کے شہروں میں چھٹی صدی کا آغاز مدارس اور علمی مراکز کے قیام کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ بڑے علماء کی موجودگی اور مذہبی مجادلوں کے پھیلاؤ کے سبب خراسان کے شہروں میں بھی تعمیر مدارس کا سلسلہ بھی تیزی سے پھیلنے لگا۔ اگر اندرونی شورشیں اور ترکان غز کے پے در پے حملے اور پھر تاتاریوں کے بے رحمانہ کشت وخون نے کچھ وقت دیا ہوتا تو عین ممکن تھا کہ وہ کاروان علوم ومعارف جنہوں نے اس علاقے

سے اپنے ترقی و تکمیل کے سفر کا آغاز کیا تھا منزل مقصود پر پہنچ جاتے اور ایسے ایسے نابغہ روزگار علماء ظاہر ہوتے جو اپنے سے پہلے کے علماء ابن سینا، بیرونی، خیام وغیرہم کے تحقیقی کاموں اور کارکردگیوں کو آگے بڑھاتے۔ مگر افسوس کہ پے در پے جنگوں اور خونریزیوں نے اس ترقی کا موقعہ نہ دیا۔

سطور بالا کی بناء پر نیز مغلوں کے حملوں سے بچ جانے والے ادبی آثار اور تذکروں اور تاریخی کتب کے مطالعہ و تحقیق کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ ماوراء النہر کے تمام ممالک، خراسان، طبرستان، آذربائیجان، جبال، خوزستان، فارس، کرمان، اصفہان اور سیستان میں پانچویں صدی کے اواخر سے لے کر مغلوں کے حملوں تک بے شمار مدارس اور علمی مراکز قائم کیے گئے۔ اور ان کے قیام کا مؤثر سبب یا تو دینی اور سیاسی اکابر کی نظام الملک کی روش کی تقلید و پیروی کرنا تھا یا پھر ان مراکز کے بانی غالباً خود نظامیہ مدارس کے پرورش یافتہ تھے۔

مختصر یہ کہ نظامیہ نے اپنے اثر سے ایک عجیب گرمجوشی تمام ممالک اسلامیہ میں پیدا کر دی تھی، وہ پانچویں صدی ہجری میں قائم ہوا اور اور چھٹی صدی ہجری تک اسلامی دنیا کا کوئی کونہ (بجز اسپین کے) علمی عمارتوں سے خالی نہ رہا، خراسان کے بڑے بڑے صوبے مثلاً نیشاپور، ہرات، بلخ اور ایران کے علاقے گو پہلے سے علم و فضل کے مرکز تھے۔ مگر نظامیہ کے اثر نے اور بھی مالا مال کر دیا۔ (۳۴)

۳۔ علوم دینیہ خصوصاً فقہ شافعی کی ترویج و اشاعت

بانی مدارس نظامیہ نظام الملک طوسی چونکہ مذہب شافعی کا پیرو کار تھا۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا کہ اس کا خیال تھا کہ وہ ان مراکز کے قیام اور مذہب شافعی کو عام کر کے اور اس کی تعلیم کا بندوبست کر کے اثناء

عشری شیعوں اور اسماعیلیوں کے فتنہ کا سدِ باب اور ان کی ترویج کا راستہ روک سکتا ہے۔ چنانچہ اس نے ان مدارس کے قیام کا تہیہ کرلیا اور ان مدارس میں تعلیم وتعلم کو شافعی مذہب کے پیروکاروں کے لیے مختص کردیا۔ وہ اپنے سیاسی اقتدار اور تمام مادی امکانات کو اس مقصد کے حصول کے لیے بروئے کار لایا۔ ایک طرف اس بااختیار وزیر کی شافعی مذہب کے ساتھ شدید جانبداری اور دوسری طرف سلجوقی سلاطین اور خلفاء بغداد کی حمایت و تائید جو سب سنی تھے، نے مذہبی علوم و معارف کی توسیع و ترقی کے لیے اس طرح راہ ہموار کی کہ اسلامی ادوار کے کسی دور میں کم ہی اس کی مثال ملتی ہے۔

نظام الملک وہ پہلا شخص تھا جس نے شافعی مذہب کو بطور ایک سرکاری مذہب اور خلافت عباسیہ کے کے لیے قابل قبول مذہب قرار دے کر اسے عراق اور عالم اسلام کے مشرق میں رائج کیا۔ فقہ شافعی کے بہت سے طلبہ آگے چل کر بہت سے اسلامی شہروں اور ملکوں میں علمی، سیاسی اور مذہبی اعلیٰ مناصب پر فائز ہوئے۔ بلاشبہ شافعی مذہب کے فروغ اور استحکام میں مدارس نظامیہ نے بنیادی کردار ادا کیا۔ (۳۴)

مدرسہ نظامیہ کے درسی مواد میں سے ایک اہم مضمون علم خلاف تھا۔ اس مضمون کے مطالعہ نے ان مدارس کے مدرسین وفقہاء کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ تمام اسلامی مذاہب پر بھی غور وفکر اور تحقیق کریں۔ ان عوامل واسباب کے نتیجے میں فن خطابت، جدل، اصول اور کلام کے مضامین کو بھی بے اندازہ ترقی ملی۔ اس دور کے علماء نے ان موضوعات پر بہت سی کتابیں اور بہت سے رسالے قلمبند کیے۔ (۳۵) شافعی مذہب میں بالخصوص ان مضامین میں کتابیں تالیف ہوئیں۔ اس لیے کہ مدارس نظامیہ عموماً اور نظامیہ بغداد خصوصاً اپنے وسیع امکانات کے ساتھ شافعی مذہب کی اشاعت و ترقی کا مناسب مرکز بن چکے تھے۔ طالبان دین نے

وظائف اور تنخواہوں سے استفادہ کرتے ہوئے اس مذہب میں تحقیق و تفحص سے کام لیا اور متعدد کتابیں شافعی مذہب سے متعلق تالیف کیں۔

ابن خلدون نے متکلمین کی اہم کتاب اصول فقہ میں امام الحرمین کی 'البرھان' اور غزالی کی 'المستصفی' بتائی ہے۔(۳۶) اسی طرح امام الحرمین نے مذہب حنفی پر مذہب شافعی کی ترجیح کے موضوع پر ایک کتاب 'مغیث الخلق فی اختیار الحق' لکھی۔(۳۷) نظامیہ بغداد کے عظیم استاد ابو اسحاق فن مناظرہ و خلاف میں خود ایک آیت عظیم تھے اور کہا جاتا ہے کہ انہیں مسائل خلاف یوں زبانی یاد تھے جیسے مسلمانوں کو سورہ فاتحہ یاد ہوتی ہے۔(۳۸) ابوالمحاسن الرویانی اپنے زمانے میں، مذہب، اصول اور خلاف کے رؤوس الافاضل میں سے تھے(۳۹) مدرس نظامیہ بغداد، یوسف بن ایوب اصول فقہ، مذہب اور خلاف میں یکتا تھے۔(۴۰)

امام غزالی پانچویں صدی ہجری کے عظیم مصنف و فقیہ تھے۔آپ کے وجود سے مدارس نظامیہ اور نیشاپور نے شہرت جاوید پائی۔امام غزالی نے شافعی مذہب اور اشعری طریقہ کو مکمل و آخری شکل دی۔آپ نے جوانی میں ایک کتاب 'المنتحل فی فن الجدل' لکھی۔آپ کی کتابیں الوسیط''، ''البسیط''، ''الوجیز'، ''الخلاصة'' اپنے زمانہ تالیف سے ہی فقہ شافعی کی اہم کتابیں بن گئیں۔ان کتابوں نے باقی فقہی مؤلفات کی چمک دمک ماند کر ڈالی۔اور اس وقت سے لے کر آج تک اتنی طویل صدیوں میں غزالی کی کتابیں ہی شافعی طلبہ و فقہاء کے لیے رائج ترین درس کتب رہی ہیں۔(۴۱) مدارس نظامیہ کا ابو اسحق شیرازی، امام الحرمین جوینی اور امام محمد غزالی جیسے اساتذہ سے استفادہ نے فقہ شافعی کے دامن کو خوب

پھیلا دیا۔ اوران اساتذہ کے حلقہ درس میں شرکت کے لیے طلبہ کے روز افزوں اشتیاق نے دیگر فقہی مذاہب کے پیروکاروں کو بھی اس مذہب کی طرف کھینچا۔ ابن کثیر کی تحریر کے مطابق ''حنبلیوں کے دو سرکردہ اشخاص ابوالخطاب اور ابن عقیل غزالی کے حلقہ درس میں حاضر ہوتے تھے۔ (۴۲)

امام غزالی نے دینی علوم اور شافعی مذہب کے بارے میں جو مفید اور سود مند لٹریچر لکھا اس نے اسلامی سرحدوں سے باہر نکل کر قرون وسطیٰ کے یورپ کے دینی لٹریچر کو بھی متاثر کیا۔ چنانچہ بعض مؤرخین کے خیال کے مطابق غزالی کی وہ کتابیں جو ۵۴۵ھ (بمطابق ۱۱۵۰ء) سے پہلے لاطینی میں ترجمہ ہوئیں، انہوں نے قرون وسطیٰ کے یہودی اور مسیحی دینی لٹریچر پر نمایاں اثرات مرتب کیے۔ تو ماس اکویناس۔ مسیحی مذہب کے بہت بڑے مذہب پیشواؤں میں سے ایک۔ اور علامہ پاسکال نے غزالی کے افکار سے بالواسطہ اثر قبول کیا۔ یاد رہے کہ افکار غزالی تمام اسلامی مفکرین کے افکار سے بڑھ کر مسیحی افکار کی تکمیل پر اثر انداز ہوئے۔ (۴۳)

یہاں اس بات کا اعادہ ضروری ہے کہ اگر چہ مدارس نظامیہ بنیادی طور پر دینی مدرسے تھے۔ لیکن ان مدارس نے علوم انسانی کے ساتھ بھی قدرے انصاف روا رکھا۔ یہ مدارس عوامی پیشوں کے لیے تیاری سے بھی وابستہ تھے۔ (۴۴) مدارس نظامیہ بغداد ان لوگوں کی تعلیم کے لیے بھی تھا جو نظمیات عامہ (Public administration) میں عہدوں کے امیدوار ہوتے تھے۔ (۴۵)

۴۔عربی زبان وادب کا فروغ

مدارس نظامیہ بغداد میں تدریس عربی زبان میں کی جاتی تھی۔عوام کے لیے وعظ وتذکیر بھی عربی زبان میں ہی ہوتا تھا۔کیونکہ عربی زبان خراسان اور ماورء النھر کے علاقوں میں پھیل چکی تھی۔ اسلامی فتوحات کے آغاز سے ہی!!ان علاقوں میں عرب آباد ہو گئے تھے۔حتیٰ کے عباسی خلافت کے زوال کے بعد بھی عرب ان علاقوں میں آباد ہوتے رہے اور انہیں اپنا وطن بنالیا۔مدرسوں اور مسجدوں میں منعقد ہونے والی وہ مجالس جن میں اساتذہ املاء کرواتے تھے وہ بھی عربی زبان میں ہی ہوتیں۔مختلف موضوعات پر لکھی جانے والی کتب بھی عربی میں ہی ہوا کرتی تھیں۔معلوم ہوتا ہے کہ علماء کی کتابوں میں عربی زبان کے سوا کسی اور زبان کے الفاظ کا پایا جانا علماء اسلام کے نزدیک معیوب و ناشائستہ سمجھا جاتا تھا۔خواہ یہ علماء نسبی لحاظ سے عرب ہوں یا علم وثقافت کے لحاظ سے عرب ہوں۔ چنانچہ عبدالغافر الفارسی نے بیان کیا ہے کہ نظامیہ بغداد اور نظامیہ نیشاپور کے مدرس امام غزالی کی علماء نے اس وجہ سے مخالفت کی کہ عربی زبان میں اپنے فصیح اسلوب کے باوجود انہوں نے کئی غیر عربی الفاظ استعمال کیے تھے۔(۴۶) کیونکہ کبھی کبھی اثنائے کلام میں وہ قواعد نحوی سے بے پرواہو جاتے ہیں۔لیکن واقعہ یہ ہے کہ انشاء خطب وکتب ورسائل میں ان کا پایہ اتنا بلند تھا کہ وقت کے ادیب اور مانے ہوئے ارباب فصاحت و بلاغت ان کی مثال پیش کرنے سے عاجز اور درماندہ تھے۔ وہ عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں پوری فصاحت وبلاغت کے ساتھ نظم ونثر لکھنے پر قادر تھے۔(۴۷)

مدرس نظامیہ بغداد ابن الدھان نحوی کو عربی، ترکی، عجمی، رومی، حبشی اور زنگی زبانیں پر عبور حاصل

تھا۔ جب آپ کی مجلس درس کا کوئی غیر عرب طالب علم، آپ کے درس کے مطالب نہ سمجھ سکتا تو آپ طالب علم کی مادری زبان میں تشریح و توضیح کر دیتے تھے۔ (۴۸)

یہی وجہ کہ مدارس نظامیہ کے اثر سے عربوں کے علوم وفنون کی طلب اتنی زیادہ بڑھ گئی تھی کہ یورپ کی جانب سے قائم کردہ تعلیمی کونسل نے ۱۳۱۲ء میں عربی زبان کی تعلیم کو ویانا (Vienna) پیرس (Paris)، بولون (Bologne)، آکسفورڈ (Oxford) اور سلمانکا (Salamanca) کی جامعات میں لازمی قرار دے دیا تھا۔ (۴۹)

۵۔ علماء اور مدرسین کا احترام

اللہ تعالیٰ کے نزدیک بلندی مراتب اور رفع درجات کا ذریعہ ایمان اور علم ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

یرفع الله الذین امنوا منکم والذین اوتو العلم درجت.

ان اللہ بما تعملون خبیر۔ (۵۰)

''اللہ تعالیٰ ان کے جو تم میں سے ایمان لائے اور جن کو علم دیا گیا درجات بلند فرما دے گا۔ اور اللہ کو تمہارے سب کاموں کی پوری خبر ہے۔''

یہی وجہ ہے کہ اسلام کے نزدیک جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر نہیں ہیں۔ (۵۱) اسلام کے ترقی یافتہ دستور میں ہر مسلمان کا یہ انسانی فریضہ قرار دیا گیا ہے کہ وہ عالم کے مرتبہ کو بڑا سمجھے اور استاد کا احترام کرے۔ جو حضرات اس مقدس فریضہ کو انجام دیتے ہیں وہ اسلام کے سماجی نظام میں گہرے احترام کے مستحق ہوتے ہیں۔ آپ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

فضل هذا العالم الذی یصلی المکتوبة ثم یجلس فیعلم

الناس الخیر علی العابد الذی یصوم النہار ویقوم اللیل

کفضلی علی ادناکم. (۵۲)

''اس عالم کی فضیلت جو فرائض ادا کرنے کے بعد لوگوں کو خیر کی تعلیم دے اس عابد پر جو دن کو روزہ رکھے اور رات عبادت میں گزارے ایسی ہے جیسا کہ میری فضیلت تم میں سے ادنی پر۔''

مدارس نظامیہ کے قیام نے مدرسین کو اعلیٰ سماجی قدر و منزلت سے بھی نوازا۔ علماء وفقہاء لوگوں کے مختلف طبقوں نیز خلفاء اور بادشاہوں کے یہاں ایسے اثر ورسوخ کے مالک بنے کہ معاملات وامور کے بست وکشاد میں ان کی نظر صائب، وقیع اور لائق اطاعت ٹھہری۔

اساتذہ اور معلمین ہمیشہ آزاد رہے اور آزادی کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ لوگوں میں ادب، لحاظ، احترام اور حفظ مراتب کا خیال تھا، امیر وغریب یکساں طور پر اہل علم کی عزت کرتے تھے۔ عصر حاضر میں لا دینی حکومتوں نے تعلیمی وزارت نیز جامعات اور ادارے قائم کر کے منصوبے بنائے ہیں، مگر یہ حقیقت ہے کہ آج کل کے بیشتر تعلیم یافتہ دانشوروں میں علم کی کثرت کے ساتھ بداخلاقی، بددیانتی اور استحصال کی ہر ممکن صورت عروج پر ہے۔ علم کے مطابق ان میں اکثر وبیشتر عمل کا نام ونشان نہیں ملتا۔ (۵۳)

نظامیہ بغداد کی عمر میں بھی خدا نے بڑی برکت دی، اور جب تک بغداد کی حکومت قائم رہی، اس کی فیاضیاں بھی دور دراز ملکوں تک اپنا اثر پہنچاتی رہیں۔ ہر زمانہ میں علماء کے لیے نظامیہ کی مدرسی سے بڑھ کر

کوئی بات اعزاز کی نہیں ہوسکتی تھی۔ دوسو برس کی مدت میں کوئی ایسا شخص اس منصب پر مقرر نہیں ہوا، جو اپنے زمانے میں یکتائے فن ویگانہ دہر نہ سمجھا جاتا ہو۔ (۵۴)

جب عباسی خلیفہ قائم بامر اللہ (۴۲۲ھ / ۱۰۳۱ء۔ ۴۶۷ھ / ۱۰۷۴ء) فوت ہوا تو نئے خلیفہ کے انتخاب کے لیے لوگوں نے نظامیہ بغداد کے عالی مرتبہ مدرس ابو اسحاق کی رائے کو قبول کیا۔ آپ نے مقتدی بامر اللہ (۴۶۷ھ / ۱۰۷۴ء۔ ۴۸۷ھ / ۱۰۹۴ء) کو خلیفہ قرار دیا۔ (۵۵) یہی خلیفہ جب حنابلہ اور شافعیہ کے مابین تصادم اور ملک شاہ کے نمائندوں ابو الفتح بن ابی اللیث کی امور خلافت میں مداخلت کی وجہ سے بے بس ہو گیا تو اس نے ابو اسحاق کو ملک شاہ اور خواجہ نظام الملک کے پاس اپنا سفیر بنا کر خراسان بھیجا۔ ابو اسحاق کا اس سفر کے دوران راستے میں آنے والے شہروں میں بے مثال اور پرشکوہ استقبال ہوا۔ ملک شاہ سلجوقی اور نظام الملک نے بھی نہ صرف قرار واقعی آپ کی تکریم کی بلکہ خلیفہ کی طرف سے آپ نے جو شکایات پیش کی، انہیں دور کیا۔ (۵۶) ابو اسحاق شیرازی، نظام الملک کے ہاں اتنے زیادہ قابل احترام تھے کہ جب ابو اسحٰق کا انتقال ہوا تو نظام الملک نے اپنے بیٹے موید الملک کو جوشکوہ آمیز خط لکھا اس میں کہا: ضروری تھا کہ ابو اسحٰق کے مرتبہ کے احترام میں نظامیہ بغداد ایک سال تک بند رہے۔ (۵۷)

جب نظامیہ نیشاپور کے مشہور مدرس امام الحرمین ابو المعالی الجوینی کا انتقال ہوا تو آپ کی وفات کے بعد ایک عجیب شورش برپا ہوئی۔ لوگوں نے بازار بند کر دیے اور تقریباً ایک ماہ تک کسی شخص نے سر پر پگڑی نہیں باندھی۔ آپ کے تقریباً چار سو شاگرد جو سب کے سب علماء اور نزدیک اور دور کے شہروں اور علاقوں کے رئیس تھے آپ کی تعزیت کے لیے بیٹھے۔ (۵۸)

ان تمام شہروں اور مراکز میں جہاں مدارس نظامیہ قائم تھے دینی علوم کے علماء کے احترام کا یہی حال تھا۔ نیشاپور میں امام الحرمین، اصفہان میں خاندان خجندی، مرو میں آل سمعان اور آمل میں ابوالمحاسن رویانی کو وہی مقام و مرتبہ حاصل تھا جو بغداد میں ابواسحٰق رکھتے تھے۔

مدرسین نظامیہ، جو اپنے زمانے کے ممتاز ترین علماء تھے۔ دوسری علمی و سیاسی بڑی شخصیتوں سے پہلے خلیفہ کی بیعت کی تقریبات میں حاضر ہوتے تھے۔ حتیٰ کہ تاریخی واقعات کے ضمن میں ان کے تمام کارنامے درج کیے گئے ہیں۔ ابن اثیر نے ۴۷۹ھ کے واقعات میں لکھا ہے:

''اس سال ابوالقاسم دبوسی (م ۴۸۲ھ) جب نظام الملک کی طرف سے فرمان تدریس پا کر اس شان و شوکت کے ساتھ بغداد میں وارد ہوئے کہ اس کی مثال کسی نے بھی کسی فقیہ کے بارے میں نہ دیکھی ہو گی۔'' (۵۹)

امام غزالی جب نظامیہ بغداد کے منصب تدریس پر فائز تھے تو آپ علمی اعتبار اور دنیاوی مقام و مرتبہ اور عالمگیر شہرت کے لحاظ سے مرتبہ بلند پر پہنچے۔ اور اس سے پہلے کہ آپ دنیوی عہدوں کو ٹھکرا کر آزاد منشوں کے حلقہ میں آئے۔ آپ ملک شاہ کی بیوی ترکان خاتون اور خلیفہ مقتدی کے مابین اختلاف ختم کرنے میں واسطہ بنے اور یہ کام کامیابی سے پورا کیا۔ آپ ان اکابر میں شامل تھے جنہوں نے ۴۸۷ھ میں مقتدی کی وفات کے بعد مستظہر کی خلافت کی تقریبات میں شرکت کی۔ (۶۰) نظامیہ میں تدریس کے دوران غزالی کی شہرت اس حد تک پہنچی ہوئی تھی کہ دیار مغرب میں جب یوسف بن تاشفین (۶۱) نے اپنے مخالفین کو ہٹانے اور نالائق حکمرانوں کو معزول کرنے کی کوشش کی تو اس نے اپنے وقت کے نامور فقہاء سے فتویٰ لینا

چاہا تو اندلس کے معروف قاضیوں کے فتویٰ کے ساتھ ساتھ اس نے ضروری سمجھا کہ وہ مشرق کے اس مشہور فقیہ اور مدرس نظامیہ بغداد سے فتویٰ لے۔ (۶۲)

علماء وفقہاء، مدارس نظامیہ میں تحصیل وتدریس کے نتیجے میں علمی وسماجی درجات کے اعلیٰ ترین مقام پر پہنچے۔ اس طرح نظام الملک نے نہ صرف سلطنت کے عوام کی ذہنی ترقی کو یقینی بنادیا، بلکہ سلطنت کو روشن دماغ اور لائق سرکاری عمال اور قضاۃ بھی مسلسل ملنے لگے۔ (۶۳)

۶۔ یورپ کی قدیم یونیورسٹیوں پر اثرات

مشرق ومغرب کے تمام مؤرخین اور محققین کے خیال کے مطابق مدارس نظامیہ عموماً اور نظامیہ بغداد خصوصاً اعلیٰ اسلامی مدارس اور یونیورسٹیوں کے حکم میں سمجھے جاتے ہیں۔ ان مدارس نے دنیائے اسلام میں علمی مراکز کے قیام اور ان کی کارکردگی کے فروغ کے میدان میں عظیم تبدیلی لانے کے علاوہ انتظامی اور تعلیمی لحاظ سے بھی اور بعض علمی مضامین میں اثر انداز ہونے کی جہت سے بھی ایک عظیم نمونہ بنے قدیم یورپی دارالعلموں کے لیے کہ ان کے اصول وضوابط اور طریقہ ہائے کار کو یورپی یونیورسٹیوں میں اپنایا گیا۔ (۶۴)

یورپ کی اخلاقی وذہنی ویرانی وخراب حالی کی طویل صدیوں میں اسلام ترقی کا ہراول تھا۔ عیسائیت نے اپنے آپ کو قیصروں کے تخت پر تو متمکن کر لیا تھا، لیکن وہ اقوامِ عالم کو نئی زندگی نہ بخش سکی تھی۔ چوتھی صدی عیسوی سے لے کر بارہویں صدی عیسوی تک یورپ کی تاریکی بڑھتی ہی چلی جارہی تھی۔ شدید تعصب کے اس دور میں کلیسائیت نے تمام وہ روزن بند کر رکھے تھے جن سے علم، انسانیت یا تہذیب کی روشنی داخل ہوسکتی

تھی۔ چنانچہ جہالت کے اس حصن حصین میں اسلام کی باریابی کے تمام راستے مسدود تھے۔اس کے باوجود اسلامی تمدن کے فیض رساں اثرات عیسوی دنیا کے ہر گوشے میں سرایت کر گئے۔ بغداد، دمشق، قرطبہ، غرناطہ، اور مالقہ کی درسگاہوں سے فلسفے کی مشفقانہ تعلیمات اور سائنس کی مقابلۃً سخت عملی ہدایات دنیا کو تہذیب کے سبق دیتی رہیں۔(۶۵)

یورپ کی قدیم یونیورسٹی سالہ نواتیالیا بھی اسلامی مدارس کے اثرات سے خالی نہ تھی۔ دوسرے بڑے بڑے مراکز جیسے پیرس میں بولونیا یونیورسٹی نیز مونپلیہ اور آکسفورڈ یونیورسٹیاں جو سب بارہویں صدی عیسوی کے بعد قائم ہوئیں یعنی ان کا قیام اسلامی یونیورسٹیوں کے قیام کے ایک مدت بعد عمل میں آیا۔حتیٰ کہ یورپی یونیورسٹیوں میں رائج بعض الفاظ ورسوم جیسے قرأت (Reading) سماع (Hearing)، سبق الروایۃ (Baccaloreus) اوراجازہ (Licence) جیسے اجنبی الفاظ بعض محققین کے نزدیک اسلامی مدارس میں مروج رسوم والفاظ کے مشابہ ہیں۔(۶۶)

جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا کہ عربوں کے علوم وفنون کی طلب اتنی زیادہ بڑھ گئی تھی کہ یورپ کی جانب سے قائم کردہ تعلیمی کونسل نے ۱۳۱۲ء میں عربی زبان کی تعلیم کو یورپی جامعات میں لازمی قرار دے دیا تھا۔

مشہور مستشرق الفرڈ گیام اپنے ایک مقالے بعنوان ''فلسفہ وعلم الٰہی'' میں لکھتا ہے:

''اگر عرب بھی مغلوں کی طرح وحشی وبربری ہوتے (جنہوں نے مشرق میں علم کے شعلے کو ایسا بجھایا کہ وہ دوبارہ روشن نہ ہوسکا۔اور شاید آئندہ بھی کبھی روشن نہ ہوسکے۔اس کے کتب خانے جلا دیے اور اس کی

ادبی روایات کو تباہ کر دیا) تو یورپ کی نشاۃ ثانیہ کی تحریک میں کم از کم سو سال کی تاخیر ہوگئی ہوتی۔ فن طباعت کی ایجاد سے پیشتر اہل علم کی زندگی بے حد دشواریوں اور مایوسیوں سے لبریز تھی۔ مشرق اور مغرب میں مسلمانوں کی یونیورسٹیوں کے قیام سے پہلے طالب علم کو کسی معلم کی تلاش میں ایک ہزار میل یا اس سے زیادہ کا سفر لازماً اختیار کرنا پڑتا تھا۔ نوجوان طالب علم ہسپانیہ سے مکہ تک یا مراکش سے بغداد تک طویل سفر افلاس کی حالت میں طے کرتے تھے۔ تاکہ کسی مشہور عالم و معلم کے قدموں میں حصول علم کے لیے بیٹھ سکیں۔'' (٦٧)

آگے کہتا ہے: '' یہاں پر چند جملے اسلامی یونیورسٹیوں کے متعلق لکھنا مناسب ہوگا۔ پہلی مشہور یونیورسٹی بغداد کی ''نظامیہ'' تھی۔ جس کو ۴۵۷ھ میں (یعنی انگلستان میں نارمنوں کی فتح سے ایک سال پیشتر) عمر خیام کے دوست اور الپ ارسلان کے ترک وزیر نظام الملک نے قائم کیا تھا۔ تھوڑی ہی مدت کے بعد نیشا پور، دمشق، بیت المقدس، قاہرہ، اسکندریہ اور دیگر شہروں میں بھی بڑے بڑے دارالعلوم قائم ہوگئے۔ (٦٨) قدیم ترین مسیحی یونیورسٹیاں بولونا، پیرس، مونٹ پلییر اور آکسفورڈ بارہویں صدی عیسوی میں قائم ہوئیں۔ یورپ کی پہلی ''عربی یونیورسٹی'' مسلمانوں نے قائم نہیں کی بلکہ مسلمان علوم کی تدریس کے لیے قائم ہوئی۔ اور یہ خاصی مدت کے بعد وجود میں آئی۔ الفانسو دانشمند (۸۱۔۱۲۵۲ء) نے اس زمانے کے ایک نہایت عالم فاضل شخص ابوبکر الرقوطی کی خدمات حاصل کیں۔ اور اس کے لیے ایک مدرسہ قائم کر دیا۔ جس میں فاضل مذکور (ابوبکر رقوطی) مسیحیوں، یہودیوں اور مسلمانوں کو تمام علوم کی تعلیم دیتا تھا۔'' (٦٩)

اس کے بعد الفرڈ گیئم مدرسہ مستنصریہ بغداد کی تعلیم و تدریس، نظم و نسق اور اوصاف و خصوصیات

کے بارے میں تفصیل سے لکھتا ہے اور مستنصریہ بغداد کو تیرہویں صدی عیسوی کے اوائل کی قابل فخر جامعہ قرار دیتے ہوئے کہتا ہے:

"The latter (Christian universities of Europe) are of course junior to the Oriental universities, and the testimony of scholars in the Middle Ages abundantly justifies the thesis that Islamic learning provided them with much material for thier studies."(۷۰)

''یورپ کی یونیورسٹیاں بلاشبہ مشرقی یونیورسٹیوں کے بعد وجود میں آئی ہیں ۔اور ازمنہ وسطیٰ کے اہل علم کی شہادت سے یہ حقیقت بالکل روشن ہو جاتی ہے کہ ان کو علم و تحقیق کا زیادہ تر مواد اسلامی علوم ہی سے حاصل ہوا ہے۔''

وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہتا ہے:

"A comparison of the subjects studied among the Muslims in the tenth and eleventh centuries with the similiar preoccupations of Christian students in the eleventh and twelfth centuries might be an indication that there is a closer connexion between Eastern and Western universities than has hitherto been supposed, but no

decisive evidence is available. The very nature of systematic study, the relation of professor and pupil, the question of fees and endowments, the maintenance of discipline and the conferring of degrees or licences to teach, and the manifold activities of university life, must inevitably be more or less the same whether the centre of learning be in Baghdad or Oxford. Consequently, until some more definite proof of filiation is forthcoming, it would seem precarious to assert that the Christian university as an institution was moulded after the Islamic pattern. There are a good many points resemblance, such as the grant by the Muslim professor of an *ijaza* or licence to teach or repeat the contents of a given document in the name and with the authority of the professor. Such a custom is evidently akin to the medieval *licentia docendi*, the earliest form

(۷۱)of degree."

''اگر ہم دسویں اور گیارہویں صدی میں مسلمانوں کے پڑھے جانے والے مضامین کا موازنہ گیارہویں اور بارہویں صدی میں مسیحی طلبہ کے زیر مطالعہ وتعلیم مضامین سے کریں تو ہم دیکھیں گے کہ مشرق ومغرب کی یونیورسٹیوں کا باہمی ربط وتعلق اس سے کہیں زیادہ تھا جواب تک فرض کیا جاتا رہا ہے۔ وہی مرتب ومنظم تحصیل علم ومطالعہ کتب استاد اور شاگرد کا باہمی تعلق، یومیہ خوراک اور اوقاف کے حقوق کا مسئلہ، انتظام اور ڈسپلن، تعلیم وتربیت کے درجات اور سرٹیفکیٹس اور حصول علم ودانش کی کارکردگیوں اور سرگرمیاں یقیناً مشرق ومغرب کے تحصیل علم کے مراکز جیسے بغداد اور آکسفورڈ میں کم وبیش یکساں تھیں۔ تاہم بطور یقین یہ نہیں کہا جاسکتا کہ مسیحی یونیورسٹیوں کے تمام ہی اصول وضوابط مکمل طور پر اسلامی یونیورسٹیوں جیسے تھے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ بعض حصوں میں کافی مشابہت پائی جاتی ہے جیسے وہ اجازت نامہ یا سند (سرٹیفکیٹ) جو مسلمان استاد ایک طالب علم کو انفرادی طور پر دیتا تھا تاکہ وہ خاص کتاب کی تدریس کرسکے۔ ظاہر ہے کہ یہ رسم ازمنہ وسطیٰ کے ''لائیسنس'' سے ملتی جلتی ہے۔ جو ڈگری کی بالکل ابتدائی شکل تھی۔''

اسلامی اور مسیحی یورپی مدارس کے انتظامی اور تدریسی نظام میں یہ وجوہ مشابہت الفرڈ گیام کی نظر میں گیارہویں اور بارہویں عیسوی صدیوں سے پہلے کے باہمی ربط وتعلق کے نتیجے میں تھے۔ یعنی اس سے ایک صدی پہلے جب دسویں صدی عیسویں میں نظامیہ بغداد قائم ہوا۔

اسی طرح سے نظامیہ بغداد میں دینیاتی تعلیم کا مقام وہی تھا جو آگے چل کر یورپی جامعات میں ادبیات عالیہ کی تعلیم کو حاصل ہوگیا تھا۔ روبن لیوی (بغداد کرانیکل، مطبوعہ کیمبرج، ۱۹۲۹ء) کا خیال ہے کہ اس مدرسے کی تنظیم کی بعض تفصیلات کی یورپ کی قدیم جامعات نے نقالی کی تھی۔ (۷۲)

مشہور مستشرق ڈبلیو منٹگمری واٹ اپنی کتاب "The Influence of Islam on Medieval Europe" میں اس بات کا بھرپور اعتراف کرتا ہے کہ اسلام کے اثرات یورپ پر اس سے کہیں زیادہ ہیں جو ہم سمجھتے آرہے ہیں۔ اس کے الفاظ قابل توجہ ہیں:

> "When one keeps hold of all the facets of the medieval confrontation of Christianity and Islam, it is clear that the influence of Islam on Western Christendom is greater than is usually realized. Not only did Islam share with the Western Europe many material products and technological discoveries; not only did it stimulate Europe intellectually in the fields of science and philosophy; but it provoked Europe into forming a new image of itself. Because Europe was reacting against Islam, it belittled the influence of the Saracens and exaggerated its dependence on its Greek and Roman heritage. So today, an important task for our Western Europeans, as we move into the era of the one world,

is to correct this false emphasis and to

acknowlege fully our debt to the Arab and

(۷۳)Islamic world."

جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا کہ مصر وشام کا علاقہ دو ادب پرور خاندانوں، خاندانِ نوریہ اور صلاحیہ کی وجہ سے اسلامی علوم کی موزوں پناہ گاہ بنا۔ ان افراد یا نظامیہ کے فارغ التحصیل حضرات جو غالباً ان کے حمایت یافتہ تھے، کے ہاتھوں اس علاقے کے شہروں میں جو مدارس قائم ہوئے وہ اپنے داخلی نظام اور تدریسی پروگراموں میں بالکل نظامیہ بغداد کی پیروی کر رہے تھے۔ پھر صلیبی جنگوں میں مسلمانوں اور عیسائیوں کا باہمی رابطہ بھی انہی علاقوں میں شروع ہوا۔ ان دو قوموں کے باہمی ملنے جلنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ عیسائیوں نے مسلمانوں سے بہت سے علوم وفنون سیکھے۔ اس بات کو یورپ کی نشاۃ ثانیہ کا ایک مؤثر سبب قرار دیا جاسکتا ہے۔(۷۴)

اور یہ بات اب بالکل واضح ہے کہ ان اسباب میں سے ایک اسلامی مدارس بالخصوص نظامیہ بغداد کا اثر تھا جو اپنے زمانے کا سب سے بڑا دارالعلم تھا۔ اسلامی مدارس کے انتظامی اور تدریسی پہلوؤں کے ساتھ ساتھ اس کے علمی وفکری پہلوؤں نے بھی یورپ پر اثر ڈالا۔ نظامیہ نیشاپور اور نظامیہ بغداد کے ایک مدرس امام محمد غزالی کے فکری اثرات کے بارے میں الفرڈ گیام اپنے سابق الذکر مقالہ میں ایک دوسرے مقام پر لکھتا ہے:

''جب غزالی کے عقائد وافکار پر مشتمل لٹریچر اہل مغرب کے ہاتھ لگا تو اس نے مسیحی مفکرین کی توجہ کو اپنی طرف مبذول کیا اور انہیں اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ ان کتابوں کا پوری باریک بینی سے مطالعہ کریں۔

بارہویں صدی عیسویں میں طلیطلہ کے مترجمین کی محنت سے غزالی کی وہ تصانیف منظر عام پر آئیں جو منطق، طبیعیات اور مابعد الطبیعیات کے متعلق تھیں۔(۷۵) ریمنڈ مارٹن (Raymund Martin)(۷۶) وہ پہلا شخص تھا کہ ''تھافۃ الفلاسفہ'' کی اہمیت کو سمجھا اور اس کے بڑے حصے کو اپنی کتاب Pugio Fidei میں شامل کیا۔'' اور اس کتاب کے پہلوؤں پر بحث کی۔(۷۷)

تعلیم کے لیے رفاہی اداروں کا قیام اور اوقاف کا نظام بھی یورپ نے علاوہ دیگر چیزوں کے ان مدارسِ اسلامیہ سے مستعار لیا۔ اس سے پہلے یورپ میں اس کا کوئی تصور نہ تھا۔

"The Christian West did not at first have the charitable trust; it appears simply to have borrowed it from Islam towards the end of eleventh century, along with many other borrowings, at a time when Islamic culture was far superior to that of Christian West.(۷۸)

آخر میں اس نکتے کی طرف اشارہ ضروری ہے کہ ہم نے گذشتہ صدی کے نصف آخر میں جدید یونیورسٹیوں کے قیام کے بعد مغرب کی یونیورسٹیوں کی مستعمل اصطلاحات جو وہاں سی لی ہیں جیسے پروفیسر، اسسٹنٹ پروفیسر، اور لیکچرر کے مرادف اور جن اصطلاحات سے ہم استفادہ کر رہے ہیں۔ درحقیقت یہ وہی اصول وضوابط ہیں جو یورپی یونیورسٹیوں نے مدارس نظامیہ ومستنصریہ میں رائج نظام سے مستعار لیے تھے۔ جیسے یورپی یونیورسٹیوں نے معید، نائب مدرس اور مدرس کے القاب، حتیٰ کہ سیاہ لباس (جبہ یا گاؤن) پہننا

اور پڑھاتے وقت کرسی پر بیٹھنا یہ سب کچھ نظامیہ مدارس میں مروج طریقہ سے اخذ کیا ہے۔

۷۔ تدریس کے بارے میں خاص ضوابط اور مدرسین وطلبہ کی خوشحالی پر توجہ

مدارس نظامیہ کی تاسیس سے پہلے چند مستثنیٰ حالات کے ماسوا مدرسین اور طلبہ کی زندگی زیادہ تر مساجد و مدارس تک محدود تھی اور وہ عموماً مشقتوں اور بے سروسامانی سے عبارت تھی۔ مدارس نظامیہ کے قیام کے ساتھ ان طبقوں کی زندگی میں ایک ہمہ گیر تبدیلی رونما ہوئی اور انہیں زندگی کی سختیوں سے نجات ملی۔ اوقاف اور متعین تنخواہوں کی بدولت ان کی زندگی کامل اطمینان واستحکام سے بہرہ ور ہوئی۔ اساتذہ اور طلبہ کو ایک بے مثال سماجی حیات ملی اور اس تاریخ سے اس طبقہ کی مادی زندگی میں نئے دور کا آغاز ہوا۔

دین مبین اسلام میں علم کی شان اور علماء کے مقام ومرتبہ کے پیش نظر وسیع دنیائے اسلام میں کوئی ایسی جگہ نہ تھی جو علم کے حامیوں اور اہل خیر سے خالی ہو۔ اس بات کا انکار نہ کرنا چاہیے کہ جب تک مدارس نظامیہ قائم نہ ہوئے اور ان کے جدید نوعیت کے پروگرام سامنے نہ آئے تھے تو اسوقت تک عوام کے مختلف طبقات اور ذمہ دار افراد نے بھی علم وتعلیم اور علماء ومدرسین سے متعلق مسائل پر کماحقہ توجہ نہ کی تھی۔ مدارس خصوصاً نظامیہ کے قیام کے بعد تو یہ حال ہوا کہ سب اصحاب خیر نے ان کی روش کی تقلید کی حتیٰ کہ عباسی خلیفہ مستنصر باللہ (۶۲۳ھ/۱۲۲۶ء۔۶۴۰ھ/۱۲۴۳ء) نے نظامیہ کی تقلید میں مدرسہ مستنصریہ کی بنیاد رکھی جہاں طلبہ مفت تعلیم حاصل کرتے تھے۔ اساتذہ کے لیے ماہانہ وظائف مقرر تھے۔ مدرسہ کا باورچی خانہ تمام اساتذہ اور شاگردوں کو گرم غذا، نان اور گوشت مہیا کرتا تھا۔ طلبہ کو کتاب، قلم اور کاغذ مفت دیئے جاتے تھے۔ اہل مدرسہ کی خوشحالی کی خاطر حمام اور ہسپتال موجود تھے۔ (۷۹)

نظام الملک کے طریقہ کار کی پیروی کرتے ہوئے نورالدین زنگی نے مغربی طلبہ کے لیے استفادہ کے لیے سات باغات اور اراضی مختص کرر کھے تھے جن کی سالانہ آمدنی پانچ سو دینار تک پہنچ جاتی تھی۔اس کے شاہی خزانہ سے پانچ سو طلبہ وظائف پاتے تھے۔اس کے جانشین صلاح الدین ایوبی کے زمانہ میں اہل علم کے لیے مختص وظائف اور تنخواہوں کا خرچ سالانہ تین سو ہزار (تین لاکھ) دینار سے زیادہ ہوتا تھا۔(۸۰)

مدارس نظامیہ۔ نے عمل تدریس کے لیے بھی خصوصی قواعد وضوابط وضع کیے کہ اس سے پہلے ان کی مثال نہ تھی۔مدارس میں شب وروز کے تعلیمی طریق کار کو منظم کیا گیا۔اساتذہ اور طلبہ کو ہر طرح کی سہولتیں دی گئیں۔انہیں رہائش،خوراک اور معاشی کفالت مہیا کی گئی۔ان کے حقوق ادا کیے گئے۔مراعات سے نوازا گیا،تعلیمی وظائف دے گئے۔ان سب اقدامات کا نتیجہ یہ نکلا کہ علم،علماء اور علمی امور سے متعلق افراد کو تقویت ملی۔وہ رہائش اور خوراک کے معاملہ میں آسودہ خاطر ہو گئے۔اب ان کو بہترین موقع ملا کہ وہ فارغ البال اور آسودہ حال ہوں اور پوری یکسوئی سے ہمہ تن تدریس وتحقیق میں مصروف رہیں۔(۸۱)

نوجوانانِ ملک،ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد انہیں مدارس نظامیہ کا رخ کیا کرتے تھے،وہیں رہتے بھی تھے،عوائد واوقاف سے ان کی ضروریات بآسانی پوری ہو جاتی تھیں اور نہایت اطمینان وآسائش کے ساتھ ممتاز اساتذہ کے حلقہ درس سے مستفید ہو کر اعلیٰ ترین درجات علوم وفنون طے کرتے تھے۔(۸۲)

البتہ مدارس نظامیہ کے قیام کے بعد سے منصب تدریس ہر شخص کے بس میں نہ رہا۔مدرس کا انتخاب بادشاہ،یا خلیفہ یا مدرسہ کے وقف کنندہ کی طرف سے ایک فرمان کی صورت میں کیا جاتا تھا۔استاد تدریس کے دوران ایک مخصوص لباس پہنتا تھا،کرسی تدریس پر جلوہ افروز ہوتا تھا۔لہٰذا ہر مدرس اپنے طور پر بلند عہدہ

نہیں پا سکتا تھا۔ جب تک کہ اس میں علمی حیثیت، شہرت اور سماجی مقبولیت کی صفات نہ پائی جائیں۔ اثبات کی صورت میں وہ اس اہم امر کی سرانجام دہی کی اہلیت وموزونیت رکھتا تھا۔ (۸۳)

ان مدارس کا قیام ذہین وفطین طلبہ کے لیے ایک مناسب موقع تھا کہ وہ طالب علمی کا دور گزارنے کے بعد، ان مدارس میں اپنی علمی زندگی بہ صورت استاد یا بطور معید شروع کریں۔ اس بات کا بھی امکان ہوتا تھا کہ طالب علم استاد کی وفات کے بعد یا کسی بھی وجہ سے جب استاد تدریس سے کنارہ کشی اختیار کر لے اس منصب میں استاد کا جانشین ہوتا تھا اور اپنے استاد کی جگہ لینے کے لیے اس کی صلاحیت واستعداد مناسب ہوتی تھی۔ (۸۴) مدرسین نظامیہ بغداد، امام غزالی، ابوبکر الشاشی، محمود بن مبارک واسطی، مجدالدین یحیٰی بن ربیع، ابوالحسن فارقی ودیگر مشاہیر نے اپنی علمی زندگی کا آغاز بطور معید ہی کیا تھا۔ (۸۵)

مدارس نظامیہ کے لائحہ عمل اور طریق کار، حصول تعلیم کے مختلف پہلوؤں نیز وظائف اور تنخواہوں کے تقرر وتعین اور اس نوع کے مسائل پر توجہ دینے کے لیے مدارس نظامیہ نے جو نظام اور ضوابط بنائے وہ ان تمام مدارس کے لیے نمونہ اور بنیاد بنے جو پانچویں صدی ہجری کے بعد معرض وجود میں آئے۔ طلبہ اور اساتذہ کی زندگی آرام وآسودگی کے مرحلے میں داخل ہوگئی اور ان کے لیے متعین حقوق ومراعات مقرر ہو گئے۔

۸۔ حصول علم کے مساوی مواقع

مدارس نظامیہ کے دروازے، شائقین علم کے لیے ہر وقت کھلے رہتے تھے۔ طالب علم کو اس کے پسندیدہ مضمون میں حصول علم کے لیے بھرپور تعاون ملتا تھا۔ طالب علم کو جس استاد کے علم پر اعتماد ہوتا تھا اور

جسے وہ چاہتا تھا، منتخب کر لیتا تھا۔ اس کے لیے ہر طرح سے حصول علم کی آزادی فراہم کی جاتی تھی۔ اسے علم حاصل کرنے کی مناسب فرصت ملتی تھی۔ تحصیل دانش اسے کبھی بھی نہ تو روزی کمانے سے روکتی تھی اور نہ ہی اس کے راستہ میں مدرسہ سے باہر نکل کر اخراجات زندگی پورا کرنے کے لیے کوئی کام کرنے کی رکاوٹ تھی۔ اسے بھرپور مالی امداد دینے میں بھی بخل سے کام نہیں لیا جاتا تھا تا کہ وہ پورے اطمینان اور دلجمعی سے مطالعہ اور تعلیم میں مصروف رہے۔ جس کسی میں حصول علم کی خواہش اور صلاحیت ہوتی تھی، وہ اپنا مقصد حاصل کرسکتا تھا کیونکہ تعلیم مفت اور اعلیٰ ترین معیار کی ہوتی تھی۔ اور طالب علم کو یونیورسٹی کی طرف سے رہائش اور خوراک مفت ملتی تھی۔(۸۶)

اس لحاظ سے آج ہمیں ایک ایسے سنہری دور کا انتظار ہے جس میں سب کو یکساں تعلیمی استفادے کے مواقع ملیں۔ سماجی و اجتماعی ضمانت ملے اور سچی و حقیقی جمہوریت وجود میں آئے۔ یہ سب سہولتیں اسلام کے درخشندہ دور کے نظام تعلیم میں موجود تھیں اور طلبہ ان سے استفادہ کیا کرتے تھے۔(۸۷)

چونکہ یہ تعلیمی لائحہ عمل محدود و تنگ نظرانہ اغراض و مقاصد کے لیے مرتب نہیں کیے گئے تھے بلکہ یہ عملی زندگی کے متن سے اخذ کردہ حقائق اور ثمرہ حیات تھے۔ لہذا یہ زندہ اور جاندار لائحہ ہائے عمل تھے جو اپنی قوت و مدد خود زندگی سے حاصل کرتے تھے اور انہی خصوصیات کی حامل ہونے کی وجہ سے اسلامی تعلیمی مراکز اور یونیورسٹیاں بہت سی جدید یونیورسٹیوں سے ممتاز و متمیز ہیں۔(۸۸)

آج کا انسانی معاشرہ جن جمہوری آراء و مقاصد کے حصول کے لیے کوشاں ہے ان میں سے بہت سی آراء و اہداف کو سب سے پہلے پیش کرنے کا شرف اسلامی یونیورسٹیوں کو حاصل ہے۔(۸۹) آج آزادی

فکر، مفت تعلیم، سماجی تحفظ اور شہر علم و دانش آباد کرنے کی آرزوئیں کی جاتی ہیں۔ آج اس بات کا مطالبہ کیا جاتا ہے کہ معاشرہ کے تمام طبقات کو علوم و فنون کے سرچشموں سے سیراب ہونے کا موقع ملنا چاہیے۔ دنیا کے تمام انسانوں میں بلا لحاظ ملک و ملت، دوستی، بھائی چارے اور خیر سگالی کا جذبہ عام ہونا چاہیے۔ معلوم ہونا چاہیے کہ یہ سب باتیں اسلام کی اعلیٰ تعلیمات کا پرتو ہیں اور ان پر دنیائے اسلام میں بہت پہلے عمل کیا جا چکا ہے۔

حواشی وحوالہ جات

(باب ششم)

۱۔ شبلی نعمانی، مقالات شبلی، مطبع معارف اعظم گڑھ، ۱۹۵۵ء، ج ۳، ص ۳۹

۲۔ مکاتب فکر وکلام میں معتزلہ سب سے بڑا مکتب فکر ہے۔ اس مکتب فکر کا ظہور دوسری صدی ہجری کے آغاز میں بصرہ میں ہوا۔ یہ لوگ حضرت حسن بصری کے حلقے میں نشست رکھتے تھے بعد میں ان سے جدا ہو گئے۔ معتزلی مکتب فکر کے بانی اور موسس واصل بن عطا اور عمرو بن عبید تھے۔ ان کا عقیدہ مرتکب گناہ کبیرہ کے بارے میں یہ تھا کہ نہ وہ کافر ہے نہ مومن، بلکہ کفر اور ایمان کے بین بین ہے۔ معتزلہ کا یہ عقیدہ تھا کہ حق ان کے ساتھ ہے اور باطل دوسروں کے ساتھ۔ تفصیلات کے لیے دیکھیے: زہدی حسن جاراللہ، ''تاریخ معتزلہ''، مترجمہ: رئیس احمد جعفری، سعید ایچ ایم کمپنی کراچی، جنوری ۱۹۶۹ء، ص ۳۱ تا ۵۸)

۳۔ شمالی افریقہ کا ایک سب سے بڑا حکومتی سلسلہ۔ ان لوگوں نے خلافت بغداد کے متوازی دارالخلافہ بنایا۔ اس سلسلہ کا بانی عبیداللہ المہدی تھا۔ فاطمیوں نے ۲۹۷ھ سے ۵۶۷ھ تک یعنی تقریباً تین صدیوں تک حکومت کی۔ یہ حکومت سلطنت ایوبیہ کے بانی سلطان صلاح الدین کے ہاتھوں ختم ہوئی۔

۴۔ گولڈزیہر، العقیدہ والشریعہ، ص ۲۰۳

۵۔ P.K. Hitti, History of the Arabs, New York, 1958, p.474-475

۶۔ Carl Brockelamann, History of the Islamic People, Munshiram Manoharlal Publishers, New Delhi, 1995, p.162

۷۔ رضوان علی رضوی، نظام الملک طوسی، شعبہ تصنیف وتالیف وترجمہ، جامعہ کراچی، ۱۹۹۵ء، ص ۸۲

۸۔ ناجی معروف، علماء النظامیات و مدارس المشرق الاسلامی، مطبعۃ الارشاد، بغداد، ۱۳۹۳/۱۹۷۳ء، ص ۱۴

۹۔ عبدالرحیم غنیمہ، تاریخ الجامعات الاسلامیہ الکبری، اردو ترجمہ: محمد ظہیرالدین بھٹی، اسلامک پبلیکیشنز لاہور، طبع اول، ۱۹۹۹ء، ص ۱۵۲

۱۰۔ باطنیہ یا اسماعیلیہ فرقہ، شیعوں سے نکلا ہے۔ اس کا عقیدہ ہے کہ حضرت امام جعفر صادقؒ کے بعد ان کے بڑے بیٹے اسماعیل کو امامت پہنچی اور انہی کو ختم ہوگئی۔ یہ فرقہ مختلف ناموں فاطمیہ، علویہ، باطنیہ، اسماعیلیہ، شیعہ سبعیہ، اور ملاحدہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، اور ہر نام ایک مخصوص جہت کا آئینہ دار ہے۔ (تفصیلات کے لیے دیکھیے: جلال ہمائی، غزالی نامہ، مترجمہ: رئیس احمد جعفری، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، طبع اول، ت ن، ص ۴۴ تا ۴۸)

۱۱۔ قرامطہ، قرمطی کی جمع ہے یہ عربوں اور ''نبطیوں'' کی ان باغی جماعتوں کا نام تھا، جو ۲۶۴ھ/۸۷۷ء سے عراق زیریں میں زنج کی جنگ غلامی کے بعد منظم ہوئیں اور جن کی بنیاد ایک ایسے اشتراکی نظام پر رکھی گئی جس میں شمولیت کے لیے بعض رسوم کا بجالانا ضروری تھا۔ پرجوش تبلیغ کے باعث اس خفیہ جماعت کا دائرہ عوام، کسانوں اور اہل حرفہ تک وسیع ہوگیا۔ الاحساء میں انھوں نے خلیفہ بغداد سے آزاد ہوکر ایک ریاست کی بنیاد رکھ لی۔ اور خراسان، شام اور یمن میں ان کے ایسے اڈے، قائم ہوگئے جہاں سے ہمیشہ شورشیں ہوتی رہتی تھیں۔ بحرین کے قرامطہ کا بانی ابوسعید جنابی تھا۔ اس نے خلیج فارس کے مغربی ساحل کے مشہور ترین شہر

'ہجر' جو بحرین کا پایہ تخت تھا اس پر قبضہ کرلیا۔ ابوسعید کے بعد اس کا بیٹا ابو طاہر سلیمان اس کا جانشین بنا۔ ابو طاہر نے ۳۱۷ھ میں مکہ مکرمہ پر حملہ کیا، حاجیوں کا قتل عام کیا۔ وہ بہت سے مال واسباب، اور قیدیوں سمیت حجر اسود کو بھی اکھاڑ کر بحرین لے گیا تاکہ اسے الاحساء میں نصب کر سکے۔ حجر اسود بائیس سال تک قرامطیوں کے قبضہ میں رہا۔ ۳۴۰ھ میں فاطمی خلیفہ المنصور کے حکم سے حجر اسود اہل مکہ کو واپس کر دیا گیا۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۱۶/ :: ص ۲۱ تا ۲۵)

۱۲۔ تاریخ الجامعات الاسلامیہ الکبری، ص ۱۵۳

۱۳۔ اسماعیلیوں کی تبلیغی کاوش، نفسیاتی طریقوں اور رائج الوقت تشدد انہ خفیہ قتل کا امتزاج تھی۔ ان کا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ ظاہری تابعداری کے ذریعہ بااختیار لوگوں کا اعتماد حاصل کر لیتے تھے تاکہ حکومت میں کلیدی عہدوں پر فائز ہو جائیں اور اس طرح اپنا اثر ورسوخ بھی بڑھا ئیں اور شر انگیزی کر سکیں۔

۱۴۔ تاریخ الجامعات الاسلامیہ الکبری، ص ۱۵۳

۱۵۔ ایضاً، ص ۱۵۶

۱۶۔ دیکھیے: George Makdisi, The Rise of Colleges, Edinburgh University Press, 1981, p.298

۱۷۔ ایضاً، ص ۲۹۹۔۳۰۰

۱۸۔ پروفیسر میاں محمد شریف، مسلمانوں کے افکار، ان کی ابتدا اور حاصلات، مجلس ترقی ادب لاہور، ۱۹۶۳ء، ص ۳۴

۱۹۔ Alfred Guillaume, The Legacy of Islam, Oxford University Press, London, First Edition 1931, p.420

۲۰۔ دیکھیے: Philip K. Hitti, "The Near East in History" (A 5000 Year History), D. Van Nostrand & Company, New York, 1960, p.270

۲۱۔ ابن جبیر، رحلة ابن جبیر، اردو ترجمہ: رئیس احمد جعفری، نفیس اکیڈمی، کراچی، طبع اول، ۱۹۶۱ء، ص ۲۱۵۔۲۱۶

۲۲۔ ایضاً، ص ۲۷۲

۲۳۔ ایضاً

۲۴۔ تفصیلات کے لیے دیکھیے: ابی العباس شمس الدین احمد بن محمد بن ابی بکر بن خلکان، ''وفیات الاعیان وانباء ابناء الزمان''، تحقیق: ڈاکٹر احسان عباس، منشورات الرضی قم، ۱۳۶۴ء، ج ۷، ص ۲۰۶۔۲۰۷

۲۵۔ سیوطی، جلال الدین عبدالرحمٰن، حسن المحاضرة فی اخبار المصر والقاهره، مطبعة السعادة، مصر، ت ن، ج ۲، ص ۱۸۶

۲۶۔ ابن خلکان، ج ۷، ص ۸۹

۲۷۔ ایضاً، ج ۲، ص ۲۳۷

۲۸۔ ابو محمد عبداللہ بن اسعد بن علی بن سلیمان الیافعی، ''مرآة الجنان و عبرة الیقظان''، الطبعة الاولیٰ، دائرة المعارف النظامیہ اللکائنة، حیدرآباد دکن، ۱۳۳۸ھ، ج ۳، ص ۳۷۳۔۳۷۴

۲۹۔ جمال الدین عبدالرحیم الاسنوی، ''طبقـــات الشـــافعیة''، دارالکتب العلمیہ، بیروت، طبع اول، ۱۹۸۶ء، ج۱، ص ۲۷۷

۳۰۔ ابن خلکان، ج ۵، ص ۱۴۹

۳۱۔ رحلہ ابن جبیر ۲۲۲۔ ۲۷۲، الدارس ۱: ۶۲۲

۳۲۔ مجمل التواریخ ۲۱۵

۳۳۔ شبلی نعمانی، مقالات شبلی، ص ۴۳

۳۴۔ تاریخ الجامعات الاسلامیہ الکبری، ص ۱۵۶

۳۵۔ جلال ہمائی، غزالی نامہ، مترجمہ: رئیس احمد جعفری، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، طبع اول، ت ن، ص ۳۴

۳۶۔ عبدالرحمٰن بن خلدون، مقدمہ ابن خلدون (حصہ دوم)، مترجمہ: مولانا راغب رحمانی، نفیس اکیڈمی کراچی، طبع دہم، ستمبر ۱۹۸۶ء، ص ۳۵۲

۳۷۔ ابن خلکان، ج ۳، ص ۱۶۹

۳۸۔ غزالی نامہ، ص ۳۴

۳۹۔ ابن خلکان، ج ۳، ص ۱۹۸

۴۰۔ ایضاً، ج ۷، ص ۷۸

۴۱۔ غزالی نامہ، ص ۲۴۱

۴۲۔ عمادالدین ابی الفداء اسماعیل ابن عمر بن کثیر، ''البدایة والنهایة فی التاریخ''، مطبعة السعادة مصر،

ت ن، ج، ص ۱۷۳

۴۳۔ P.K. Hitti, History of the Arabs, p.432

۴۴۔ دیکھیے: Philip K. Hitti, "The Near East in History", p.258

۴۵۔ Arnold J. Toynbee, "A study of Histroy", Vol. IV, Oxford University Press, London, 1952, p.362

۴۶۔ علماء النظامیات و مدارس المشرق الاسلامی، ص ۱۳

۴۷۔ غزالی نامہ، ص ۲۲۹

۴۸۔ ابن کثیر، ج ۱۳، ص ۷

۴۹۔ الدکتور محمد البھی، الفکر الاسلامی الحدیث و صلة بالاستعمار الغربی، دارالفکر بیروت، ۱۹۵۷ء، ص ۵۸۲

۵۰۔ القرآن، سورۃ المجادلہ، آیت ۱۱

۵۱۔ دیکھیے: القرآن، سورۃ الزمر، آیت ۹

۵۲۔ دارمی، ج ۱، ص ۱۱۰

۵۳۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، طبع اول، دانشگاہ پنجاب، لاہور، ۱۹۶۹ء، ج ۲۰، ص ۱۵۸

۵۴۔ شبلی نعمانی، مقالات شبلی، ص

۵۵۔ مراۃ الجنان ج ۳، ص ۱۱۰

۵۶۔دیکھیے :ابی الحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی المعروف بابن اثیر،''الکامل فی التاریخ''،دارالاحیاء

التراث العربی، بیروت،۱۹۹۶ء، ج ۶، ص ۲۸۵۔۲۸۶

۵۷۔ابن خلکان، ج ۱، ص ۳۱

۵۸۔ایضاً، ج ۳، ص ۱۶۹۔۱۷۰

۵۹۔ابن اثیر، ج ۸، ص ۱۴۴۔۱۵۲

۶۰۔غزالی نامہ ۱۲۹

۶۱۔یوسف بن تاشفین دلیر، بہادر اور عادل آدمی تھا۔اس نے مغرب میں مراکش شہر کی حد بندی کی۔اندلس

کے باشندے یوسف بن تاشفین کی پناہ لیا کرتے تھے۔(ابن خلکان، ج ۷، ص ۱۱۲)

۶۲۔عبدالحسین زرین کوب، فرار از مدرسہ''درباره زندگی و آثار ابو حامد غزالی''، انجمن آثار ملی، تہران،

۱۳۵۳، ص ۸۸

۶۳۔رضوان علی رضوی، نظام الملک طوسی، ص ۶۴، بحوالہ: بارنٹ ملر، دی پیلس اسکول آف محمد دی کونکرر،

کیمبرج، ہارورڈ یونیورسٹی پریس، ۱۹۴۱ء، ص ۱۲

۶۴۔ P.K. Hitti, History of the Arabs, p.425

۶۵۔ S. Ameer Ali, Spirit of Islam, Christophers London, Oct. 1953, p. 396-397

۶۶۔دیکھیے: George Makdisi, The Rise of Colleges, p.276

۶۷۔ Alfred Guillaume, The Legacy of Islam, p. 241

۶۸۔ایضاً

۶۹۔ایضاً،ص ۲۴۲

۷۰۔ایضاً،ص ۲۴۳

۷۱۔ایضاً،۲۴۴

۷۲۔مسلمانوں کے افکار، ان کی ابتدا اور حاصلات، ص ۳۲۔۳۳

۷۳۔ W.M. Watt, The influence of Islam on Medieval Europe, Edinburgh University Press, 1972, p.84

۷۴۔تفصیلات کے لیے دیکھیے: ارنسٹ بارکر کا مقالہ "The Crusades" (The Legacy of Islam), p. 40-77

۷۵۔ایضاً،ص ۲۷۰

۷۶۔یورپ میں علوم مشرق کا پہلا مکتب (۱۲۵۰ء) طلیطلہ میں مسیحی مبلغین کی جماعت نے قائم کیا۔اس مکتب میں عربی، بائبل اور عبرانی اس غرض سے سکھائی جاتی تھیں کہ طلبہ یہودیوں اور مسلمانوں میں تبلیغ مسیحیت کا کام کرنے کے ماہر ہو جائیں۔اس مکتب نے جو سب سے بڑا محقق پیدا کیا وہ ریمنڈ مارٹن تھا جو سینٹ ٹامس کا معاصر تھا۔عرب مصنفین کی کتابوں کا عالم ہونے کی حیثیت سے یورپ میں اس کا مثل ونظیر آج تک پیدا نہیں ہوسکا۔وہ صرف قرآن وحدیث کا عالم ہی نہ تھا۔بلکہ اپنی کتابوں میں جا بجا الفارابی سے لے کر ابن رشد تک

اعلام کے جلیل القدر فلاسفہ وعلمائے الٰہیات کے اقتباسات نقل کرتا ہے۔اور اختلاف کرنے کی صورت میں ان پر تنقید بھی کرتا ہے۔(The Legacy of Islam, p. 273 272-273)

۷۷۔ The Legacy of Islam, p. 273

۷۸۔ دیکھیے: George Makdisi, The Rise of Colleges, p.292

۷۹۔ دیکھیے: The Legacy of Islam, p. 242-243

۸۰۔ شبلی نعمانی، مسلمانوں کی گذشتہ تعلیم، قومی پریس، لکھنو، ۱۸۸۸ء، ص ۷۸

۸۱۔ تاریخ الجامعات الاسلامیہ الکبری، ص ۱۵۸۔۱۵۹

۸۲۔ جلال ہمائی، غزالی نامہ، ص ۱۴۸

۸۳۔ تاریخ الجامعات الاسلامیہ الکبری، ص ۳۸۱

۸۴۔ ایضاً

۸۵۔ نظامیہ کے معید ین کے لیے دیکھیے: مقالہ ہذا، ضمیمہ۔۲

۸۶۔ (Norman Denial, "Islam and the West (The Making of an image, Edinbara University Press, 1960, p.216)

۸۷۔ تاریخ الجامعات الاسلامیہ الکبری، ص ۳۹۷

۸۸۔ ایضاً، ص ۳۹۸

۸۹۔ ایضاً، ص ۴۴۸

خلاصہ تحقیق واستخراج نتائج

(Conclusion & Findings)

ا۔اسلام میں علم کو 'فوق الکل' کی حیثیت حاصل ہے اور قرآن کریم جو مختلف علوم کا سر چشمہ ہے، نے قرنِ اولیٰ کے مسلمانوں میں ایک پر جوش علمی سرگرمی، عہدِ رسالت ﷺ میں ہی پیدا کر دی تھی۔ جس کے نتیجے میں مسلمانوں کی علمی وفکری تاریخ، ان کی سیاسی تاریخ سے زیادہ شاندار قرار پائی۔ اسلام کا انسانیت پر بہت بڑا احسان یہ ہے کہ اس نے علم کے پوشیدہ خزانوں کو وقفِ عام کیا، ظہورِ اسلام سے قبل علم مختلف اقوام کے پاس اگر تھا بھی تو خواص کے ایک طبقے تک ہی محدود تھا۔ عوام، غلام اور عورتیں اس سے مستفید ہونے کا حق نہیں رکھتے تھے۔

۲۔ بعثتِ محمدی ﷺ کے بعد مکہ مکرمہ میں مسلمانوں کا پہلا تبلیغی مرکز ''دار ارقم'' کو مسلمانوں کا پہلا مدرسہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ جہاں سابقون الاولون صحابہ جمع ہوتے تھے اور رسول اللہ ﷺ اس وقت تک نازل شدہ قرآنی حصوں کی تعلیم فرماتے تھے اور انہیں ایک بڑے مشن کے لیے تیار کرتے تھے۔ ہجرت مدینہ کے بعد مسجدِ نبوی ﷺ میں قائم ''صفہ'' کے چبوترے کو بھی یہی حیثیت حاصل ہوگئی۔ ان درسگاہوں اور تربیت گاہوں کے معلم اعظم خود نبی کریم ﷺ تھے۔ فروغ علم کے لیے رسول اللہ ﷺ نے انقلابی اقدامات کیے۔ جس کے بہت دوررس نتائج نکلے مثلاً جنگ بدر کے کافر قیدیوں سے فدیہ لینے کی بجائے مدینہ

کے دس دس بچوں کو پڑھوانا۔ کاتبِ وحی حضرت زید بن ثابتؓ کو غیر ملکی زبانوں کی تعلیم حاصل کرنے کا حکم دینا۔ حصولِ علم کو مسلمان مرد و زن پر واجب قرار دینا۔ خواتین کی تعلیم کے لیے ایک علیحدہ دن مختص کرنا۔ دور ونزدیک کے قبائل کی تعلیم و تربیت کے لیے تعلیمی وفود روانہ کرنا۔ مختلف علاقوں کے گورنروں یا عمال کی ذمہ داریوں میں اس امر کو شامل کرنا کہ وہ اپنے ماتحت علاقوں کی تعلیمی ضروریات کے علی الرغم مناسب انتظامات کریں۔ وغیرہ

۳۔ ان اقدامات کے نتیجے میں مدینہ منورہ کی ہر مسجد نے مدرسہ کی شکل اختیار کرلی اور مدنی مسلمانوں میں علم کے حصول کی لگن نے ایک تحریک کی شکل اختیار کرلی۔ قرآن کی کتابت، احادیث کے مختلف مجموعوں کی کتابت کے علاوہ سرکاری دستاویزات، خطوط اور معاہدوں وغیرہ کا ایک ضخیم سرمایہ فراہم ہوگیا۔ جو اس بات کا شافی ثبوت ہے کہ وہ عرب جو علم کو محض ایک صنعت کا درجہ دیتے تھے اور اسے زیادہ لائق توجہ نہیں سمجھتے تھے، وہ عرب جو صرف تلوار کے دھنی تھے اب علم کے خوگر ہو رہے تھے۔ یہ عرب سماج میں آنے والی ایک محیر العقول تبدیلی تھی، جس کے محرک رسول اللہ ﷺ اور ان کی قرآنی تعلیمات تھیں۔

۴۔ عہدِ خلافت راشدہ جو ''خلافت علی منہاج النبوۃ'' کے مصداق، عہدِ رسالت ہی کا گویا تسلسل تھا، لہٰذا عہدِ نبوی ﷺ میں جس علمی و فکری سرگرمی کی بنیاد ڈالی گئی تھی وہ عہدِ خلافت راشدہ میں مسلسل ترقی کرتی رہی اور علمی سرگرمیوں کا دائرہ، جزیرہ نمائے عرب سے نکل کر مفتوحہ علاقوں تک وسیع ہوگیا۔ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے علاوہ کوفہ، بصرہ، دمشق، فسطاط وغیرہ اہم علمی مراکز بن گئے۔ عالم اسلام کا کوئی علاقہ یا شہر ایسا نہیں تھا جہاں صحابہ نہ پہنچے ہوں۔ ان علاقوں میں صحابہ کرامؓ کے قیام کے ساتھ ہی علمی مراکز بھی قائم

ہوتے چلے گئے۔ حضرت عمر فاروقؓ کے زمانے میں معلمین وقرا حضرات کی تنخواہیں مقرر کر دی گئیں، قرآن فہمی کا کم از کم لازمی نصاب مقرر کر دیا گیا۔ سرکاری سرپرستی میں قرآن کی تعلیم کے لیے مواقع فراہم کیے گئے۔ مفتوحہ علاقوں میں مساجد تعمیر کر دی گئیں جہاں صحابہ کرامؓ کے حلقہ درس قائم ہوئے۔

۵۔ اموی دور میں ان علمی وفکری سرگرمیوں میں کئی حوالوں سے وسعت آئی۔ ایک تو یہ کہ قرآنی علوم کے ساتھ ساتھ دیگر ادبی، تاریخی اور طبیعی علوم کی طرف توجہ ہوئی۔ اسلامی علوم کے علی الرغم سیر و مغازی، لسانیات، صرف ونحو، اشعار ودیوان العرب، اور طب وغیرہ کی تعلیم بھی شروع ہوئی۔ دوسرا اہم کام یہ ہوا کہ تراجم کا سلسلہ شروع ہوا، دیگر اقوام کے علوم عربوں کی دسترس میں آنے لگے، (گوکہ اس میں تیزی عباسی عہد میں آئی) تیسری اہم تبدیلی یہ آئی کہ مساجد میں قائم حلقہ ہائے درس کے علاوہ الگ مکتب قائم کیے جانے لگے، ہر گاؤں اور ہر بستی میں اس طرح کے مکاتب قائم کیے گئے جہاں ابتدائی نوعیت کی تعلیم دی جاتی تھی۔ بعد ازاں اعلیٰ تعلیم کے لیے طلباء مساجد میں قائم مختلف اساتذہ کے حلقہ درس میں شامل ہوتے تھے۔ زبانی تعلیم کے علاوہ املا کا طریقہ جاری ہوا، اس طرح تصنیف وتالیف میں تیزی آئی۔ چوتھی اہم تبدیلی یہ آئی کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے تنگ دست اساتذہ کے ساتھ ساتھ طلباء کے وظائف بھی مقرر کرا دیے۔ ان مساعی جمیلہ کے نتیجے میں اموی دور کے اواخر تک آتے آتے بعض مدارس (یعنی مساجد کے حلقہ ہائے درس) بین الاقوامی حیثیت اختیار کر گئے۔ کوفہ کی جامع مسجد میں امام اعظم ابوحنیفہ کا حلقہ درس اور مدینہ منورہ میں امام مالک بن انس کا حلقہ درس اس کی روشن مثالیں ہیں۔ بخارا، سمرقند سے لے کر مغرب اقصیٰ اور تونس تک کے طلبہ حصول علم کے لیے آتے تھے۔

۶۔بنوامیہ کے زوال کے بعد بنوعباس برسر اقتدار آئے ، یہ محض ایک خانوادہ حکومت کی تبدیلی نہ تھی بلکہ ایک نئے دور کا آغاز اور جدید فکری وعلمی سرگرمیوں کا آغاز تھا۔عہدِ خلفائے راشدین و دورِ بنوامیہ میں عربوں کی عسکری قوت نے اہلِ عجم کو زیر کیا تھا اب جو دور آیا اس میں مفتوحین کی تہذیب وثقافت نے فاتحین (عرب) کو مفتوح کیا۔''شعوبیت'' کی تحریک نے طاقت پکڑی اور مثالبِ عرب ومحاسنِ عجم پر تصنیف و تالیف کا سلسلہ چل پڑا۔فکری سطح پر تعقل پسند معتزلہ نے طاقت پکڑی ، اور بعض خلفاء کی حمایت نے سرکاری جبر کی بدترین مثال قائم کی۔ ذہنی پراگندگی نے فکری تشتت کو عام کردیا، زنادقہ ، اباحیہ اور خرم دینیہ کے احزاب نے فکری سطح پر پریشان نظری ، معاشرہ کی بربادی اور اسلام کا حلیہ بگاڑنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ جب بنوعباس زوال کا شکار ہوئے اور دیگر خاندان برسر اقتدار آنے لگے تو یہ صورتِ حال اور خراب ہوئی۔آل بویہ کے بغداد پر قبضے نے شیعیت کو عام کیا، نیز حسن بن صباح کی تحریک اسماعیلیہ نے صورتِ حال کو مزید دگرگوں کردیا تھا۔آلِ بویہ کے بعد جب آل سلاجقہ کو غلبہ حاصل ہوا جو کہ مسلکاً سنی تھے،تو یقیناً ان کی ذمہ داریاں دوچند ہوگئیں تھیں۔

۷۔عباسیوں کا نیا دارالخلافہ بغداد تھا، جو دوسرے عباسی خلیفہ ابوجعفر المنصور نے تعمیر کرایا تھا اور جو جلد ہی عسکری ، سیاسی ، معاشی اور علمی اعتبار سے بارونق شہر بن گیا۔عباسی خلیفہ ہارون الرشید کے زمانے میں دارالترجمہ کے قیام نے ، اموی عہد میں شروع ہونے والی تراجم کی سرگرمی میں کئی گنا اضافہ کردیا۔نیز 'بیت الحکمۃ' اور اس سے ملحقہ لائبریری مزید علمی سرگرمیوں کا باعث بنی۔دیگر یونانی علوم عربوں کی دست رس میں آنے لگے، مکتب اور مساجد میں قائم اساتذہ کے حلقہ درس کے ساتھ ساتھ ، اس عہد میں ، ایک نئی صورت کا

آغاز ہوا یعنی ''دارالعلم'' قائم کیے جانے لگے۔ ''دارالعلم'' ایک طرح کی ریسرچ اکیڈمی ہوا کرتی تھی۔ جہاں نامور اساتذہ کو خطیر مشاہرہ پر مقرر کر کے درس وتدریس، ترجمے اور تحقیق کا کام ہوتا تھا، ہر دارالعلم میں لائبریری بھی ہوتی تھی اور ''دارالترجمہ بھی۔ عباسی عہد میں اس طرح کے کئی ''دارالعلم'' کا پتہ چلتا ہے مثلاً ابوالقاسم جعفر بن محمد بن حمدان الموصلی (م ۳۲۳ھ) نے موصل اور عباسی خلیفہ معتضد باللہ نے بغداد کے علاقے شماسیہ میں ایک شاندار دارالعلم کی بنیاد ڈالی جو بعد میں اعلیٰ تعلیم کا مرکز بنا۔

۸۔ عباسی عہد میں مساجد بھی اپنا دیرینہ وظیفہ پورا کر رہی تھیں، سابقہ مساجد کے علاوہ مصر کی جامع عمرو بن العاص اور مسجد احمد ابن طولون معارف اسلامیہ کی درس وتدریس کے اہم ترین مراکز تھے۔ فاطمی خلفاء کے دور میں جامع الازھر کی تاسیس ہوئی اور قاہرہ میں بھی ایک ''دارالعلم'' کا قیام عمل میں آیا۔ الغرض عباسی خلافت کے زمانے میں ریاست کے طول وعرض میں درج ذیل تعلیمی ادارے کام کرتے رہے۔

(الف) مکاتب: جہاں ابتدائی تعلیم دی جاتی تھی۔ یہ مکاتب مساجد سے الگ عمارتوں میں ہوتے تھے۔

(ب) مساجد: مساجد میں قائم حلقہ درس میں اعلیٰ تعلیم دی جاتی تھی۔

(ج) دارالعلم: یہ ایک طرح کی ریسرچ اکیڈمی ہوتی تھی جہاں تحقیق کی سہولیات ہوتیں، یہ مساجد سے الگ عمارتیں تھیں۔

(د) مدارس: یہ عمارتیں بھی مساجد سے الگ ہوتیں جہاں کوئی عالم درس وتدریس سے وابستہ ہوتا۔

۹۔ عباسی عہد میں چوتھی صدی ہجری کے اواخر تک آتے آتے ایک نیا طریقہ جاری ہوا۔ یہ ''سلسلہ مدارس'' کا طریقہ تھا جسے رواج دینے والے سلجوقی وزیر اعظم نظام الملک طوسی تھے۔ انہوں نے اس طرز کا

پہلا مدرسہ نیشا پور میں قائم کیا، دوسرا مدرسہ بغداد میں بنایا، جو دارالحکومت ہونے کی وجہ سے اول الذکر سے بازی لے گیا، دوسرے نظام الملک کی توجہ بھی زیادہ نظامیہ بغداد کی طرف رہی۔ پھر ایک سال کے اندر اندر حکومتی مصارف سے ریاست کے طول وعرض میں ستر مدارس قائم کیے گئے۔ ان میں سے ہر مدرسہ خواجہ نظام الملک کی نسبت سے 'نظامیہ' کہلایا۔ مثلاً نظامیہ بغداد، نظامیہ نیشا پور، نظامیہ بلخ، نظامیہ ہرات، نظامیہ اصفہان، نظامیہ بصرہ، نظامیہ آ ن طبرستان، نظامیہ مرو، نظامیہ موصل کے علاوہ عراق وخراسان کے ہر شہر میں مدارس نظامیہ تعمیر کرائے، جس کی نظیر اس سے قبل کی اسلامی تاریخ پیش نہیں کر سکتی۔

۱۰۔ 'طبقات الشافعیۃ الکبریٰ' کے مولف سبکی کے علاوہ ذہبی اور ابن خلکان نے نظام الملک کو ''موسس مدارس'' اسی وجہ سے قرار دیا ہے کہ نظام الملک ہی وہ پہلا شخص تھا جس نے مدارس کو ترتیب خاص کے ساتھ قائم کیا۔ ورنہ اسلامی مملکت کے طول وعرض میں متعدد مدارس اور 'دارالعلم'، نظامیہ نیشا پور و بغداد کے قیام سے پہلے موجود تھے، جس کا تذکرہ سطور بالا میں کیا جا چکا ہے۔ لیکن مدارس کا ایک سلسلہ قائم کرنا اور انہیں ایک نظم (بورڈ/وفاق) کے تحت منظم کرنا، یہ پہلی بار، نظام الملک طوسی کے ہاتھوں انجام پایا۔ گویا نظام الملک طوسی وہ پہلا شخص تھا جس نے حکمران وقت کی رضامندی سے اپنے زیر اقتدار تمام اسلامی شہروں میں مدارس تعمیر کیے اور ان کے اخراجات کے لیے اوقاف مختص کیے۔ یہ وہ پہلے باقاعدہ مدارس تھے جن کا اپنا تعلیمی بجٹ تھا۔ گویا نظامیہ بغداد صرف تدریسی جامعہ نہ تھی بلکہ ایک الحاقی یونی ورسٹی بھی تھی۔

۱۱۔ دورانِ تحقیق یہ اہم بات سامنے آئی کہ ان مدارس نظامیہ کے قیام کے بعض اہم اور متعین مقاصد تھے مثلاً جب ممالک اسلامیہ پر آل بویہ کی عملداری قائم ہوگئی تو ملک میں بڑی تیزی سے شیعی نظریات عام

ہونے لگے، دوسری طرف حسن بن صباح کی تحریکِ اسماعیلیہ بھی اپنے بال و پر نکال رہی تھی، تیسری طرف فاطمی خلفاء کے زیر انتظام جامع الازھر، قاہرہ کی طرف سے بڑی شدت سے عباسی خلافت، اور مذاہب اہل سنت کے خلاف پروپیگنڈہ جاری تھا جس کا موثر تدارک بہت ضروری تھا۔ نظام الملک طوسی جو طاقتور وزیراعظم، بہترین منتظم، سمجھدار سیاستدان ہونے کے ساتھ ساتھ راسخ العقیدہ سنی مسلمان تھا۔ سلسلہ مدارس کا جال بچھا کر شیعی اور اسماعیلی تبلیغ و پروپیگنڈہ کا تدارک کرنا چاہتا تھا۔

۱۲۔ نظامیہ بغداد سے وابستگی طلباء اور علماء کی شدید خواہش ہوا کرتی تھی۔ یہاں نامور علماء ہی کا تقرر ہوا کرتا تھا، اساتذہ کے تقرر میں بڑا اہتمام کیا جاتا تھا۔ نظامیہ بغداد میں منصب تدریس کے لیے ایسی حدود و قیود، شرائط اور ضابطے مقرر کیے گئے جن کا اس سے پہلے چلن نہیں تھا، شیوخ و مدرسین کی تقرری کے لیے خلیفہ وقت کی منظوری ضروری ہوتی تھی۔ اگر کسی مدرس کی کوئی اعتقادی بے اعتدالی یا اخلاقی بے راہروی سامنے آجاتی تو اسے معزول کر دیا جاتا تھا۔ نظامیہ بغداد سے سینکڑوں اساتذہ وابستہ ہوئے، یہ وابستگی دو ماہ سے لے کر دس سال کے عرصے تک محیط تھی۔ جامعہ نظامیہ بغداد کے تذکرہ میں نوراللہ کسائی نے اپنی کتاب ''مدارس نظامیہ و تاثیرات علمی و اجتماعی آن'' میں جتنے مدرسین کا تذکرہ کیا ہے، راقم نے اس میں معتد بہ اضافہ کیا ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے: مقالہ ہذا، باب چہارم) اور کئی ایسے علماء کے حالات دریافت کیے ہیں جو نظامیہ بغداد سے بطور مدرس وابستہ رہے لیکن ان کا ذکر اس حوالے سے نہیں ہوا۔

۱۳۔ نظامیہ بغداد میں تعلیم کا طریقہ وہی تھا جس کا رواج پہلے پہل اموی دور میں پڑا اور جو آج تک جاری ہے یعنی املا (لیکچر دینا)۔ استاد، کسی فن کے مسائل زبانی بیان کرنا شروع کرتا تھا تو درس میں حاضر طلباء

انہیں لکھ لیا کرتے تھے۔ اس طرح کسی بھی فن پر ایک مستقل کتاب تیار ہو جاتی تھی، یہ کتابیں ''امالی'' کہلاتی تھیں۔

۱۴۔ نظامیہ میں طلباء کے داخلے پر کوئی پابندی نہیں تھی، نہ ہی مدرسہ کی سہولیات سے فائدہ اٹھانے میں کسی قسم کی قیود و شرائط تھیں۔ صرف اتنا کافی تھا کہ کوئی مسلمان طالب علم، حصول علم کا شوق رکھتا ہو۔ یہاں وہ اپنے پسند کے مضمون یا استاد کے حلقہ درس میں شامل ہو جاتا۔ اس بات کی کوئی قید نہیں تھی کہ ایک طالب علم، ایک استاد کے پاس کتنا عرصہ تعلیم حاصل کرے گا؟ اس بات کا انحصار زیادہ تر طالب علم کی ذہنی استعداد اور قابلیت پر ہوتا تھا۔ چنانچہ بعض طلباء کسی خاص علم میں دو سال میں وہ مہارت حاصل کر لیتے تھے جو بعض دوسرے طلبہ چھ سات سال میں بھی حاصل نہیں کر پاتے تھے۔

نظامیہ کے دروس میں طلبہ کے علاوہ باہر کے لوگ بھی شریک ہو سکتے تھے۔ ان مجالس درس میں اساتذہ کا احترام پوری طرح ملحوظ خاطر رکھا جاتا تھا۔ مذہبی تہواروں اور جمعہ کے دن تعطیل ہوتی تھی تاہم اس دن بعد نمازِ جمعہ عام لوگوں کے لیے مجلس وعظ منعقد ہوتی تھی۔

۱۵۔ باوجود اس کے کہ بیشتر علماء کئی زبانوں کے ماہر ہوتے تھے، نظامیہ بغداد میں تعلیم و تعلم کی زبان عربی تھی جو اس وقت تمام بلاد اسلامیہ کی دینی و علمی زبان تھی۔ جہاں تک نصاب کا تعلق ہے۔ نظامیہ بغداد کی تاسیس کے وقت ہی خواجہ نظام الملک طوسی کے پیش نظر یہ تھا کہ اس مدرسہ میں قرآن، حدیث اور فقہ شافعی کی تدریس ہوگی، جبکہ صرف و نحو اور علوم ادبی اس حد تک پڑھائے جائینگے جتنی ایک شافعی فقیہ کو فقہی مسائل کی تفہیم کے لیے درکار ہوں گے۔ مختلف علوم کی حوصلہ افزائی کے بجائے ساری توجہ دینی علوم پر مرکوز کرنے کا

سبب یہ تھا کہ جیسا کہ پیرا گراف نمبر ۱۱ میں لکھا گیا کہ عراق، شام اور مصر پر بویہیوں اور فاطمین مصر کا تسلط تھا، یہ دونوں حکومتیں شیعہ تھیں، پھر خراسان اور مشرقی اضلاع میں اسماعیلی تحریک زوروں پر تھی۔ ان سب نے شیعیت کو فروغ دینے کے لیے ناروا ذرائع اختیار کیے اور بعض جگہوں پر اپنی رعایا کو شیعی عقائد کی پیروی پر مجبور کر دیا تھا۔ لہٰذا اس کے تدارک کے لیے نظامیہ بغداد کا ابتدائی نصاب علوم دینیہ پر مخصوص تھا۔

۱۶۔ تاہم بتدریج نظامیہ کی وسعت کے ساتھ ساتھ، طلبہ کی تعداد میں اضافے اور مختلف علوم کے ماہر اساتذہ فن کی نظامیہ سے وابستگی نے نصاب میں وسعت اور تنوع پیدا کر دیا۔ لہٰذا وقت کے ساتھ ساتھ نظامیہ بغداد میں فقہ و اصول فقہ، حدیث، تفسیر، علوم القرآن، علم الکلام، ادبیات، لسانیات، لغت و معانی، صرف نحو، ریاضی، طب، علم مناظرہ وغیرہ کا اضافہ ہوتا گیا۔ ان مضامین کے الگ الگ اساتذہ ہوتے تھے۔ گویا ہر مضمون ایک شعبہ تھا جس کے ماہر اساتذہ درس دیا کرتے تھے، بلکہ نظامیہ بغداد میں عوامی پیشوں کے لئے بھی طلبہ کو تیار کیا جاتا تھا۔ جو لوگ نظمیات عامہ (Public Administration) میں عہدوں کے امیدوار ہوتے تھے، نظامیہ بغداد میں ان کو اس کی بھی تعلیم دی جاتی تھی۔ اس طرح نظام الملک کے قائم کردہ مدرسہ سے عوام کو علم کی دولت ہی نہیں ملی بلکہ سلطنت کو روشن دماغ اور لائق سرکاری عمال، قضاۃ اور مصنفین بھی مسلسل ملنے لگے۔

۱۷۔ نظامیہ کی عمارت میں ایک حصہ لائبریری کے لئے مخصوص تھا جسے ''خزانۃ الکتب'' کہا جاتا تھا۔ عمارت کی تکمیل کے بعد خواجہ نظام الملک طوسی نے ہزاروں تعداد میں نادر بیش قیمت کتب یہاں رکھوائی تھیں۔ اس کتب خانہ میں برابر اضافہ ہوتا رہا۔ ان کتابوں کی ایک فہرست تھی جسے ابن جوزی (م ۵۹۷ھ)

نے دیکھا تھا، جس کے مطابق اس فہرست میں چھ ہزار کتابوں کے نام درج تھے۔

۱۸۔ نظامیہ سے تین سو سال کے عرصہ میں ہزار ہا طلبہ فارغ التحصیل ہوئے ہوں گے تاہم کئی وجوہات کی بناء پر تمام فارغ التحصیل طلبہ کی فہرست نہیں بنائی جاسکتی نہ ہی سب کے کوائف ہم دست ہوسکے، اس کی پہلی وجہ یہ ہے کہ ایسے سرکاری دستاویزات حاصل نہیں کئے جاسکتے جن سے داخلہ لینے والے یا اقامت گاہ کے رہائشی طلباء کے نام اور کوائف حاصل ہوسکیں، کہ اس زمانے میں حاضری کے رجسٹروں کا رواج نہیں تھا، دوسری وجہ یہ ہے کہ اس دور میں نظامیہ بغداد کے فارغ التحصیل طلبہ اپنے نام کے ساتھ جامعہ سے وابستگی کے لئے کوئی لاحقہ نہیں لگاتے تھے (جیسے آج کل ندوی یا اصلاحی وغیرہ کا رواج ہے) اور تیسری وجہ یہ ہے کہ بعض قدیم کتب اور منابع ومصادر کے ضائع ہوجانے کے وجہ سے یہ کام ممکن نہیں رہا کہ جامعہ کے تمام فارغ التحصیل طلباء کی فہرست مرتب کی جاسکے۔ تاہم نور اللہ کسائی صاحب کے کام کو راقم نے ضرور بڑھایا ہے۔ انہوں نے طلبہ کے محض نام تحریر کئے ہیں جبکہ راقم نے ایک طرف ناموں کی فہرست میں کافی اضافہ کیا ہے، دوسری طرف ان تلامذہ کے کوائف تلاش بسیار کے بعد جمع کر کے مرتب کئے ہیں۔ (دیکھئے: مقالہ ہذا، باب پنجم)

۱۹۔ بغداد کے مشرقی حصہ میں دریائے دجلہ کے کنارے آباد نظامیہ بغداد کی پرشکوہ اور وسیع عمارت، جس میں قائم انتظامی دفاتر، اساتذہ اور طلبہ کی اقامت گاہیں، لائبریری، مسجد، گودام، مطبخ، نیز تدریسی اور غیر تدریسی عملہ کی تنخواہوں کے لئے زر کثیر کی ضرورت تھی۔ جس کا باقاعدہ انتظام کیا گیا تھا۔ نظامیہ بغداد کے مصارف تین طرح کی مستقل آمدنی سے پورے کئے جاتے تھے۔

(الف) اوقاف

(ب) حکومتی وظیفہ: سلاجقہ کے خزانے سے دولاکھ دینار سالانہ کی رقم تعلیمی اخراجات کے لئے وقف تھی، جس میں سے نظامیہ بغداد کو اس کا حصہ ملتا تھا۔

(ج) نظام الملک طوسی کی ذاتی املاک سے ہونے والی آمدنی کا ۱۰ فیصد

اس کے علاوہ غیر مستقل آمدنی کا ایک ذریعہ زکوۃ اور خیرات کی رقم ہوتی تھی نیز روساء اور امراء بھی اپنی جائدادیں وقف کر دیا کرتے تھے۔ گویا نظام مدارس کے ساتھ ساتھ نظامِ اوقاف، ایک قابلِ تعریف مستقل انتظام تھا۔ یہ وہ معاشی انتظام تھا جس نے اداروں کو استحکام بخشا، حکومتیں تبدیل ہو جاتی تھیں، حکمران بدل جاتے تھے مگر ادارے قائم رہتے تھے۔

۲۰۔ تین صدیوں تک قائم رہنے والا نظامیہ بغداد بالآخر مدرسہ مستنصریہ میں ضم ہو گیا، ازاں بعد قصہ پارینہ بن گیا۔ نظامیہ بغداد، سلاجقہ کے زوال اور خلافتِ عباسیہ کے سقوط (۶۵۶ھ/۱۲۵۸ء) کے بعد بھی قائم رہا، گو کہ پہلی جیسی بات نہ رہی۔ ۷۹۵ھ/۱۳۹۳ء میں امیر تیمور نے بغداد پر قبضہ کیا تو بھی جامعہ نظامیہ موجود تھی اس واقعہ کے دو سال بعد ۷۹۷ھ/۱۳۹۵ء میں نظامیہ بغداد کو جامعہ مستنصریہ میں ضم کر دیا گیا۔ اس طور سے ۳۳۸ سال تک قائم رہنے کے بعد نظامیہ کی عظیم تعلیم گاہ اپنا علیحدہ وجود کھو بیٹھی۔

۲۱۔ ایک سوال جس کا جواب اس تحقیق کے دوران تلاش کرنے کی کوشش میں کامیابی حاصل ہوئی وہ یہ کہ جن مقاصد کے تحت سلسلہ نظامیہ قائم کیا گیا، اور نظامیہ بغداد پر خصوصی توجہ مرکوز کی گئی کیا وہ اہداف حاصل ہو گئے؟ اس کا جواب اثبات میں ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ تیسری صدی ہجری کے آغاز میں

اسلامی فکری زندگی پر مذاہب اہل سنت کی گرفت بتدریج کمزور ہو چکی تھی جو انہیں خلافتِ عباسیہ کے اوائل میں حاصل تھی۔ عباسی خلیفہ متوکل علی اللہ (۸۴۷ تا ۸۶۱ء) کے دورِ خلافت میں اسماعیلیوں کی حکومت کے آغاز وارتقاء نے، نیز مصر میں فاطمی خلافت کے قیام نے، ان سب پر مستزاد آل بویہ کے غلبہ بغداد نے مذاہب اہل سنت کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا تھا۔ اہل سنت اور اہل تشیع میں صرف فقہی و مسلکی اختلافات ہی نہیں تھے بلکہ دونوں فرقے سیاسی بالادستی کے لیے جدوجہد کر رہے تھے۔ ان کا مقابلہ کرنے کے لیے نظام الملک طوسی نے بلادِ اسلامیہ کے طول وعرض میں مدارس کا جال بچھایا جہاں ابتداً شافعی مسلک کی تعلیم دی جاتی تھی بعدازاں علوم اسلامیہ اور دیگر طبعی علوم تک یہ سلسلہ وسیع ہو گیا۔ جس سے دوطرفہ فوائد حاصل ہوئے ایک طرف تو معاشرے میں علمی سرگرمیوں کو فروغ حاصل ہوا تو دوسری طرف شیعی اور اسماعیلی عقائد کی بیخ کنی ہوئی۔ مدارس نظامیہ کے قیام سے نظام الملک نے شافعی، اہل حدیث اور اشاعرہ کے منتشر علماء اہل سنت کو متحد اور یکجا کیا اور انہوں نے معتزلہ، شیعہ، اسماعیلیہ اور متعدد باطنی فرقوں کے پھیلائے ہوئے اثرات کو ختم کرنے میں اپنا بھرپور کردار ادا کیا۔

۲۲۔ سلسلہ نظامیہ کے اثرات ہمہ گیر رہے:

(i) سرکاری اور قومی سطح پر مدارس کے قیام کی لہر سی چل پڑی اور بلاد اسلامیہ کے ہر شہر اور قصبے میں کئی کئی مدارس قائم ہو گئے۔ یہ دور مدارس کی کثرت کے لحاظ سے اسلامی تاریخ کا سب سے زرخیز عہد ثابت ہوا۔ نور الدین زنگی (م ۵۶۹ھ) اور صلاح الدین ایوبی (م ۵۸۹ھ) نے بھی نظام الملک کی پیروی کرتے ہوئے شام اور مصر میں نوریہ اور صلاحیہ مدارس کا سلسلہ قائم کیا جس کے نتیجے میں اسلامی دنیا کو بڑے بڑے شاندار

مدارس نصیب ہوئے۔

(ii) مدارس نظامیہ میں شافعی مسلک کی تعلیم خصوصی طور پر دی جاتی تھی۔ جس کا منطقی طور پر ایک منفی نتیجہ بھی یہ سامنے آیا کہ دیگر مسالک (مثلاً حنفی، مالکی اور حنبلی) کے ساتھ یہاں کے علماء کے بحث و مباحثے اور مناظرے بھی ہوئے جو دورانِ تحقیق سامنے آئے۔ لہذا یہ کہا جا سکتا ہے کہ علماء کی بہت سی توانائیاں ان جزوی اور فروعی جھگڑوں کی نذر ہوئیں۔

(iii) یہ مدارس عربی زبان و ادب کے فروغ کا بہت بڑا سبب بن گئے کیونکہ نظامیہ بغداد میں تمام تر تدریس عربی زبان میں ہوتی تھی۔ تمام تر تصنیف و تالیف بھی عربی زبان میں ہو رہی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جب ان علوم پر یورپ نے توجہ کی تو انہیں عربی زبان سیکھنے کے لیے ادارے کھولنے پڑے۔ یورپ کی جانب سے قائم کردہ تعلیمی کونسل نے ۱۳۱۲ء میں عربی زبان کی تعلیم کو ویانا، پیرس، بولون آکسفورڈ، کی جامعات میں لازمی قرار دے دیا۔

(iv) یورپ جب اپنے ہزار سالہ دورِ تاریکی سے نکلا، علوم کی جستجو کی اور مدارس قائم کرنے کا وقت آیا تو ان کے نزدیک مدارس نظامیہ ہی کا نمونہ تھا۔ یورپ کی جامعات جو مشرقی جامعات کے بعد قائم ہوئیں ان کے لیے مشرقی جامعات سے بہتر مثال اور کوئی ہو بھی نہیں سکتی تھی۔ وہی استاد اور شاگرد کا باہمی تعلق، وہی اوقاف کا انتظام، تعلیم و تربیت کے درجات، اسناد وغیرہ میں کافی ہم آہنگی تھی، جس میں وقت کے ساتھ ساتھ اختراعات وضع ہوتی رہیں۔ بعض مستشرقین مثلاً واٹ (W.M. Watt) اور الفرڈ گیام (Alfred Guillaume) نے کھلے دل سے ان اثرات کا اعتراف کیا ہے۔

ضمیمہ۔۱

اسمائے گرامی اصحاب صفہ

۱۔اوس بن اوس ثقفی

۲۔اسماء بن حارثہ

۳۔الاعز المزنی

۴۔البراء بن مالک

۵۔ثابت بن الضحاک

۶۔ثابت بن ودیعۃ

۷۔ثقیف بن عمرو

۸۔جرھد بن خویلد

۹۔جعیل بن سراقۃ

۱۰۔جاریہ بن جمیل

۱۱۔حذیفہ بن اسید

۱۲۔حبیب بن زید

۱۳۔حارثہ بن النعمان

۱۴۔حازم بن حرملۃ

۱۵۔حنظلۃ بن ابی عامر (غسیل الملائکہ)

۱۶۔حجاج بن عمر

۱۷۔الحکم بن عمیر

۱۸۔حرملۃ بن ایاس

۱۹۔خنیس بن حذافۃ

۲۰۔خالد بن یزید/زید

۲۱۔خریم بن فاتک

۲۲۔خریم بن اوس

۲۳۔خبیب بن یساف

۲۴۔رکین بن سعید

۲۵۔رفاعۃ ابولبابۃ انصاری

۲۶۔ابورزین

۲۷۔زید بن الخطاب

۲۸۔سفینہ عبدالرحمٰن (مولیٰ رسول اللہ ﷺ)

۲۹۔سعد بن مالک

۳۰۔سالم بن عبید اللہ الاشجعی

۳۱۔سالم بن عمیر

۳۲۔السائب بن خلاد

۳۳۔شقران مولی رسول اللہ ﷺ

۳۴۔شداد بن اسید

۳۵۔صفوان بن بیضاء

۳۶۔طخفۃ بن قیس الغفاری

۳۷۔طلحہ بن عمرو

۳۸۔الطفاوی الدوسی

۳۹۔ابوہریرہ

۴۰۔عبداللہ بن عبدالاسد المخزومی

۴۱۔عبداللہ بن حوالۃ الازدی

۴۲۔عبداللہ بن ام مکتوم

۴۳۔عبداللہ بن عمرو بن حرام الانصاری

۴۴۔عبداللہ بن انیس

۴۵۔عبداللہ بن زید الجہنی

۴۶۔عبداللہ بن الحارث

۴۷۔عبداللہ بن عمر

۴۸۔عبدالرحمٰن بن قرط

۴۹۔عبدالرحمٰن بن جبر

۵۰۔عقبۃ بن عامر الجہنی

۵۱۔عباد بن خالد الغفاری

۵۲۔عمرو بن عوف المزنی

۵۳۔عمرو بن تغلب

۵۴۔عویم بن ساعدۃ الانصاری

۵۵۔عبید مولیٰ رسول اللہ ﷺ

۵۶۔عکاشۃ بن محصن الاسدی

۵۷۔العرباض بن ساریۃ

۵۸۔عبداللہ بن حبشی الخثعمی

۵۹۔عتبہ بن عبدالسلمی

۶۰۔عتبہ بن المنذر السلمی

۶۱۔ عمرو بن عبسۃ السلمی

۶۲۔ عبادۃ بن قرص

۶۳۔ عیاض بن حمار المجاشعی

۶۴۔ فضالۃ بن عبید الانصاری

۶۵۔ فرات بن حیان العجلی

۶۶۔ ابو فراس الاسلمی

۶۷۔ قرۃ بن ایاس المزنی

۶۸۔ کناز بن الحصین

۶۹۔ کعب بن عمرو

۷۰۔ ابو کبشۃ مولی رسول اللہ ﷺ

۷۱۔ مسطح بن اثاثہ ابو عباد

۷۲۔ مسعود بن الربیع القاری

۷۳۔ معاذ ابو حلیمۃ القاری

۷۴۔ واثلۃ بن الاسقع

۷۵۔ وابصۃ بن معبد الجھنی

۷۶۔ حلال مولیٰ المغیرۃ بن شعبہ

۷۷۔ یسار ابو فکیھۃ مولیٰ صفوان بن امیہ

۷۸۔ بشیر بن الخصاصیۃ

۷۹۔ ابو مویھبۃ مولی رسول اللہ ﷺ

۸۰۔ ابو عسیب مولیٰ رسول اللہ ﷺ

۸۱۔ ابو ریحانہ شمعون الازدی

۸۲۔ ابو ثعلبۃ الخشنی

۸۳۔ ربیعۃ بن کعب الاسلمی

۸۴۔ ابو برزۃ الاسلمی

۸۵۔ معاویۃ بن الحکم السلمی

(دیکھیے: ابی نعیم احمد بن عبداللہ الاصفہانی، حلیۃ الاولیاء و طبقات الاصفیاء، دارالفکر، ت ن، ج ۱، ص ۳۴۷ تا ۳۷۶ نیز ج ۲، ص ۳۳)

ضمیمہ۔۲

معیدین نظامیہ بغداد

۱۔ ابن ودعۃ محمد بن اسماعیل البقال (م ۵۸۸ھ)

۲۔ ابوالبرکات عبداللہ بن خضر بن حسین موصلی (م ۵۷۴ھ)

۳۔ ابوالحسن علی بن علی بن سعادۃ الفارقی (م ۶۰۲ھ)

۴۔ ابوالحسن علی بن محمد بن علی الطبری الکیاالھراسی (م ۵۰۴ھ)

۵۔ ابوالرضا کمال الدین عبدالرحیم بن محمد بن یاسین (م ۶۳۰ھ)

۶۔ ابوالعباس احمد بن عمر بن الحسن الکردی (م ۵۹۱ھ)

۷۔ ابوالفتح الاشری

۸۔ ابوالفضل احمد بن یحیٰ بن عبدالباقی (م ۵۶۱ھ)

۹۔ ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن محمد الصائن (م ۶۲۴ھ)

۱۰۔ ابوالقاسم محمود بن مبارک (م ۵۹۲ھ)

۱۱۔ ابوالمظفر محمد بن علوان بن مہاجر موصلی (م ۶۱۵ھ)

۱۲۔ ابوالنجم محمد بن القاسم بن ھبۃ اللہ التکریتی (م ۶۲۴ھ)

۱۳۔ ابوالنعمان بشیر بن حامد الجعفری التبریزی (م ۶۴۶ھ)

۱۴۔ ابوبکر محمد بن احمد بن الحسین المستظہری الشاشی (م ۵۰۷ھ)

۱۵۔ ابوسلیمان داؤد بن ابراہیم (م ۶۱۸ھ)

۱۶۔ابوطالب یحییٰ بن علی (م ۶۱۹ھ)

۱۷۔ابوعبداللہ محمد بن عبدالعزیز اربلی (م ۵۸۰ھ)

۱۸۔ابوعلی الحسن بن ابراہیم الفارقی (م ۵۲۸ھ)

۱۹۔ابوعلی یحییٰ بن الربیع (م ۶۰۶ھ)

۲۰۔ ابومحمد عبداللہ بن ابراہیم بن محمد الخطیب الھمذانی (م ۶۲۲ھ)

۲۱۔ابومنصور موھوب بن احمد الجوالیقی (م ۵۴۰ھ)

۲۲۔المظفر بن ابی احمد الرارانی (م ۶۲۱ھ)

۲۳۔ بہاء الدین المعروف بابن شداد (م ۶۳۲ھ)

۲۴۔مجدالدین یحییٰ بن الربیع (م ۶۰۶)

۲۵۔محمد بن ابی الفرج بن برکۃ (م ۶۲۱ھ)

۲۶۔ محیی الدین عبدالقادر الربعی (م ۶۷۶ھ)

(تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو:

مقالہ ہذا، باب چہارم، ''مدرسین نظامیہ بغداد''،

نیز باب پنجم، ''طلباءِ نظامیہ بغداد'')

ضمیمہ ۳

نظامیہ بغداد کی مجالسِ وعظ

مشہور اندلسی سیاح ابن جبیر جس نے ۵۸۱ھ میں نظامیہ بغداد کو دیکھا اور اس کی مجالس وعظ میں شرکت کی۔ وہ لکھتا ہے:

"فقهاء هم المحدثين، ووعاظهم المذكرين، لا جرم ان لهم في طريقة الوعظ والتذكير، و مداومة التنبيه والتبصير، والمثابرة على الانذار المخوف والتحذير، مقامات تستنزلهم من رحمة الله تعالىٰ ما يحط كثيراً من اوزارهم، و يسحب ذيل العفو على سوء آثارهم، ويمنع القارعة الصمّاء ان تحل بديارهم، لكنهم معهم يضربون في حديد بارد، ويرومون تفجير الجلامد، فلا يكاد يخلو يوم من ايام جمعاتهم من واعظ يتكلم فيه، فتوفق فيهم لا يزال في مجلس ذكر ايّامه كلها، لهم في ذلك طريقة مباركة ملتزمة."

"یہاں کے واعظین اور فقہاء نہایت مقبول اور پند ونصیحت میں رات دن سرگرم ہیں۔ تخویف اور تحذیر میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے۔ گویا ان کے انفاس کی برکت سے یہ زمین عذاب آسمانی سے

محفوظ ہے اور اس گروہ کے طفیل میں رحمت الٰہی سب کے شامل حال ہے۔ جس کے باعث ان لوگوں کے بہت سے گناہ معاف کیے جاتے ہیں اور برائیاں دامن عفو سے چھپائی جاتی ہیں۔ لیکن اس مقدس گروہ کی کوشش ایسے گمراہ فرقے کے ساتھ گویا سردلو ہے کو کوٹنا یا سخت پتھر سے پانی نکالنا ہے۔ کوئی جمعہ ایسا نہیں ہوتا کہ مجلس وعظ منعقد نہ ہو۔''

یہاں ہم اسی کے الفاظ میں نظامیہ بغداد کی مجالسِ وعظ کا احوال بیان کرتے ہیں، وہ لکھتا ہے:

''فاول من شاهدنا مجلسه منهم الشيخ الامام رضی الدين القزوينی رئيس الشافعية، وفقيه المدرسة النظامية، والمشار اليه بالتقديم فی العلوم الاصولية.

حضرنا مجلسه بالمدرسة المذكورة اثر صلاة العصر من يوم الجمعة الخامس لصفر المذكور، فصعد المنبر، واخذ القراء امامه فی القراءة علی كراسی موضوعة، فتوّقوا وشوّقوا، واتوا بتلاحين معجبة، ونغمات محرجة مطربة، ثم اندفع الشيخ الامام المذكور فخطب خطبة سكون و وقار و تصرّف فی افانين من العلوم، من تفسير كتاب الله عزّوجلّ، وايراد حديث رسوله صلی الله عليه وسلم، والتكلّم علی

معانیه. ثم رشقته شآبیب المسائل من کل جانب، فاجاب وما قصّر، وتقدّم وما تاخر، ودفعت الیه عدة رقاع منها، فجمعها جملة فی یده و جعل یجاوب عل کل واحدة منها وینبذ بها الی ان فرغ منها. وحان المساء فنزل وافترق الجمع. فکان مجلسه مجلس علم و وعظ، وقوراً هیناً لیناً، ظهرت فیه البرکة والسکینة، ولم تقصر عن ارسال عبرتها فیه النفس المستکینة، ولا سیما آخر مجلسه، فانه سرت حمیاً وعظه الی النفوس حتی اطارتها خشوعاً، وفجرتها دموعاً، و بادر التائبون الیه سقوطاً علی یده ووقوعاً، فکم ناصیة جزّ، وکم مفصل من مفاصل التائبین طبق بالموعظة وحزّ، فبمثل مقام هذا الشیخ المبارک ترحم العصاة، وتتغمدا الجناة، وتستدام العصمة والنجاة، والله تعالٰی یجازی کل ذی مقام عن مقامه، و یتغمد ببرکة العلماء الاولیاء عباده العاصین من سخطه وانتقامه برحمته وکرمه، انه المنعم الکریم لا رب

سواه، ولا معبود الا اياه."

''ہم پہلی بار شیخ رضی الدین قزوینی، امام شافعیہ اور مدرس مدرسہ نظامیہ کی مجلس وعظ میں شریک ہوئے۔ آپ علوم دین میں اس نواح کے علماء میں سب سے مشہور اور ممتاز ہیں۔ ۵ صفر کو جمعہ کے دن مدرسہ نظامیہ میں مجلس وعظ منعقد ہوئی۔ واعظ جب منبر پر بیٹھا تو قاریوں نے منبر کے سامنے کرسیوں پر بیٹھ کر بڑی خوش الحانی سے قرات شروع کی۔ اس کے بعد شیخ نے بہت متانت اور وقار سے خطبہ پڑھا اور علوم وفنون میں مثل تفسیر وحدیث کے گفتگو میں ہر طرف سے علمی مسائل پر سوال ہونے لگے۔ شیخ نے معقول جوابوں سے سب کی تسکین فرمائی اور چشم ابرو سے کسی طرح کا انقباض ظاہر نہیں ہوا۔ بعض نے تحریری سوال پیش کیے، ان سب کو اپنے ہاتھ میں لے کر ہر ایک کا جواب لکھ کر حوالے کیا۔ یہ مجلس نہایت خیر و برکت کی تھی۔ متحمل سے متحمل آدمی کے بے اختیار آنسو جاری تھے۔ خصوصاً اختتام کے وقت تو لوگ بے قرار ہو گئے اور آنکھوں سے مینہ برسانے لگے۔ چاروں طرف سے توبہ کا شور بلند ہوا۔ اکثر نے شیخ کے ہاتھ پر توبہ کی اور بہت سی پیشانیوں کے بال تراشے گئے۔ اس کے بعد مجلس ختم ہوئی اور جماعت منتشر ہو گئی۔ حق یہ ہے کہ شیخ کی ذات مقدس باعث رحمت اور ذریعہ نجات ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندگان خاص کے مراتب میں افزونی کرے اور ان کے تصدق میں اہل معصیت کو وبال اعمال سے بچائے۔ بے شک وہ منعم اور کریم ہے، اس کے سوا کوئی رب نہیں، اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔''

ابن جبیر، شیخ رضی الدین قزوینی کی ایک دوسری مجلس کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"وشهدنا له فيها مجلساً ثانياً اثر صلاة العصر من يوم

الـجـمـعة الثـانـي عشـر مـن الشهـر المذكور، و حضر

ذلك اليـوم مـجلسه سيد العلماء الخراسانية، و رئيس

الآئـمة الشافعية، و دخل المدرسة النظامية بهز عظيم و

تطريف آماق، تشوقت له النفوس، فاخذ الامام المتقدم

الـذكر في وعظه مسروراً بحضورة، و متجملاً به، فاتى

بافانين من العلوم، على حسب مجلسه المتقدم الذكر،

ورئيس العـلـمـاء الـمذكور هو صدر الدين الخجندى

الـمتـقـدم الـذكـر فى هـذا التـقييـد، الـمشتهر المآثر

والمكارم، المقدم بين الاكابر و الاعاظم".

"دوسرے جمعہ کو بھی اس شیخ کی ایک اور مجلس وعظ دیکھنے میں آئی۔ اس مجلس میں امام صدر الدین

خجندی رئیس الائمہ شافعیہ بھی تشریف لائے تھے۔ ان کے جلو میں کچھ فوجی افسر بھی آئے۔ امام کے اوصاف

جمیلہ مشہور و معروف ہیں اور تمام اکابر و علمائے دین کے پیشوا ہیں۔ ان کے آنے سے لوگوں کو بڑی خوشی

ہوئی۔ شیخ رضی الدین نے بڑے ذوق وشوق سے وعظ شروع کیا اور پہلی مجلس کے موافق علوم وفنون میں بہت

خوبی کے ساتھ بحث کر کے مجلس کو ختم کیا۔"

(دیکھیے: ابن جبیر، رحلہ ابن جبیر، دار صادر

بیروت، ۱۳۸۴ھ / ۱۹۶۴ء، ص ۱۹۴-۱۹۶)

منتخب کتابیات

عربی کتب

۱۔ابن جاحظ، البیان، مکتبہ الخانجی بالقاھرۃ،۱۳۲۵ھ

۲۔ابن جبیر، رحلہ ابن جبیر، دارصادر بیروت،۱۳۸۴ھ/۱۹۶۴ء

۳۔ابن جوزی، عبدالرحمٰن، المنتظم فی تاریخ الملوک والامم، مطبعۃ دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدرآباددکن الطبعۃ الاولی،۱۳۵۹ھ

۴۔ابن جوزی، ابی الفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد بن علی، صیدالخاطر، مطبعۃ خضیر، مصر، ت ن

۵۔ابن خلکان، ابی العباس شمس الدین احمد بن محمد بن ابی بکر، ''وفیات الاعیان وانباء ابناء الزمان''، تحقیق: احسان عباس، ڈاکٹر، منشورات الرضی قم،۱۳۶۴ء

۶۔ابن الدبیثی، ابوعبداللہ محمد بن سعید، ''ذیل تاریخ مدینۃ السلام بغداد''، تحقیق: بشارعواد، بغداد، ۱۹۷۴ء

۷۔ابن ساعی، تاج الدین ابوطالب علی بن انجب، ''الجامع المختصرفی عنوان التواریخ و عیون السیر''، تحقیق: مصطفیٰ جواد، مطبعۃ السریانیہ، بغداد،۱۳۵۳ھ/۱۹۳۴ء،

۸۔ابن عبدالبر، ابی عمر و یوسف بن عبداللہ النمری القرطبی، کتاب الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب،

الجزء اول، مطبعۃ دائرۃ المعارف النظامیۃ، حیدرآباد دکن، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۳۳۶ھ

۹۔ابن عبدالبر، ابی عمرو یوسف بن عبداللہ، جامع بیان العلم و فضلہ، ادارۃ للطباعۃ المنیریۃ، ت ن

۱۰۔ابن عبدربہ، احمد بن محمد الاندلسی، العقد الفرید، دارالکتب العلمیہ، بیروت لبنان، طبع سوم، ۲۰۰۶ء

۱۱۔ابن فوطی، کمال الدین ابوالفضل، الحوادث الجامعہ فی المایۃ السابعہ، مطبعۃ الفرات، بغداد،

۱۳۵۱ھ

۱۲۔ابن مسکویہ، تہذیب الاخلاق، مکتب الخانجی بالقاہرۃ، ۱۳۳۶ھ

۱۳۔ابن ندیم، محمد بن اسحاق، الفہرست، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ/۱۹۹۴ء

۱۴۔ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، مطبعۃ مصطفیٰ البانی، مصر، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۵ء

۱۵۔ابوالفلاح عبدالحی بن عماد حنبلی، ''شذرات الذہب فی اخبار من ذہب''، الجزالرابع، مکتبۃ

القدسی، قاہرہ، ۱۳۵۰ھ،

۱۶۔ابوشامہ، شہاب الدین عبدالرحمٰن، ''الروضتین فی اخبار الدولتین النوریہ والصلاحیہ''،

تحقیق: محمد حلمی، قاہرہ، ۱۹۵۶ء

۱۷۔ابوالحسن علی بن محمد الجزری، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابۃ، داراحیاء التراث العربی بیروت،

ت ن

۱۸۔ابوالفرج الاصبہانی، کتاب الاغانی، مطبعۃ التقدم مصر، ت ن

۱۹۔ابونعیم، احمد بن عبداللہ الاصفہانی، حلیۃ الاولیاء و طبقات الاصفیاء، دارالفکر، بیروت، ت ن

۲۰۔ احمد احمد بدوی، الحیاۃ العقلیه فی عصر الحروب الصلیبیة بمصر و الشام، مکتبۃ نھضۃ مصر،
ت ن
۲۱۔ احمد امین مصری، فجر الاسلام، مکتبۃ النھضۃ المصریۃ، قاھرہ، الطبعۃ العاشرۃ، ۱۹۶۵ء
۲۲۔ اعظمی، علی ظریف، مختصر تاریخ بغداد، مطبعۃ الفرات، بغداد، ۱۹۲۶ء
۲۳۔ الاسنوی، جمال الدین عبدالرحیم، ''طبقات الشافعیة''، دارالکتب العلمیہ، بیروت، طبع اول،
۱۹۸۶ء
۲۴۔ البلاذری، ابی الحسن احمد بن یحییٰ بن جابر، فتوح البلدان، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۰ھ/
۲۰۰۰ء
۲۵۔ البھی، محمد، الدکتور، الفکر الاسلامی الحدیث و صلة بالاستعمار الغربی، دارالفکر بیروت،
۱۹۵۷ء
۲۶۔ الحسینی، صدرالدین، اخبار الدولة السلجوقیہ۔ مطبوعہ پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ۱۹۳۳ء
۲۷۔ السبکی، تاج الدین ابی النصر عبدالوھاب ابن تقی الدین، ''طبقات الشافعیة الکبریٰ'' طبع اول،
مطبعہ حسینیہ مصر، ت ن
۲۸۔ السمعانی، ابوسعد عبدالکریم بن محمد، ''الانساب''، تحقیق: عبدالرحمٰن بن یحییٰ معلمی، حیدرآباد دکن،
۱۹۶۲ء
۲۹۔ السیوطی، جلال الدین عبدالرحمٰن، ''بغیة الوعاۃ فی طبقات اللغویین و النحاۃ''، مطبعۃ السعادۃ،

مصر،۱۳۲۶ھ

۳۰۔السیوطی،جلال الدین عبدالرحمٰن، حسن المحاضرۃ فی اخبار المصر و القاھرہ،مطبعۃ السعادۃ،

مصر،ت ن

۳۱۔الکنانی،ابن جماعۃ،تذکرۃ السامع و المتکلم،دائرۃ المعارف العثمانیۃ،حیدرآباددکن۱۳۵۳ھ

۳۲۔الکتانی،محمد عبدالحی،نظام الحکومۃ النبویۃ،،دارارقم،بیروت،ت ن

۳۳۔المتقی،علاءالدین علی، کنز العمال فی سنن الاقوال و الافعال،دائرۃ المعارف النظامیۃ،

حیدرآباددکن،ت ن،

۳۴۔المقری،احمد بن محمد،''نفح الطیب من غصن الاندلس الرطیب''،مطبعۃ السعادۃ مصر،الطبعۃ

الاولیٰ، ۱۳۶۸ھ/۱۹۴۹ء

۳۵۔المقریزی،تقی الدین احمد بن علی، کتاب الخطط،مطبعۃ النیل،مصر،۱۳۲۵ھ

۳۶۔امین،حسین،''المدرسۃ المستنصریہ''،مطبعہ شفیق،بغداد،ت م،

۳۷۔الیافعی،ابومحمد عبداللہ بن اسعد بن علی بن سلیمان،''مرآۃ الحنان و عبرۃ الیقظان''،الطبعۃ الاولیٰ،

دائرۃ المعارف النظامیہ اللکائنۃ،حیدرآباددکن،۱۳۳۸ھ،

۳۸۔یعقوبی کتاب البلدان،مطبعۃ السعادۃ،قاھرہ،۱۳۴۴ھ

۳۹۔حاجی خلیفہ، کشف الظنون،مطبعۃ المعارف العثمانیۃ،حیدرآباددکن،ت ن

۴۰۔ذہبی،شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن احمد بن عثمان،''تذکرۃ الحفاظ،تجارب السلف''،مطبعۃ

معارف العثمانیہ، حیدرآباد دکن، ۱۳۳۳۔۱۳۳۴ھ

۴۱۔ذہبی، شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن احمد بن عثمان، دول الاسلام، دائرۃ المعارف النظامیۃ، حیدرآباد دکن، ۱۳۳۷ھ

۴۲۔سبط ابن جوزی، ''مرآۃ الزمان فی تاریخ الاعیان''، حیدرآباد، انڈیا، ۱۳۷۰ھ

۴۳۔شہرستانی، عبدالکریم، الملل و النحل، دارالمعرفہ، بیروت، ت ن

۴۴۔ صفدی، صلاح الدین خلیل بن ایبک، ''الوافی بالوفیات''، دارالنشر شتانیر، ویسبادن آلمان، ۱۹۶۱ء

۴۵۔طبری، ابی جعفر محمد بن جریر، تاریخ الامم و الملوک، مطبعۃ الاستقامۃ بالقاہرۃ، ۱۳۵۷ھ/۱۹۳۹ء

۴۶۔طرطوشی، ابوبکر محمد بن ولید، سراج الملوک، مطبعۃ بولاق، قاہرہ، ۱۲۸۹ء

۴۷۔عزاوی، عباس، تاریخ العراق بین احتلالین، بغداد، ۱۳۵۳ھ

۴۸۔عنان، محمد عبداللہ، تاریخ الجامع الازہر، مطبعۃ لجنۃ التالیف والترجمۃ والنشر القاہرۃ، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۳۷۸ھ/۱۹۵۸ء

۴۹۔عماد اصفہانی، محمد بن محمد بن حامد، خریدۃ القصرو جریدۃ العصر، مصر، ت ن

۵۰۔غزالی، ابی حامد محمد بن محمد، احیاء علوم الدین، مطبع میمنیۃ مصر، ت ن

۵۱۔غزالی، ابوحامد محمد بن محمد، المنقذ من الضلال، مطبعۃ السعادۃ، قاہرہ، ت ن

۵۲۔قلقشندی، ابوالعباس احمد بن علی، صبح الاعشی فی صناعۃ الانشاء، مطبعۃ الامیریہ، قاہرہ،

۱۳۳۸ھ

۵۳۔معروف، ناجی، علماء النظامیات و مدارس المشرق الاسلامی، مطبعۃ الارشاد، بغداد،

۱۳۹۳/ ۱۹۷۳ء

۵۴۔یاقوت، شہاب الدین ابوعبداللہ حموی، معجم الادبا، مصر، ۱۹۲۳ء

۵۵۔یاقوت، شہاب الدین ابوعبداللہ حموی، معجم البلدان، دارالاحیاء التراث العربی، بیروت، ت ن

۵۶۔موسوعۃ طبقات الفقہاء، اللجنۃ العلمیہ فی موسوعۃ الامام الصادق، داراضواء، بیروت، ۱۹۹۴ء

فارسی کتب

۵۷۔آشتیانی، اقبال، ''وزارت در عہد سلاطین بزرگ سلجوقی''، انتشارات دانشگاہ تہران، ۱۳۳۸ء

۵۸۔بیہقی، ابوالحسن علی بن زید، ''تاریخ بیہقی''، انتشارات فروغی، تہران، طبع دوم، ص ۱۷۴

۵۹۔حافظ ابرو، شہاب الدین عبداللہ، ''زبدۃ التواریخ''، نسخہ خطی، کتابخانہ ملی ملک، تہران،

ش ۴۱۴۳۔۴۱۶۶

۶۰۔دولت شاہ سمرقندی، ''تذکرۃ الشعراء''، تحقیق: محمد عباسی، انتشارات بارانی، تہران، ۱۳۳۷ء

۶۱۔راوندی، محمد بن علی بن سلیمان، ''راحۃ الصدور وآیۃ السرور''، لائیڈن، ۱۹۲۱ء

۶۲۔زرین کوب، عبدالحسین، فرار از مدرسہ ''در بارہ زندگی و آثار ابوحامد غزالی''، انجمن آثار ملی، تہران،

۱۳۵۳

۶۳۔فضل اللہ، رشید الدین، ''جامع التواریخ''، لندن، ۱۹۱۰ء

۶۴۔ناصر خسرو، ابو معین حمید الدین، سفر نامہ ناصر خسرو، تہران، چاپ دوم، ت ن

۶۵۔نظامی عروضی، احمد بن عمر، ''چہار مقالہ''، طہران، ۱۳۰۵ھ/۱۸۸۷ء

۶۶۔نور اللہ کسائی، ڈاکٹر، ''مدارس نظامیہ و تاثیرات علمی و اجتماعی آن''، چاپخانہ سپھر، تہران، چاپ دوم،

۱۳۶۳ء

۶۷۔ھمائی، جلال الدین، ''غزالی نامہ''، انتشارات فروغی، تہران، ت ن

۶۸۔مجلہ مہر، تہران

اردو کتب

۶۹۔ابن بطوطہ،''سفرنامہ ابن بطوطہ''،اردو ترجمہ: رئیس احمد جعفری، نفیس اکیڈمی،کراچی،طبع اول،۱۹۶۱ء

۷۰۔ابن جوزی،عبدالرحمٰن،''تلبیس ابلیس''،اردو ترجمہ: ابومحمد عبدالحق، نور محمد اصح المطابع،کراچی،ت ن

۷۱۔ابن خلدون،عبدالرحمٰن،''مقدمہ''،مترجمہ: مولانا راغب رحمانی، نفیس اکیڈمی کراچی،طبع دھم،ستمبر ۱۹۸۶ء

۷۲۔احمد شلبی،ڈاکٹر،''مسلمانوں کا نظامِ تعلیم''،اردو بک اکیڈمی سندھ،کراچی،۱۹۸۵ء

۷۳۔اطہر مبارکپوری،قاضی،''خیر القرون کی درس گاہیں اوران کا نظام تعلیم وتربیت''،ادارۂ اسلامیات، لاہور،اکتوبر ۲۰۰۰ء

۷۴۔الجومرد،ڈاکٹر عبدالجبار،''ہارون الرشید''،مترجم: سید رئیس احمد جعفری،اردو سائنس بورڈ،لاہور، ۲۰۰۴ء

۷۵۔جاراللہ،زہدی حسن،''تاریخ معتزلہ''،مترجمہ: رئیس احمد جعفری،سعید ایچ ایم کمپنی کراچی،جنوری ۱۹۶۹ء

۷۶۔حمید اللہ،محمد،ڈاکٹر،''خطبات بہاولپور''،ادارہ تحقیقات اسلامی،اسلام آباد،۱۹۸۵ء

۷۷۔رضوی،رضوان علی،''نظام الملک طوسی''،شعبہ تصنیف وتالیف وترجمہ،جامعہ کراچی،۱۹۹۵ء

۷۸۔سلیم،سید محمد،پروفیسر،''آغازِ اسلام میں مسلمانوں کا نظامِ تعلیم (عہدِ بنی امیہ تک)''،طبع اول،دسمبر ۱۹۸۳ء،ادارہ تعلیمی تحقیق،تنظیم اساتذہ پاکستان،لاہور

۷۹۔ سیوطی، جلال الدین عبدالرحمٰن ابی بکر، ''تاریخ الخلفاء''، اردو ترجمہ: شمس بریلوی، پروگریسو بکس
لاہور، اکتوبر ۱۹۹۷ء

۸۰۔ شریف، میاں محمد، پروفیسر، ''مسلمانوں کے افکار، ان کی ابتدا اور حاصلات''، مجلس ترقی ادب لاہور،
۱۹۶۳ء

۸۱۔ شیروانی، حبیب الرحمٰن، ''علمائے سلف و نابینا علماء''، اکیڈمی آف ایجوکیشنل ریسرچ کراچی، طبع
اول، ۱۹۶۱ء

۸۲۔ گجر خان غزل کشمیری، محمد، ڈاکٹر، ''آنحضرت ﷺ کی تعلیمی پالیسی''، شعبہ نشر و اشاعت، اقراء
تدریب الاطفال، لاہور، دسمبر ۲۰۰۶ء

۸۳۔ صدیقی، علی محسن، ''مقالاتِ تاریخی''، قرطاس، کراچی، مارچ ۲۰۰۴ء

۸۴۔ عبدالرزاق کانپوری، ''نظام الملک طوسی''، نفیس اکیڈمی، کراچی، طبع دوم، ۱۹۶۰ء

۸۵۔ غنیمہ، عبدالرحیم، ''تاریخ الجامعات الاسلامیہ الکبریٰ''، اردو ترجمہ: محمد ظہیر الدین بھٹی، اسلامک
پبلیکیشنز لاہور، طبع اول، ۱۹۹۹ء

۸۶۔ مسعودی، ابوالحسین بن حسین بن علی، ''مروج والذہب و معادن الجواہر''، اردو ترجمہ: اختر فتح پوری،
نفیس اکیڈمی، کراچی، ۱۹۸۵ء

۸۷۔ ناصر، نصیر احمد، ''پیغمبر آخر و اعظم''، فیروز سنز لاہور

۸۸۔ ندوی، ریاست علی، ''اسلامی نظام تعلیم''، اعظم گڑھ، ۱۹۳۸ء

۸۹۔ندوی،عبدالسلام،مولانا،''حکمائے اسلام''،نیشنل بک فاؤنڈیشن،اسلام آباد،طبع اول،۱۹۸۹ء

۹۰۔ندوی،معین الدین،شاہ،''مہاجرین''،دارالمصنفین اعظم گڑھ،طبع دوم،۱۹۵۲ء

۹۱۔نظام الملک،''سیاست نامہ''،مترجمہ:محمد منور،لاہور،۱۹۶۱ء

۹۲۔نعمانی،شبلی،''الفاروق'' دارالاشاعت،کراچی،طبع اول،۱۹۹۱ء

۹۳۔نعمانی،شبلی،''مسلمانوں کی گذشتہ تعلیم''،قومی پریس،لکھنو،۱۸۸۸ء

۹۴۔نعمانی،شبلی،''مقالات شبلی''،مطبع معارف اعظم گڑھ،۱۹۵۵ء

۹۵۔نگار سجاد ظہیر،''عرب اور موالی''،مطبوعہ قرطاس،کراچی،اشاعت اول،۲۰۰۶ء

۹۶۔ہمائی،جلال الدین،''غزالی نامہ''،مترجمہ:رئیس احمد جعفری،شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور،طبع اول،

ت ن،

۹۷۔یاسین شیخ،محمد،''عہد نبوی کا نظام تعلیم''،غضنفر اکیڈمی پاکستان،اشاعت اول،۱۹۸۹ء

۹۸۔ماہنامہ'معارف'،دارالمصنفین،اعظم گڑھ

۹۹۔'نقوش'(رسول نمبر)،ادارہ فروغ ادب،لاہور

۱۰۰۔اردو دائرہ معارف اسلامیہ،دانشگاہ پنجاب،لاہور،طبع اول،۱۹۶۹ء

English Books

1. Ameer Ali, S., Spirit of Islam, Christophers London, Oct. 1953.

2. Brockelamann, Carl., History of the Islamic People, Munshiram

Manoharlal Publishers, New Delhi, 1995.

3. Browne , Edward G., A Literary History of Persia, Vol II, Cambridge,

1964.

4. Denial, Norman., Islam and the West (The Making of an image),

Edinburgh University Press, 1960.

5. Gibbon, Decline and Fall of Roman Empire, London, 1900.

6. Guillaume, Alfred., The Legacy of Islam, Oxford University Press,

London, First Edition 1931.

7. Hamidullah, Dr., Introduction to Islam, India, Centre Cultural

Islamique, Paris, 1378H/1959.

8. Hitti, P. K., The Near East in History (A 5000 Year History), D. Van

Nostrand & Company, New York, 1960.

9. Makdisi, George, The Rise of Colleges: Institutions of Learning in Islam and the West, Edinburgh University Press, 1981.

10. Nicholson, R. A., A Literary History of the Arabs. Cambridge University Press, 1962.

11. Rosenthal, F., The Knowledge Triumphant, Leaden, 1970.

12. Boil, J.A., The Cambridge History of Iran, Vol. V, Cambridge, 1968.

13. Toynbee, Arnold J., A study of History, Vol. IV, Oxford University Press, London, 1952.

14. Watt, W.M., The influence of Islam on Medieval Europe, Edinburgh University Press, 1972.

15. Encyclopedia of Education, III, New York, 1952.